اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) خلفِ اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر محمد عباس حسین قاری ناردرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا پرنٹر نواب علی

قیمت سالانہ ۳ روپے مقام اشاعت نیا گاؤں لکھنؤ

آپ کی لائبریری ان کتابوں سے خالی ہے؟

علم طبیعات علم طبقات الارض جغرافیہ طبیعی اور ... بارے ابتدائی اور بنیادی اصول کی تشریح۔ ۸ر

... سان انسان کی تشریح علمی رنگ میں مگر نہایت آسان طور پر کہ بچے اور لڑکیاں بھی سمجھ سکیں۔ قیمت ۸ر

گنج شائگان۔ قدیم شاہان ایران سے لیکر اس وقت تک کی دنیا کی تمام سلطنتوں ریاستوں وغیرہ کے سونے چاندی کے سکوں کے دونوں رخوں کی تصویریں مع حالات و وزن وغیرہ قیمت ۸ر

رہنمائے تعلیم۔ ... اصناف اور بہترین طریقہ پر بڑی خوبی اور ... بحث کی گئی ہے طلبا علم کے لیے فی الحقیقت یہ کتاب رہنمائے تعلیم کا کام دیتی ہے۔ قیمت ۴ر

تاریخ مسجد الحرام۔ قیمت ۸ر

حیات حافظ۔ جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور اُن کی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے کاغذ و لکھائی چھپائی نہایت اعلےٰ۔ ۱۲ر

جنگ روس و جاپان۔ روس و جاپان کی گذشتہ ہولناک جنگ کے حالات قیمت ہر دو حصہ ۱۲ر

علمائے سلف۔ وہ نوجوان جو حصول تعلیم میں سرگرم اور دنیاوی ترقی میں گوے سبقت لیجانا چاہتے ہیں اُنکا فرض ہے کہ وہ مشاہیر قوم اور علمائے سلف کے سوانحی حالات اور اُن کے اسباب ترقی۔ استقلال و جفاکشی۔ انصاف پسندی۔ ایثار۔ اخلاق حسنہ کے حالات پڑھیں اس غرض کو پیش نظر رکھکر علمائے سلف کا مطالعہ بہت مفید ہوگا قیمت ... ۱۴ر

حیات سرور کائنات۔ ۶ر

حیات داغ دہلوی۔ ۱۲ر

آئینۂ جنگ یورپ۔ موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ جسمیں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ۱۰۰ قیمت ۴ر

سلاطین مصبر یعنی ساحل کارومنڈل کے مسلمانوں کی فراموش شدہ سلطنت کا تاریخی حال مع نقشہ جات متعلقہ نوشتۂ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری قیمت ۲ر

سیر یورپ۔ ہر ہائنس تاجدار رفیعہ سلطان نواب بیگم صاحبہ ریاست جنجیرہ کے سفر یورپ کا روزنامچہ جسمیں تمام واقعات کو خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا ہے ۴۲ عکسی تصاویر شامل ہیں کاغذ چھپائی نہایت اعلیٰ صفحات ۳۰۶ قسم اول ۳ قسم دوم ... ۲ر

نیرنگ فرنگ۔ فرانس کے انقلاب کی مفصل اور نہایت دلچسپ سبق آموز داستان قیمت ... ۱۰ر

محاصرہ درۂ دانیال۔ درۂ دانیال کی مکمل تاریخ موجودہ جنگ کے معرکہائے ... دانیال کی موجودہ حالت اور انگریزوں کی واپسی دانیال سے کے واقعات نہایت خوبی اور تفصیل سے دکھائے ہیں قیمت مجلد ۱۲ر غیر مجلد ۱۰ر

حیات النذیر شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایل ایل ڈی دہلوی کی زندگی کے مفصل حالات قیمت مجلد ... ۸ر

علوم طبعیہ کی تاریخ۔ علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر بیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آئی ہیں مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکمانے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا مضامین کی وضاحت کے لیے ... تصاویر دیگئی ہیں قیمت ہر دو حصہ مجلد ... ۲ر

تاریخ مذہب۔ اس کتاب میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور سوریہ مصر و چین اور دیگر اقوام و ممالک کے مذہب کی تاریخ درج ہے قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

السنۂ شرقیہ۔ یہ عربی سنسکرت اور فارسی زبان کی دلچسپ تاریخ ہر زبان کی ترقی اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے ہیں ۶ر

مشاہیر مشائخ ہند۔ خاندانہائے عالیہ چشتیہ سہروردیہ کے بعض مشہور مشائخ کا مقدس تذکرہ قیمت ۸ر

مشاہیر بہی خواہان آدم۔ یعنی اُن ہمدردان بنی نوع انسان کی سوانحعمریوں کا مجموعہ جسکے مطالعہ سے ہر شخص جذبۂ انسانی سے بھر جاتا ہے قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ تمدن نیا گاؤں لکھنؤ۔

قابلِ دید ناول اور ڈرامے

احمق الذین:۔ ۳ر
آوا [illegible] کا ایک خاص واقعہ
نا [illegible] ن کیا گیا ہے نہایت
در [illegible] رصہ ہے قیمت ۸ر

ڈاکوپ [illegible] ل میں مسٹر [illegible] سونے ایک
خیالی [illegible] ملک وقوم کا حال بیان کر کے اہلِ
انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۴ر

روحِ لیلیٰ یہ کتاب میری کوریلی کی مصنفہ
ہے جسمیں ایک روحانی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش
کی گئی ہے ایک شخص مردہ لڑکی کی روح کو اُسکی وفات
کے وقت ایسا محسوس کرلیتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ
وابستہ رہتی ہے درشت وقتاً فوقتاً اُسکو زندہ کر کے
اُسکے ذریعہ سے بہت کام نکالتا ہے قیمت ۱۲ر

حکایاتِ دلچسپ:۔ یہ اُن حکایات کا
ترجمہ ہے جنکو سٹراٹفک کے مہر منیر اور علم ڈراما کے
اُستادِ بے نظیر شکسپیر کے منظوم کھیلوں سے زبانِ
انگریزی کے مشہور و معروف ادیب چارلس لیمب
نے اختصار و لطافت یار کے ساتھ نثر میں تحریر کیا ہے
اور اب یہ حکایات شائقین کے ضیافتِ طبع کے
لیے اُردو میں نہایت قابلیت کے ساتھ ترجمہ کی گئی ہیں ۸ر

جرمن محکمہ جنگ کے اسرار:۔ جرمن محکمہ
جنگ کے اسرار کا مجموعہ نہایت دلچسپ
کتاب ہے۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

جنگ جرمن و بلجیم:۔ سنہ ۱۹۱۴ء کی مشہور
جنگ کے ہولناک سکارنامے قیمت ۱۰ر

جرمن جاسوس:۔ جسمیں حال کی جنگ
یورپ کے متعلق جرمن جاسوسوں کی انتھک
کوششوں کے تمام و کمال سازشیں جو دول یورپ
کے خلاف کی گئیں نہایت پُر لطف پیرایہ میں
تفصیل [illegible] فارسی [illegible]
انکشاف کہ حالات پڑھکر [illegible]

ہیں کتاب میں حُسن و عشق کے سچے جذبات
بھی موجود ہیں کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی
ہے صفحات ۲۹۲ قیمت ۸ر

جمیلہ کی ناکامیابی:۔ بقول حسرت
موہانی اس زمانہ کا بہترین ناول ہے چونکہ
علیحدہ نہیں چھپا ہے اس لیے جو صاحب
اس لاجواب فسانے کو پڑھنا چاہیں اُنکو رسالہ
"معلومات" کی مکمل پندرہ نمبروں کی جلد خریدنا
پڑے گی کہ جسمیں یہ ناول چھپا ہے ۱۲ر

ناولہائے قاری:۔ قاری محمد سرفراز حسین
صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول
سعید سعادت شاہد رعنا جو دوبارہ چھپ کر
قدر دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب ایک
مجموعہ کی صورت میں چھپوائے ہیں ۳۰۰ صفحات
کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر
چھاپی گئی ہے۔ اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر
بھی شامل ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۲ر

ناول نادر بیان:۔ نہایت درد انگیز
اور دلچسپ ناول ہے قیمت ۸ر مجلد ۱۲ر

الماس:۔ سوئین نرٹیسی کے ناول کنگ
آف ڈائمنڈس کا اُردو ترجمہ قیمت ۸ر

آخر نقاب اُلٹ گیا:۔ یہ ہیڈلی بل کے
ناول انما سکڈ بٹ لاسٹ کا اُردو ترجمہ ایک
ایک لفظ تڑپا دینے والا ہے قیمت ۸ر

بنگالی دُلہن:۔ بنکم چندر کا سب سے بہتر
و دلچسپ ناول شوہر پرستی اور عورتوں
میں جذبات خودداری پیدا کرنے کی
بہترین آلہ قیمت ۔ ۔ ۔ ۱۲ر
[illegible]
[illegible] قیمت ۱۰ر
[illegible]

عورتوں کے جذبات شوہر پرستی کا مرقع ۹ر

نوابِ فرید:۔ شیخ فرید الدین اخلاص خان
احتشام خان کی سوانحعمری یعنی مغلیہ سلطنت
ایک شاہجہانی و عالمگیری درباری کی
ملکی خدمت کا نقشہ تاریخ راجح کا
باب خود مختار تاج و تخت کی حکمرانی
مصنفہ مسٹر سلطان حیدر جوش (علیگ)
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

افسانۂ بنگال:۔ سر رابندرناتھ
ٹیگور، بابو پربھات کمار مکرجی وغیرہ
بنگالی مصنفین کی آٹھ چیدہ افسانوں
یہ کہانیوں کا اُردو ترجمہ
کتاب بہترین دماغوں کے بہترین
کا نچوڑ ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔

بزم اکبری:۔ اس میں شہنشاہ
اور اُسکے جلیل القدر شہزادی منصب
حبیب خاں کے دلچسپ حالات حاکم مالوہ
باز بہادر کی شاہزادی روپمتی کے حُسن و
عشق کی پُر درد داستان خاقانِ اکبری
فوج کشی سلطان احمد نگر کی تباہی اور
دیگر تاریخی واقعات نرالے ڈھنگ سے
قلمبند کیے گئے ہیں صفحات ۴۴۴
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

خلقِ مجسم:۔ شائستہ زندگی کی چلتی پھرتی
تصویر انسانی ہمدردی کا سبق اخلاق مجسم
کی صورت قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ر

ماتا:۔ حُسن پرستی و عشق آموزی کا آئینہ
دلفریب کرشموں کا گنجینہ قیمت ۸ر
[illegible] فانوس:۔ انگلستان کے مشہور
ناول نگار رینالڈس کے انگریزی ناول
کا ترجمہ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ر

ملنے کا پتہ:۔ [illegible] لکھنؤ

حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتابیں

...دو
...تابیں
...ب سے
...ہیں یہ
...معتبر اور صحیح روایتوں
...یا ہے
...صلے اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے
...شروع کیا ہے اور ولادت کا
...کی زیبائش سے قلم بند کرکے
...کے کل واقعات لکھے ہیں۔
...الموسوم بہ رسول ... رسالت
...وفات تک کے حالات ہیں گویا
...مختصر اور پوری سیرت و سوانح عمری
...آپ کے اخلاق و عادات
...وغیرہ کی کیفیت ہے قیمت
...روپیہ (عہ) علاوہ محصول۔

...سفر حجاز و شام و مصر
...نظامی کا مشہور و معروف سفرنامہ
...نے مقامات مذکورہ کے عجیب
...تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے
... مجلد

...کا دل :- اس کتاب میں
...کے وہ تمام مضامین ہیں
...ہندوستان کے مشہور رسالوں
...چھپے بعض مضامین تو وہ ہیں
...گئے تھے اور ایک ایک اشرفی قیمت
...دستیاب نہ ہوتے تھے ۱۹۱۱ء میں
...میں چھپا تھا مگر ناتمام تھا
...مضامین نہ تھے جو اس تازہ
...ہیں قیمت عہ علاوہ محصول

...توحید :- اخبار توحید میرٹھ کے
...ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے جو صرف پانچ مہینے جاری رہا مگر مقبولیت کی کیفیت یہ تھی کہ ہندوستان کا کوئی گاؤں اسکے ناظرین سے خالی نہ تھا یہی وہ اخبار ہے جس کے ایک مضمون کو تکبیر کو ہندو مسلمانوں نے بطور خود چھپوا چھپوا کر تقسیم کیا اور اس طرح ایک کروڑ کے قریب اسکی اشاعت ہوئی۔

اخبار توحید کے چیف ایڈیٹر حضرت خواجہ صاحب تھے، یہ انتخاب اسی اخبار توحید کے مضامین کا ہے جس میں خواجہ صاحب کے تمام مشہور مضامین یکجا کر دیے گئے ہیں قیمت علاوہ محصول عہ

کرشن بیتی :- ہندوؤں کے مشہور اوتار سری کرشن جی کی لائف آجتک اردو زبان میں کوئی اس قابل نہ تھی جس سے مسلمانوں کو سری کرشن کا اصلی اور پورا حال معلوم ہوتا۔ ہر موقع کی عکسی تصویریں صرف کثیر سے حاصل کرکے اسمیں شریک ہوئی ہیں، باعتبار عبارت آرائی و باعتبار تحقیق حالات خواجہ صاحب کا یہ ایک شاندار کارنامہ ہے نہایت اعلےٰ کاغذ پر بہت اہتمام سے چھپی ہے قیمت عہ (دو روپیہ)

مجموعۂ خطوط حسن نظامی
حضرت خواجہ صاحب کے نہایت دلچسپ اور پر معانی خطوط کا یہ مجموعہ اردو زبان میں بے مثل چیز ہے قیمت ۱۲ر (بارہ آنے)

تالیق خطوط نویسی :- خط و کتابت آجکل ہر آدمی کی زندگی کا ضروری حصہ ہے عورتوں اور مردوں کو یکساں ضرورت ہے کہ مختصر الفاظ میں زیادہ اور طویل مطلب ادا کرنا سیکھیں، خواجہ صاحب نے اسی ضرورت کو مد نظر رکھکر یہ کتاب لکھی ہے، اس کے دو حصہ ہیں، پہلے حصہ میں خود خواجہ صاحب کے خطوط ہیں اور خط لکھنے کا ڈھنگ سیدھی سیدھی بتایا گیا ہے،

دوسرے حصہ میں ہندوستان کے نامور مسلمانوں کے خطوط کا مجموعہ ہے مثلاً نواب محسن الملک، مولانا شبلی، مولانا ابو الکلام، ڈاکٹر اقبال، حضرت اکبر، مولانا ذکاء اللہ، مرزا قادیانی وغیرہ حضرات، غرض دونوں حصے حقیقتاً خط و کتابت کا طریقہ جاننے کے لیے اسم بامسمے اتالیق ہیں، قیمت ہر دو حصہ ۱۰ر (دس آنہ)

بیوی کی تعلیم :- یہ انیس سبقوں کا مجموعہ ہے جو حضرت خواجہ صاحب نے اپنی اہلیہ کو بطور تعلیم لکھکر بھیجے تھے ان اسباق میں خانہ داری کی وہ سب باتیں آگئی ہیں جو ہندو مسلمان اور یورپین گھروں میں مروج ہیں اور ان باتوں کو ایسے طریقہ سے لکھا ہے کہ ہر ہندو مسلمان عورت صرف یہ ایک کتاب پڑھکر تمام قابل اصلاح خرابیوں سے آگاہ ہو سکتی ہے۔ اور جن چیزوں سے ملک ہندوستان تباہ و برباد ہو رہا ہے، انکو ٹھیک طور سے درست کر سکتی ہے چند سبقوں کے عنوان یہ ہیں، دین، تعلیم و تربیت، دھرتی ماتا، میاں بیوی، بچے، بیاج، اوپری خلل، شادی غمی، نماز و نیاز، لباس، مکان، کھانا پینا، کپتی بیویاں، حرص، محرم، پیر، مسلم لیگ، کانگریس،

جو لوگ اپنی بیویوں کو تعلیم دینا اور اپنے کام کرنا چاہتے ہیں انکو یہ کتاب ضرور خریدنی چاہیے۔ اردو زبان میں آجتک ایسی کوئی کتاب نہ تھی قیمت ۱۲ر علاوہ محصول

ملنے کا پتہ :- دفتر رسالہ تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

عزت

موجودات عالم کی جاندار ہستیوں پر ایک غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہو کہ حیوانات کے کُل چلتے کی جد وجہد کا مادہ طلب عزت ہے اعلیٰ سے ادنیٰ جاندار ہستی تک اپنی زندگی کی [illegible] اپنے ہم جنسوں بلکہ دوسرے جانداروں پر بھی تفوق حاصل کرنے کو سمجھتی ہے شیر کو ہم جنس حیوانات کی برادری کا شرف صرف اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ ان پر بلحاظ قوت و شوکت امتیاز کے تفوق رکھتا ہے [illegible] شیر اپنی صنف پر اس وقت حکومت و سرداری سے مشرف ہوتا ہے جبکہ اس کی قوت و عظمت کا اثر دوسروں پر بخوبی پڑ چکا ہو اور اس کی صنف اس کے جلال رعب سے مرعوب ہو چکی ہو۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ شیر جو تمام حیوانات مطلق کے جھنڈ میں ممتاز ہوتے ہیں اس لئے ان ہی میں سے ایک مخصوص فرد سرداری کے لیے منتخب ہوتا ہے وہ فوقیت کی عزت حاصل کرنے کے لئے اپنے ہم جنسوں سے لڑتا ہے اور بعض اوقات کیا بلکہ اکثر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ انسان

یہ حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات سینکڑوں بداخلاقیاں کر گذرتا ہے
لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو حصولِ ثروت کے پردے میں جو چیز نمایاں ہوتی ہے
وہ حصول عزت ہے۔ جس انسان کے ذہنی قوٰی صحیح اور پورے طور پر نشوونما
پا چکے ہوں وہ حصولِ عزت کو معراج زندگی سمجھنے پر مجبور ہے عام طور پر کہا جاتا ہے
کہ عزت و آبرو کی خاطر جان اور مال تک قربان کر دینا چاہیے جس کے معنے
یہ ہوئے کہ انسان۔ اشرف المخلوقات انسان کا بیشتر حصہ عزت کو جان اور
مال دونوں سے زیادہ اعلٰے خیال کرتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت
تک کی تاریخ شاہد ہے کہ عزت کی خاطر ایک نہیں سینکڑوں جانیں قربان
کی گئیں ہیں۔ کروڑوں روپیہ صرف کیا گیا ہے۔ دنیا میں اس وقت تک جتنی
خونریز لڑائیاں ہوئی ہیں اُن سب میں کروڑوں بندگانِ خدا کا خون بے شمار
چاندی اور سونا اسی عزت کے دیوتا کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے۔ موجودہ جنگ یورپ
کی ابتداء اسکے قیام اور اُس کی طوالت کے جو وجوہات عام طور پہ بیان کیے جاتے
ہیں اُن کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جرمنی اور انگلستان کے درمیان
تجارتی رقابت ہر ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کا خواہشمند بنائے ہوئے ہے
دنیا میں وہ ممالک اُن کے باشندے اور وہ قومیں با عزت خیال کی جاتی
ہیں جو دوسروں سے زیادہ ممتاز ہوں۔ اور وہ اقوام اور وہ ممالک بہت لپست سمجھے
جاتے ہیں جن کو کوئی طرۂ امتیاز حاصل نہو۔ حکومت ایک انتہائی طرۂ امتیاز ہے۔
جس کی بدولت سلطنت برطانیہ دنیا کی واحد ممتاز سلطنت خیال کی جاتی ہے
چونکہ اس کے قبضۂ اقتدار میں روئے زمین کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ اس کی مملکت پر
کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔

مذکورۂ بالا نظائر سے یہ امر اچھی طرح ذہن میں آ جائے گا کہ نشوونما یافتہ

ذہنی قوت رکھنے والا انسان اگر اپنی زندگی کی معراج یا سب سے بڑی
خواہش عزت طلبی کو سمجھتا ہے تو وہ کس حد تک حق بجانب ہے
زر کا ابھرآتا ہے اور زر بیشتر حالتوں میں انسان کو عزت [illegible]
دیتا ہے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ عزت دولت کا لازمی [illegible]
نہیں کہ یہ ایک حد تک درست ہے۔

ان اُمور کو مدنظر رکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ کسی قوم یا ملک کو پست حالت سے بلند کرنے کے لیے لازمی ہے کہ اُس قوم کے افراد یا اُس ملک کے باشندوں میں عزت حاصل کرنے کا حقیقی جذبہ پیدا ہو جائے۔ اُن اقوام کے لیے جو پست حالت میں ہوں یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے حصول عزت کے خیالات میں استحکام پیدا کریں اور ہر وقت اس نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھیں کہ حصول عزت انفرادی۔ ملکی۔ قومی غرض ہر لحاظ سے اُنکے لیے لازمی اور ضروری ہے جسقدر یہ خیال راسخ ہوتا جائیگا اُسیقدر وہ افراد جو انفرادی حیثیت سے تو باعزت ہیں مگر جن کو دنیا میں بحیثیت قوم کے نہ کوئی عزت حاصل ہے نہ ثروت وہ جلد باعزت ہوتے چلے جائیں گے اور آخر ایک دن اُن کے خیالات کا استحکام انھیں عملیات کی طرف متوجہ کردے گا اور جس وقت یہ خیال قیاسات سے دائرۂ عمل میں آجائے گا اُس وقت اُس قوم کی جس کے وہ فرد ہیں عملی ترقی شروع ہو جائے گی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ جب تک عزت کا جذبہ ایک خیالی جذبہ ہی رہتا ہے اُس وقت تک اُن اقوام میں ترقی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ترقی اُسی وقت سے شروع ہو جاتی ہے اور جس قدر اس خیال میں استحکام اور قوت پیدا ہو جاتی ہے اُسی قدر قومی ترقی میں بہتر تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے اور پھر قوم کے افراد کے دلوں میں اِن خیالات کی قوت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ دلوں میں اسکو نہاں رکھنے کی قوت

رہتی اور وہ عملیات کے دائرہ میں آجاتا ہے اور خیالی ترقی کی جو منزلیں
اب تک طے کرنی پڑتی تھیں اُن کو عملی زندگی سے نشو و نما بخشا جاتا ہے
۔ آخر کار جب افرادِ قوم کا عملی جذبہ پورے طور پر حرکت میں آجاتا ہے اسوقت
کوئی بات کوئی خواہش ایسی باقی نہیں رہتی جو پوری نہو جائے بشرطیکہ خیالی
اور عملی حیثیت کی پوری منزلوں کو اس جذبہ نے طے کر لیا ہو۔ بار ہا تاریخ میں
اس کا اعادہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک راسخ خیال دل میں لے کر نکلا ہو
تو کامیابی اُس کے لیے یقینی ہو جاتی ہے ترقی یافتہ اقوام کی تاریخ پر نظر ڈالنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے کس طرح ترقی کی۔ دنیا کی نیرنگیاں بہت سے
منظر ہمارے سامنے اس قسم کے پیش کرتی رہتی ہیں کہ جو قوم آج برسرِ اقتدار ہے
کل وہی محکوم اور مذلّت کی حالت میں نظر آتی ہے اسی طرح جو قوم آج ذلت
کی زندگی بسر کر رہی ہے وہی کل برسرِ اقتدار اور برسرِ عزت تھی اور کل تک دنیا
کی ممتاز ترین قوموں میں شمار کی جاتی تھی وہی انسانی ہستیاں جو آج دنیا کی نگاہوں
میں حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں کل تک عظمت و شوکت میں دنیا کے سامنے
مثال کے طور پر پیش کی جاتی تھیں غرض پست اقوام اُس وقت تک کبھی ترقی
نہیں کر سکتیں جس وقت تک انھیں حقیقی عزت کا صحیح احساس نہ ہو۔ اور ہر ایک
قوم اس وقت تک ذلت میں گرفتار رہتی ہے جب تک کہ وہ اپنی بے عزتی پر قانع
رہتی ہے۔ جب ایک غریب اپنے آپ کو غریب سمجھنے لگتا ہے تو قدرتی طور پر اُسے
اپنے افلاس دور کرنے کی فکر ہوتی ہے اسی طرح جب کوئی شخص اپنے آپ کو
دنیا کے لیے ننگ و عار سمجھتا ہے تو وہ خود کو بہتر بنانے کی کوشش شروع کر دیتا ہے
اصل یوں ہے کہ دنیا میں ترقی کا سامان خود انسان کی حقیقت سمجھنے پر منحصر ہے۔ اب
[illegible] تو وہ

"عزت" کی طلب سے اس خیال اور غرور میں غافل ہو جاتی ہیں کہ
عزت ہیں اور اُن کے اقتدار کو کوئی چیز صدمہ نہیں پہنچا سکتی ہیں
کہ وہ اپنے ہر منافی عزت طرز عمل ہیں یا تو اپنے غرور و نخوت سے عزت
پائیں گے یا منافی عزت طرز عمل کا انھیں احساس ہی نہ ہوگا اور وہ اسے اپنے
اقتدار کا ایک فعل خاص تصور کریں گے یہی وہ خیالات ہیں جن سے زوال کی
ابتدا اور تباہی کا موسم شروع ہوتا ہے۔

پستی سے بلندی کی طرف جانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک قوم اپنی
موجودہ حالت کو حقیقی طور پر سمجھے اور اس بات کا احساس کرے کہ اُس کی موجودہ
حالت عزت سے کس قدر فاصلہ پر ہے اور پھر اُن منازل کو تدریج طے کرنے
کی کوشش کرے جو ترقی یا بلندی کے زینہ تک پہنچنے میں پیش آئیں اور اس
خیال کو اپنے ذہن میں راسخ کر کے عزت حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ انسانی
ترقی کی اگر کوئی چیز معراج کہی جا سکتی ہے تو وہ "عزت" ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے
کہ اگر کسی قوم نے اپنی موجودہ حالت کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں غلطی
کی تو اُس کے لیے آگے کی منازل کا طے کرنا درکنار طلب بھی نہیں ناممکن ہے۔

ہر قوم اور ملت میں جہاں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی امارت اور
عزت کو سب قوم کے ساتھ شامل کرکے دیکھتے ہیں تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے
کہ بحیثیت اُس قوم کے جس کے وہ فرد ہیں اُن کی کوئی عزت نہیں ہے اور اس
خیال کو مدنظر رکھ کر وہ اپنی انفرادی عزت کو بھول جاتے ہیں اور حقیقی انفرادی
عزت حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی قوم کو با عزت بنانے کی کوشش کرتے ہیں
وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو اپنی عزت کو کافی سمجھتے ہیں اور یا تو
نہایت دلیری سے آنکھیں بند کرکے قوم کو بھی با عزت خیال کرنے لگتے ہیں یا یہ

اپنے آپ کو اپنی غلط فہمی اور تنگ نظری سے اُن وحشی جانوروں سے بھی بدتر کرتے ہیں جو اپنے گروہ کے حقوق اور امتیاز کے لیے کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھتے۔ اور اپنی قوت اپنے امتیاز اور اپنی عزت کو اُسی وقت عزت خیال کرتے ہیں جب اُن کے گروہ کو درجۂ امتیاز حاصل ہو۔ اگر مہاراجہ صاحب بڑودہ جنوبی امریکہ جائیں تو یہ بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ وہاں اُن کی بہت عزت اور حرمت ہوگی مگر بحیثیت ہندوستانی ہونے کے وہ اُسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو متمدن دنیا کے بیشتر حصہ میں غریب۔ فقیر اور قلی کی مترادف خیال کی جاتی ہے۔ اور جو اُن سڑکوں پر راستہ بھی نہیں چل سکتی جن پر اُس مُلک کے باشندے چلتے ہوں۔ اگر دولت مند یا عزت دار شخص اپنے ذاتی احترام یا عزت کی وجہ سے اپنی فوقیت اور قومی بے عزتی کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ یقینی ملک اور قوم کے لیے اُس غریب شخص سے بھی بدتر بلکہ ملک و قوم کے لیے باعث ننگ ہے جو اپنی ذاتی حیثیت کو قوم پر ترجیح نہیں دیتا۔ پست اقوام ایسے افراد کی بدولت ترقی کر سکتی ہیں جو اپنی ذاتی حیثیت کو قومی حیثیت سے علحدہ کر کے دیکھنے کے عادی نہ ہوں۔ ترقی یافتہ اقوام نے اپنی ترقی میں اسی طبقے سے مدد لی ہے اور جس قدر اس قسم کے لوگ پست اقوام میں پیدا ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر وہ ترقی کی منازل کی طرف بڑھتی جاتی ہیں۔

محمد ابراہیم منور دہلوی

ضروری گذارش: "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونۃً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہِ کرم فوراً آپ اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں۔ ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا ان کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

مسئلہ ازدواج

جس طرح ایک چھوٹا سا بیج بڑھکر عالیشان درخت کے ڈال ڈال شاخ شاخ۔ ٹہنی ٹہنی اور پتّی پتّی میں پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح اس تمام عالم کائنات کی تہ میں بھی ایک عظیم الشان وحدت پوشیدہ ہے۔ فلسفی اس چہل پہل کو ایک یا ایک سے زیادہ چند جرموں کا نتیجہ سمجھتا ہے اور صوفی کو ذرّہ میں آفتاب اور قطرہ میں دریا نظر آتا ہے۔ غرض یہ تمام گونا گونی اور رنگا رنگی ایک ہی ذات سے وابستہ ہے۔

کسی درخت کی جڑ۔ تنا۔ پتے۔ پھول اور پھل کو برابر برابر رکھکر ان پر غور کیجیے یہ سب ایک ہی مادّہ سے بنے ہیں لیکن ایک نہایت سخت اور بدرنگ شے ہے دوسری نہایت نرم و نازک اور خوشرنگ ہے۔ ایک تلخ ہے دوسری شیریں۔ ایک کو چھونے تک کے روادار نہیں۔ دوسری کو ناک میں ٹھونسے لیتے ہیں۔ خود انسان ہی کو لیجیے جہاں گوشت جیسی نرم چیز جسم میں ہے۔ وہاں ہڈیاں بھی موجود ہیں۔ گلاب کی پتّی کو شرمانے والے رخسار کے پاس ہی (سر پر) لمبے لمبے سیاہ بالوں کا جنگل بھی موجود ہے

ہم نے یہ چند مذکورہ بالا سطور اس لیے لکھی ہیں۔ کہ بعض حضرات اپنے آپ کو حیوانات سے الگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک انسان کو حیوانات میں شمار کرنا ان کی سخت توہین ہے۔ لیکن اہل تحقیق جانتے ہیں۔ کہ ہماری اور جانوروں کی خوراک ایک ہے۔ ہماری رگوں میں خون دورہ کرتا ہے۔ تو ان کی رگوں میں بھی پانی نہیں بھرتا ہے۔ ہماری اور ان کی پیدائش اور موت ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے۔ وہ چیز جس نے انسان کو حیوان سے ممیز و ممتاز بنا دیا۔ قوت مدرکہ ہے۔ اگر جانوروں میں بھی انسانوں کی سی ترقی پذیر عقل ہوتی۔ تو آج یقیناً گھوڑوں کے ہاتھ میں ہماری باگ ہوتی

ن کی گاڑیوں میں جُتے ہوئے ہوتے۔

عقلِ حیوانی جن چند خصوصیات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک بقائے نسل ہے
اب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان میں انتخاب ازدواج کس طرح ہوتا ہے۔

اکثر جانوروں میں یہ دستور ہے۔ کہ جب ان کے جُفت کے دن آتے ہیں تو بہت
سے نر مادہ کے قریب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان سب میں ایک جنگ ہوتی ہے جس میں
آخر کار سب سے طاقتور نر باقی کمزوروں کو مار کر بھگا دیتا ہے۔ اور خود آئندہ نسل کا
بانی بنتا ہے۔ جن جانوروں کے خار یا سینگ ہر سال جھڑ کر نئے نکل آتے ہیں۔ وہ
گویا اس جنگ کے لیے مسلح ہوتے ہیں۔ کیونکہ بظاہر سینگوں کی سوائے لڑنے کے اور
کوئی غرض و غایت نہیں معلوم ہوتی۔

دنیا کی قدیم تاریخ اس قسم کے جدال و قتال سے پُر ہے۔ فرعون کی لڑائی
اسی بنا پر ہوئی تھی۔ قدیم اہلِ ہند میں جو سوئمبر کی رسم جاری تھی اس کے یہی معنی تھے
کہ عورتوں کو طاقتور سے طاقتور خاوند ملیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اولاد بھی قوی ہی
و زبردست اور طاقتور ہوتی اور نسلیں بجائے کمزور ہونے کے اور طاقتور ہو گئیں۔

نر مادائیں خود بھی انتخاب کرتی ہیں۔ اور بعض اوقات ایک ہی قسم کے نروں کو پسند
کرتی ہیں۔ اس انتخاب کی وجہ کہیں ڈیل ڈول، تندرستی، جانبازی ہوتی ہے
کہیں نزاکت و خوبصورتی ہوتی ہے۔ پرندوں کے رنگ میں اور پروں کی ساخت
میں قدرت نے اس کام میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور نر عموماً زیادہ خوبصورت اور
شوخ رنگ ہوتا ہے۔

انسانوں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات مادہ سے اپنی تلاش
کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن قدرت نے دولت کو صرف اتنا ہی حصہ دیا
ہے۔ جتنا کہ انتخاب کو سفید فام کا ہی ہے۔ اس لیے ہم دوسروں کی بات کرتے ہیں

کہ انسانوں میں اکثر اس انتخاب کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کسی
کی یہ خواہش نہ ہوگی۔ کہ اس کا خاوند بڈھا یا بدصورت ہو
ہے۔ کہ عورتیں محض دولت سے، شادی کر لیتی یا کر لینے پر مجبور ہو
اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ مناکحت کی رسمیں جو تاریخ تہذیب میں
ملتی ہیں کہاں تک حیوانی انتخاب ازدواج کی مطابقت کرتی ہیں۔

علم الاقوام کے ماہرین کا خیال ہے کہ ابتداءً انسان بھی توالد و تناسل کے
کے عمل میں دیگر حیوانات کی طرح کسی رسم باقاعدے کا پابند نہ تھا۔ لیکن یہ صرف
خیال ہی خیال ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں ہماری معلومات بہت کم ہے۔ ہمارے
تاریخی زمانہ کی عمر صرف تین چار ہزار سال ہے۔ یا اگر مذہبی روایات اور افسانوں کو
لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ آٹھ دس ہزار سال۔ اس تمام زمانہ میں دنیا کے
کسی حصے میں بھی کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی گئی جس میں رسم مناکحت جاری نہو۔
البتہ جانوروں کی بابت کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان میں نر مادگی کے تعلقات جس قسم
کے آج کل ہیں۔ وہی اب سے دس ہزار یا بیس ہزار سال پہلے بھی ہوں گے۔
آج کل جانوروں میں مادائیں کے عموماً ایک یا بہت سے نر ہوتے ہیں۔ اور اگر
نر مادہ میں سے کوئی مر جائے تو پھر جوڑا ملا لیتے ہیں۔ مادہ اپنے نر کے مرجانے کے
بعد نہ تو مر ہی جاتی ہے۔ اور نہ تمام عمر کے لیے نر سے کنارہ کش ہوتی ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں تعدد بعول کا رواج تھا۔ اور
عورتیں ایک وقت میں چار چار یا پانچ پانچ خاوند رکھتی تھیں۔ ہندوستان
(جس کو اپنی قدیم تہذیب پر بیحد ناز ہے) بہت عرصہ تک اس رسم پر عمل پیرا رہا۔
بلکہ یہاں ایسی عورت کو جس کے بہت سے خاوند ہوتے تھے۔ نہایت عزت و
وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ہم کو یقین ہے۔ کہ اکثر ناظرین تعدد بعول پر

گے۔ لیکن واقعی امر یہ ہے۔ کہ شروع شروع میں تقریباً تمام قوموں میں
رہی ہے۔ اس کا منشا یہ تھا۔ کہ عورت کو نسل افزائی کا ذریعہ قرار
دے کر اسکو تمام قبیلہ یا خاندان کا مرکز بنا دیا جاتا تھا۔ اور باپ کی خصوصیت
یا تمیز نہونے سے بچہ گویا تمام خاندان کا بچہ ہوتا تھا۔ عبرانیوں کے قدیم زمانہ تک
اس رسم کے بعض قواعد جاری تھے۔ مثلاً کسی شخص کے مرجانے کے بعد اسکی بیوہ
سے توالد و تناسل کا جاری رکھنا اس کے بھائیوں کا حق ہی نہ تھا بلکہ فرض تھا۔

قدد بعول کے بعد تعدد ازدواج کا رواج ہوا۔ اور جس طرح مرغ اور
ہرن وغیرہ ایک وقت میں بہت سی مادائیں رکھتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں نے
بھی بیویوں کی تعداد میں اضافہ شروع کیا۔ اور بہت سے اللہ کے بندوں نے
توسینکڑوں ہزاروں تک نوبت پہنچادی۔ یہ رسم کم و بیش اب بھی جاری ہے۔
اسمیں اولاد کا تعلق محض باپ سے ہوتا ہے۔ گویا وہ مرکز ہے۔ اور عورتیں
اس کے گرد حلقہ باندھے کھڑی ہیں۔ شادی کے بعد عورتوں کی ذاتیت و
قومیت مٹ جاتی ہے۔ اور بچے صرف باپ کے خاندان کا جزو بن جاتے ہیں۔

اکثر اصحاب تعدد ازدواج کو پسندیدہ خیال نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ
ایک مرد کے صرف ایک ہی بیوی ہونی چاہیے۔ ہم بھی ایک بیوی کو ترجیح
دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی تعدد ازدواج کو بھی جائز، و بعض حالتوں میں
ضروری خیال کرتے ہیں۔ اگر قدرتی جذبات و احساسات پر غور کیا جائے
تو بھی یہ رسم صحیح اور پوری اشرتی ہے۔ کیونکہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے
کہ وہ ہر نئی چیز کو پسند کرتا ہے۔ شادی کے پہلے چند ہفتوں میں جو
امنگ اور چاؤ خاوند کو ہوتا ہے۔ یا جس قدر بیوی کی نازبرداری کرتا ہے
چند مہینوں کے بعد وہ حالت نہیں رہتی۔ اور چند سالوں میں تو نقشہ ہی

تا ہے۔ ویسے ہی ایک سے زیادہ ہونے کا قطعی الزام بھی خلاف فطرت ہے"

اس کے بعد سرسید نے معاشرت کے لحاظ سے اس پہ بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اس بات کو توریت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کو یہ خیال آیا کہ انسان کا اکیلا ہونا اسکے حق میں اچھا نہیں۔ تو اس نے اس کے واسطے ایک ساتھی پیدا کیا۔ اور وہ عورت ہے۔ جو اس واسطے پیدا کی گئی ہے کہ انسان کی زندگی کے فکر و تردد اور رنج و راحت میں شریک ہو۔ اپنی مجانست سے اسکی خوشی کو بڑھائے۔ اور اپنی محبت بھری ہمدردی سے اس کی تکالیف کو کم کرے۔ اور سب سے اخیر غرض جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے کہ مرد کے ساتھ شریک ہو کر خدا کے اس بڑے حکم کی تعمیل میں کہ "بڑھو اور پھیلو اور زمین کو آباد کرو" مدد دے مگر جب کبھی یہ مددگار کسی سبب سے اپنے ان قدرتی فرائض کے ادا کرنے میں قاصر ہو۔ تو اس حکیم مطلق نے اس نقصان کے رفع کرنے کی بھی ضرور کوئی تدبیر رکھی ہوگی۔ اور وہ سوا اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایسی حالتوں میں ایک سے زیادہ مگر کسی خاص حد تک ایک ہی وقت میں بیویاں رکھنے کی اجازت ہو۔ یا پہلی زوجہ کو طلاق دینے کے بعد دوسری بیوی کرے۔ پچھلا حق عورت کو بھی حاصل ہونا چاہیے۔ چنانچہ مذہب اسلام کی رو سے اس کو حاصل ہے"

تعدد ازدواج کا رواج نہایت قدیم زمانہ سے ہے۔ ازالۃ الاوہام میں توریت کے حوالوں سے حضرت ابراہیمؑ کے تین نکاح۔ حضرت یعقوبؑ کے

چار نکاح۔ حضرت موسیٰؑ کے دو نکاح ثابت کیے گئے ہیں۔ اور یہ کہ حضرت داؤد کی نوّے سے زیادہ بیویاں تھیں جن میں سے بعض منکوحہ اور بعض غیر منکوحہ تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ اسی طرح بعض انبیا کی کثرت ازدواج کو ثابت کیا گیا ہے۔

پروفیسر رڈپاتھ اپنی مشہور دنیا کی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ تعدد بعول اور تعدد ازدواج کے بعد مسئلہ ارتقا نے صرف ایک ہی شادی کو مروج رکھا ہے۔ مگر دُو کو ابھی تک کچھ فضیلت اور فوقیت حاصل ہے یعنی اولاد باپ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ آیندہ ممکن ہے۔ کہ ارتقا اس رسم میں اختلاف ہو جائے اور جس طرح مرد اور عورت دونوں بچوں کی پیدائش میں شریک ہیں اسی طرح اولاد کے نام میں بھی دونوں کا اشتراک ہو جائے۔

اس تمام بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تعدد ازدواج بعض حالتوں میں صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خاص قدرت کی مرضی کے مطابق ہے۔ اسی طرح طلاق کی رسم میں بھی قدرت نے برکت رکھی ہے۔ اب سے کچھ عرصہ پیشتر یورپ اور امریکہ میں اس رسم کو نہایت معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ لوگ اس کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ اور اب تو خوب دھڑلے سے طلاقیں دی جانے لگی ہیں۔ اس وقت بہت کم ممالک ایسے ہیں جہاں کے لوگ طلاق کی رسم کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن ہمارا خیال ہے۔ کہ ایک زمانہ آئے گا۔ جب کہ عام لوگ اس کو بعض حالتوں میں ضروری خیال کریں گے اور یہ رسم عالمگیر ہو جائے گی۔

غلام ربانی (پلول)

عربی زبان کا اثر فارسی زبان پر

(بسلسلہ ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء)

فارسی کا بقا عربی کے مقابلہ میں

ظہور اسلام کے وقت جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں فارسی زبان کی چار صنفیں تھیں یعنی۔

(۱) دینی۔

(۲) سیاسی

(۳) ادبی۔

(۴) عام زبان

شروع اسلام میں اگرچہ عرب اور فارس نسلیں مختلط ہو چکی تھیں لیکن زبان علی حالہ باقی تھی اور فارس کے لوگ اختلاط الفاظ سے بہت بچتے تھے جیسا کہ اب بھی محتاط اور قابل اہل زبان عربی الفاظ کے استعمال کو ایک حد تک برا خیال کرتے اور صرف فارسی زبان کے الفاظ بولتے اور لکھتے ہیں چنانچہ حال کی تالیفات یعنی ظہور و ترقی اسلام کے بعد کی تالیفات میں بھی کئی کتابیں خالص فارسی زبان میں لکھی گئیں جو اب تک موجود ہیں یعنی شاہنامہ فردوسی[1] اور نامہ خسروان[2]۔

---

[1] تصنیف حکیم ابو القاسم الفردوسی الطوسی متوفی سنہ ۴۱۱ھ جس میں مانی نامی شاعر نے ساٹھ ہزار شعر میں رستم پہلوان کی داستان لکھی ہے ۱۲ رفیق

[2] تصنیف جلال الدین میرزا ۱۲ رفیق۔

مسلمانوں کے ایران پر قبضہ کر لینے اور فارس کے زیر حکومت اسلام کے بعد فارسی زبان پر عربی کا اثر پڑا اور بہت سے عربی الفاظ فارسی ہو گئے۔

اصول سیاست کی بنا پر ہر حکمران قوم محکوم قوم و ملک کے لیے دو باتیں ضروری خیال کرتی ہے ایک تو یہ کہ محکوم قوم اپنی رغبت یا بزور سیاست حسب خیال حکمران حاکم کا مذہب اختیار کرے دوسرے یہ کہ محکوم قوم کی زبان بدل جائے اور حکمران قوم کی زبان رائج کی جائے یا کم از کم دونوں زبان مخلط ہو جائیں۔

ان دونوں باتوں سے حکمران قوم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ محکوم قوم حکمران قوم سے مانوس ہو جائے اور اتحاد تعلقات سے حکومت کا استحکام ہو اور محکوم قوم حکمران کے خلاف کبھی کوئی تحریک نہ اُٹھا سکے۔

یہ اصول ابتدا سے چلا آتا ہے اور ہمیشہ رہے گا اسی اصول کو پیش نظر رکھکر مسلمانوں نے جن ممالک پر قبضہ کیا وہاں کی زبان اور قومیت کو اپنے ساتھ متحد کیا اور حاکم و محکوم قوموں کو یکساں بنایا گیا لیکن بعض ممالک ایسے بھی تھے جہاں یہ اصول چل نہ سکا اور قومیت اور زبان میں پورا پورا تغیر پیدا نہ ہو سکا وہاں زبان کے اختلاط ہی کو کافی سمجھا گیا عرب حکمرانوں نے فارس میں زبان عربی کے رواج اور فارسی کے مٹا دینے کی جو کوششیں کیں وہ اسی بنا پر تھیں اس لیے اس قسم کی کوشش بیجا نہیں کہی جا سکتی لیکن عرب حکمران فارسی کے بالکل مٹا دینے پر کامیاب نہ ہو سکے اور صرف اتنا ہوا کہ فارسی میں بہت سے الفاظ عربی کے شامل و داخل ہو کر فارسی کی ایک جداگانہ صورت ہو گئی۔

ذیل میں ہم دو تاریخی واقعات درج کرکے دکھاتے ہیں کہ عرب حکمرانوں نے

عربی زبان کے رواج دینے میں کس حد تک کوششیں کیں اور دینی وملکی زبانوں کی تفریق کو مٹا کر ایک عام زبان کے اجراء کو اصول سیاست قرار دیا۔

(۱) مامون رشید عباسی جو علم و عقل اور ترویج و اشاعت علوم و فنون میں ایک مشہور عباسی خلیفہ گذرا ہے ۱۹۹ھ میں عین عید اضحیٰ کے موقع پر خراسان (ایران) کے دارالحکومت مرو میں داخل ہوا مامون نے عام طور پر اس کی اجازت دے دی تھی کہ جس شخص کا دل چاہے بادشاہ سے آکر ملے اس اعلان پر بہت سے لوگ اُس سے ملنے آئے جن میں خراسان ماوراءالنہر اور ترکستان کی ایک جماعت بھی تھی جس میں چار سو آدمی تھے حضور شاہی میں یہ جماعت بیٹھ چکی تو شعرا نے تہنیت و مبارکباد کے عربی قصائد پڑھنے شروع کیے۔ شعراء جب اپنے قصائد ختم کر چکے تو مامون نے سر اُٹھا کر حاضرین سے کہا۔

کیا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو فارسی میں بے تکلف گفتگو کر سکتا ہو اور فارسی میں اشعار کہتا ہو۔

مامون کے سوال کا جواب بھری مجلس میں کوئی نہ دے سکا مگر مامون نے یہی سوال کیا اور معاً ایک نوجوان فارسی النسل جس کی عمر تقریباً پچیس سال کی ہوگی ادب سے کھڑا ہوا بادشاہ کو دعا دی اور عرض کیا۔

امیرالمومنین میں فارسی زبان میں بے تکلف لکھ پڑھ سکتا ہوں اور فارسی اشعار بھی لکھنے کی قدرت رکھتا ہوں۔

مامون نے مرحبا کہہ کر اُس سے دریافت کیا کہ تجھکو کس نے فارسی کی تعلیم دی۔

لڑکے نے کہا میرے والد فارسی کے ایک زبردست فاضل ہیں وہ روزانہ

مجھ کو ایک شہ خانہ میں لے جا کر فارسی پڑھایا کرتے تھے۔

مامون نے کہا کہ اگر تم اپنے بیان کی صداقت میں قائم ہو تو مجھے لکھکر سناؤ تو بہتر ہے لڑکے نے فوراً قلم و دوات لے کر کاغذ شروع کردیے اور بہت جلد ایک قصیدہ تیار کرلیا جس کا مطلع یہ تھا۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین

گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین

جس وقت یہ قصیدہ مامون کے سامنے پڑھا گیا حاضرین نے خوب داد دی اور تعریف کی حاضرین ابھی داد دے ہی رہے تھے کہ مامون نے جلاد کو بلا کر لڑکے کا سر قلم کرنے کا حکم دیا مامون کے حکم سے مجلس ہی میں لڑکے کا سر کاٹا گیا جس سے تمام مجلس خائف ہو کر کانپنے لگی قلوب پر رعب طاری ہو گیا اور سب خاموش سرنگوں بیٹھ گئے؛

مامون نے جب دیکھا کہ مجلس خاموش ہے اور خوف سے کوئی کچھ نہیں کہتا حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

تم لوگ شاید مجھے ظالم و جبار کہو گے کیونکہ میں نے اس لڑکے کو بظاہر بے وجہ قتل کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر تم ایسا خیال کرو تو تمہاری غلطی ہے سیاست اور اصول حکمرانی کا اقتضا یہ ہے کہ ایسا کیا جائے لڑکے کے قتل کیے جانے کا سبب اور بھید یہ ہے کہ جس قوم میں کوئی ایسا شاعر موجود ہو جو اپنے جذبات قومی کو نظم کرکے قوم میں جوش و قوت اور حکمران قوم کی طرف سے نفرت و حقارت پیدا کرکے حکمران قوم کو مشکلات میں ڈال دے اس کا قتل کیا جانا اچھا ہے اور عین صواب کیونکہ کوئی حکمران اور خصوصاً میں مفتوحہ ممالک میں اضطراب و بے چینی کو پسند نہیں کرتا۔[1]

[1] منقول از تذکرۃ الشعراء دولت شاہی (رفیق)

اس کے بعد مامون نے اپنے عمال اور گورنروں کو تحریری احکام بھیج کر فارسی زبان اور خطوط و دستاویزوں کو منسوخ کرا دیا اور سختی کے ساتھ یہ حکم جاری کیا کہ دفاتر کی سرکاری زبان عربی رکھی جائے۔

مامون اور امین کی مخالفت اور جنگ کے بعد جب مامون فتحیاب ہو کر اطمینان سے بیٹھا تب پھر اس حکم کی تجدید کی گئی اور فارسی کتب و ذخائر کے عربی ترجمہ کا انتظام کیا گیا۔

• مامون رشید عباسی نے امین کے جھگڑوں سے نجات پا کر امیر عبداللہ بن طاہر کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ فارسی زبان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے اور عربی کو ملک میں رائج کیا جائے۔ امیر عبداللہ بن طاہر نے خلیفہ کے حکم کے موافق ایران میں قدیم و جدید فارسی تصنیفات و تالیفات کے فراہم کرنے کا حکم دیا۔ اسی زمانہ میں ایک ایرانی فاضل امیر عبداللہ کی خدمت میں ایک نہایت نفیس کتاب لے کر حاضر ہوا جس کی جلد مذہب اور نہایت پاکیزہ تھا۔ امیر عبداللہ نے اس شخص سے دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وامق عذرا کا قصہ ہے جس کو فارس کے حکماء نے [illegible] کسریٰ نوشیرواں کی خدمت میں پیش کیا تھا یہ کتاب نایاب اور [illegible] کسریٰ کے زمانہ کی ایک قیمتی یادگار ہے [illegible] حکم دیا کہ حوض میں ڈال دی جائے [illegible] کتاب کو چھوڑ دیا [illegible] کرنے کا [illegible] سے [illegible] پاس قرآن [illegible] اس قسم کی [illegible] کے [illegible] جاری کیا

ہرچند کہ فارس والوں نے حکمرانوں کی سختیوں اور تبدیل زبان کے حکموں سے
اپنی زبان کو محفوظ رکھنے کی بہت کچھ کوشش کی اور ایک حد تک وہ اسمیں کامیاب
بھی ہو گئے لیکن فارسی زبان عربی کے اثر سے بالکل محفوظ نہ رہ سکی اور بہت سے
عربی الفاظ اُس میں مخلوط ہو گئے اس کے علاوہ چونکہ عربی حکمرانوں کا زور ایران
میں عرصہ تک رہا اس وجہ سے عربی بھی بالکل ایران سے فنا نہ ہو سکی اور اب
بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عربی کو فارسی پر ترجیح دیتے اور عربی زبان میں
تصنیف و تالیف کرتے ہیں۔

آغا رفیق بلند شہری

غزل

بے پردہ تجھے حور شمائل نہیں دیکھا — آنکھوں نے جمالِ مہ کامل نہیں دیکھا
مجروح کیا دل کو مگر دل نہیں دیکھا — [illegible] مقابل نہیں دیکھا
مائل جو تمہارے ہیں وہ دنیا سے اٹھ گئے — دنیا میں ہمارا کوئی مائل نہیں دیکھا
ہنس ہنس کے چھری پھیرتے ہو میرے گلے پر — تم سا کوئی بیدرد بھی قاتل نہیں دیکھا
وہ دل میں ہیں دیدار سے محروم ہیں آنکھیں — مجنوں نے رخِ صاحب محمل نہیں دیکھا
اور آئینے ہر وقت رہے سامنے اُنکے — ہاں صورتِ آئینہ دل نہیں دیکھا
گلگشتِ چمن کی نہ تمنا تھی [illegible] — تم [illegible] میرا دل نہیں دیکھا

کہتا ہے [illegible] کی تعلّی
تیرا [illegible] دل نہیں دیکھا

وفا (صدیقی)

ایک پاک دوشیزہ سے

آہ! اے میرے حدیقۂ مترصد کے اعظم الصدور، خدارا تو اپنے لب ہائے رنگیں کی بادۂ سرخ سے تشنگانِ دید کی پیاس بجھادے وہ لب ہائے لعل جن کا عکس پھولوں کی پنکھڑیوں میں نمایاں ہے، اور جن کی طراوت حسن سے تختہائے چمن شاداب ہیں۔ وہ لب ہائے آتشیں جن کی شرر باری سے طلوع آفتاب کی چادرِ سرخ کا رنگ کافور، اور شفق ہائے مشرق معدوم ہوتی ہے۔ ایک اور صرف ایک حرکت میں صحیفۂ الٰہیہ کی پھر وہی آیہ (یُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ) سُنادے تیرا لحن گلو سوز نہیں بلکہ تیرے نازک لبوں کی حرکت واللہ کشتگانِ خنجر ابرو کے لیے اُس گہوارہ کا کام دیتی ہے، جس کی حرکت طفلانِ شیرخوار کو ہمیشہ گہری نیند میں سلاتی رہتی ہے۔ دیکھ اے پیکرِ حُسن اگرچہ مجھ میں اس سحر آفریں کلام کے سُننے کی طاقت نہیں، مگر آہ! بچے اور تجھ کمسن کو کیا خبر کہ میری روح کی نشوونما اسی کلام متنوع المعانی ومختلف المطالب کی وسعت میں ہے۔ اے بہشتی حور تجھے کیا معلوم کہ تیرے لحن داؤدی نے کیسی فولادی زنجیریں میرے پاؤں میں ڈال کر مجھے چلتے چلتے روک دیا۔ آہ اس وقت مجھے دیکھ کر تو کیوں خاموش ہوگئی؟ کیوں اپنی شرمگیں نگاہیں پھیر لیں؟ اور کس لیے اپنے دستِ حنائی سے ورق گردانی کرتے کرتے اپنے رنگین دوپٹے کا آنچل اُٹھا کر چہرۂ نورانی کو چھپا لیا؟

نشہ بخشے، اور مجھ حسرت زدہ کو پھر ایک مرتبہ اس کلامِ قدیم کا وہی فقرہ سُنا دے جس سے میرے نشتاروں کی کیفیت قلب میں انشراحِ روحانی کا دریا بہنے لگے

وجود قائم ہے۔

پس اگر تو اپنے ترنم سے میرے کان آشنا نہیں کرے گی، تو تعجب نہیں کہ میری روانیِ خون میں انجماد پیدا ہو جائے، اور پھر وہ مجھے نہ صرف بیکار، بلکہ میرے تنفسِ حیات کی اِس لطیفہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دے۔

حافظ امام الدین (اکبرآبادی)

پیامِ شوق

پیامِ شوق یہ اے پیکِ یار لیتا جا
اُدھر چلا ہے تو صبر و قرار لیتا جا

لکھا ہے خون کے قطروں سے نامۂ قاصد
یہی ہے حالِ دلِ بیقرار لیتا جا

امیدِ وصل جو مدت سے دل کی راحت تھی
ملی ہے خاک میں اُسکا غبار لیتا جا

کسی کے زیرِ قدم آج ہی بچھا دینا
نشانِ ہستیِ ناپائدار لیتا جا

بجائے مُہر مری آنکھ ہو لفافہ پر
یہ نقش ہے ہمہ تن انتظار لیتا جا

تسلیاں دلِ حسرت زدہ کو دیتا جا
اگر یہ ہو نہ سکے جانِ زار لیتا جا

دل و جگر کے بھی ٹکڑے ہوں تار اشک کے ساتھ
مری طرف سے یہ پھولوں کا ہار لیتا جا

حضورِ یار نہ کچھ کہہ سکے یہ ممکن ہے
مری زبان بھی اے غمگسار لیتا جا

قدم قدم پہ ہزاروں دعائیں دیتا جا
کسی کا نام مگر بار بار لیتا جا

اسی کی اُن کو ضرورت ہے آجکل قاصد
مری وفا کا فقط اعتبار لیتا جا

رہا سہا ہے جو تسکین دل کا سرمایہ
مرے رفیق مرے غمگسار لیتا جا

دلؔ شاہجہانپوری

دستِ چپ کی فریاد

ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک نہ صرف عوام بلکہ خواص
کہ جو کام داہنے ہاتھ سے ہوتے ہیں وہ بائیں ہاتھ سے نہیں ہو سکتے۔ اور بلادِ مصر
میں یہ خیال اس قدر پختہ اور قوی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی بات ذہن
میں آتی ہی نہیں۔ کیونکہ ہر شخص دیکھتا ہے کہ جس قدر مشکل، ضروری، نازک، اور باریک
کام ہیں مثلاً خوشنویسی، مصوّری، نقّاشی، پچہ کاری، پینٹری، وغیرہ وغیرہ یہ سب
سیدھے ہاتھ ہی سے ہوتے ہیں۔ اور بایاں ہاتھ ان میں سے ایک کام بھی نہیں کرتا۔
لیکن اس مسئلہ پر گہری نظر سے غور کیا جائے تو معاملہ کی اہمیت بہت کم ہو جاتی
ہے اور ان دونوں کی باہمی فوقیت اور امتیاز کا سربستہ راز بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے وہ
یہ کہ جب دونوں ہاتھ بہ لحاظ وضع قطع اور باعتبار ہیئت ترکیبی آپس میں کوئی فرق
نہیں رکھتے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ جو کام سیدھے ہاتھ سے ہوتا ہے وہ بائیں ہاتھ سے نہ ہو۔
بات یہ ہے کہ اس باب میں شروع سے یہ غلطی ہوئی کہ بائیں ہاتھ سے کبھی
کوئی کام نہیں لیا گیا۔ اور ہر قسم کے کام کاج سے اسے ہمیشہ محروم اور الگ تھلگ رکھا
گیا۔ اور جس قدر کام بائیں ہاتھ سے لیے جانے چاہیے تھے وہ بھی سیدھے ہاتھ ہی
سے لیے جاتے رہے۔ سوچیے۔ اس موضوعہ اصول کی بنا پر بخلاف اسکے سیدھے
ہاتھ کی خدمات بھی بائیں ہاتھ سے لی جاتیں تو اسوقت حالت برعکس نظر آتی۔
اس بات سے تو شاید کسی کو انکار ہو کہ اب بھی بہت لوگ کُل کام بائیں
ہاتھ ہی سے کرتے ہیں۔ میرے گھر میں دو آدمی ایسے ہیں جو خانہ داری کا کام بائیں
ہاتھ سے کرتے ہیں۔ مسجد اموئیہ میں میں نے ایک صاحب [illegible] بائیں ہاتھ سے لکھتے [illegible]

جن متقدمین اور متاخرین حکمار نے اس مسئلہ کے متعلق تحقیقات اور چھان بین
کی ہے اُن کی سمجھ میں بھی کوئی ایسی معقول وجہ نہیں آئی جس کی بنا پر بائیں ہاتھ پر
دائیں ہاتھ کو ترجیح دیا جانا حق بجانب خیال کیا جا سکے۔

اُردو کی مثل مشہور ہے "بارہ برس میں گھورے کے بھی دن پھرتے ہیں" لہذا
اس کے مصداق زمانۂ حال کے عقلمند اصحاب نے بیچارے بائیں ہاتھ کو (جو ہمیشہ سے
بیکار محض اور عضو معطل رہا ہے) سیدھے ہاتھ کا ہمسر تسلیم کر لیا اور اس مفید کوشش
میں ہیں کہ کسی طرح بائیں ہاتھ سے بھی کام لیا جانے لگے۔ چنانچہ اس خیال کو عملی
جامہ پہنانا شروع کر دیا گیا۔ اور بچوں کو منجملہ علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کے بائیں
ہاتھ سے داہنے ہاتھ کی طرح کُل کام کرنے کی بھی ہدایت ہونے لگی۔ اس مسئلہ
کی اہمیت کارخانوں میں جا کر دیکھیے جن پر ہماری موجودہ مدنیت کا دارومدار ہے اور
یہ بات تو صاف طور پر ظاہر ہے کہ بڑے بڑے اور مشکل کام بہت سے ہاتھوں بغیر نہیں ہو سکتے
کس قدر حسرت و افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو ہمیں دو ہاتھ عطا فرمائے اور ہم نادانی
سے ایک ہاتھ عضو معطل بنائے رکھیں۔ اگر دونوں ہاتھوں سے کام لیا جانے لگے تو
جس قدر کام ایک ہاتھ سے ہوتا ہے اتنا ہی دوسرے سے بھی ہو اور انسانی زندگی
کامیاب طریقہ پر بسر ہونے لگے۔

امریکہ کے مشہور و معروف زبردست فلسفی اور مضمون نگار نے جس کا نام
فرینکلن ہے اس مسئلہ کی اہمیت سمجھانے اور اس کا عمل شروع کرنے کی کوشش کی ہے
یہاں تک کہ دست چپ کی زبان سے ایک عرض حال لکھی ہے جو ذیل میں درج کی
جاتی ہے۔

دست چپ کی عرض حال

میرے مربیو! میرے سرپرستو!!

زبان بے زبانی سے میں آپ اپنی دردانگیز داستان کہنے چاہتا ہوں
دل پکڑ کے اور کلیجہ تھام کر پوری توجہ سے سنو۔ میں سب کاموں سے الگ
ہوں۔ اور میری حالت قابلِ رحم اور افسوسناک ہے۔ اب میں آپ کی توجہ
آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ میری طرف بالکل کم توجہی روا رکھی جاتی ہے میری سرگذشت
بہت حسرتناک ہے میں اپنے بھائی دست راست کے ساتھ ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت
میں پیدا ہوا اور ایک ہی ساتھ بڑھا پلا۔ کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جس سے
مجھ میں اور اس میں تمیز کی جا سکے مگر کلیجہ خون ہو جاتا ہے اور دل پر ایک چوٹ
پڑتی ہے جب اپنی حالت پر غور کرتا ہوں کہ مجھ بیچارے کو میرے نامہرباں مربیل
نے کس قدر حقیر و ذلیل کر رکھا ہے اور کل توجہ دست راست پر منعطف کیے ہوے ہیں
خوشنویسی، مصوری، پینٹری، اور دوسری کاریگریوں کی تعلیم و تربیت کے لیے معلم
نوکر رکھے جاتے ہیں اور میں ٹکر ٹکر دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہتا ہوں۔ اگر
اس طرزِ عمل کو میں بے انصافی پر محمول کروں تو کیا بیجا ہے۔ خدا کی پناہ اگر لکھنے کے
لیے قلم اور نقاشی کے لیے برش یا سینے کے واسطے سوئی لینا چاہتا ہوں تو بے انتہا
قلق ہوتا ہے اور ارمان دل کا دل ہی میں گھٹ کے رہ جاتا ہے۔ اگر ایک لقمہ کھانے
کا اٹھاتا ہوں تو اپنے بیگانوں سے شرم آتی ہے۔ اور مختصر یہ کہ میں ہی ہر عیب اور
ہر برائی کا سبب قرار دیا جاتا ہوں۔ میرا اپنے اس کم سعادتی کے ناگوار اثرات سے
متاسف اور ملول ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ شاید میرے مربی سمجھیں کہ میری یہ عاجزانہ
شکایتیں حرص و ہوس اور شرف و شان چاہنے پر مبنی ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ان شکایتوں
کا سبب بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اسلیے کہ اگر کبھی میرا بھائی دست راست بیمار
ہو جائے۔ خدانخواستہ اسے چشم زخم پہنچے اور زندگی کی ضروری ضرورتیں پوری ہوے
بغیر نہیں رہ سکتیں تو ایسی صورت میں فرمائے آپ کیا ترکیب کریں گے کچھ بھی نہیں

دا اس کے کہ دوسروں کی استمداد پر بھروسہ کریں میں اپنی افسوسناک حالت پر جس قدر بھی افسوس کروں کم ہے۔ میرے کرم فرما میرے ساتھ اس قدر تحمل کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ انتہا یہ ہے کہ میں مجبور ہو کر اس عرض حال کے لکھنے پر مستعد ہوا تو اس پر بھی قادر نہیں ہوں اور مجھے اپنے بھائی دست راست کا محتاج ہونا پڑا۔

حضرات!

اب میں آپ کے رحم و کرم سے اپیل کرتا ہوں کہ مجھ عاجز کو مظہر لطف و عنایات فرمایا جائے اور جس طرح میرے بھائی کے لیے ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے دریغ نہیں فرماتے اسی طرح مجھ خاکسار کو بھی تعلیم و تربیت دلائی جائے تاکہ ہم دونوں میں توازن اور مساوات کا درجہ قائم ہو جائے۔

(ترجمہ) محمد اسمٰعیل ہاتف

غزل

دل مرا بندۂ تسلیم و رضا ہو جائے — یا الٰہی مری مقبول دعا ہو جائے

یہی خواہش یہی ارماں یہی حسرت ہے — میری ہستی تری الفت میں فنا ہو جائے

قیس کی طرح بھٹکتا نہ پھروں جنگل میں — یاد منزل کی مری راہ نما ہو جائے

لطف اس راہ کا ناصح کوئی مجھ سے پوچھے — شاہ بھی ہو تو محبت میں گدا ہو جائے

تجھکو ساقی ترے مینا و سبو کا صدقہ — مجھ پہ بھی اک نظر ہوش ربا ہو جائے

اے فلک کیا ترے نزدیک یہی ہے انصاف — ہم ترستے رہیں غیروں کا بھلا ہو جائے

پھر تو جینے کا مزا ہی نہ رہے دنیا میں
آپ کی یاد جو ہاتف سے جدا ہو جائے

ہاتف (بھوپال)

ہشتاد سالہ نوجوان

"بھئی کیا خوب! یہ تو بالکل قدرتی معلوم ہوتے ہیں، ذرا ایک بار پھر دکھانا"
میر حسام نے طفلانہ انداز سے اپنے تازہ مصنوعی دانت دکھانے کے لیے دونوں ہونٹ کھول دیے۔

"اور ایک کیسی بات ہے کہ پہلے کی بہ نسبت اب ذرا صاف بھی بولنے لگے ہو؟
اصل یہ ہے کہ جب منھ میں دانت نہیں تھے تو الفاظ ٹوٹ پھوٹ کر اطمینان کے ساتھ مسوڑوں میں پھسل آتے تھے۔ مگر اب انھیں اتنا موقع نہیں ملتا۔ اور ہاں یہ تو بتاؤ، تمھاری نواسی انھیں دیکھ کر کیا بولی؟"

میر حسام:۔ ابھی اس نے دیکھے ہی کہاں ہیں، میں نے دوپہر ہی تو لگائے ہیں بس یہ سمجھو کہ دوپہر کا کھانا یہی دانت لگا کر کھایا ہے، سچ بات تو یہ ہے بھائی حیدری کہ ہمیں تو بڑا آرام ہو گیا، صرف یہی نہیں کہ کھانا اچھی طرح کھایا جاتا ہو اور اچھی طرح ہضم بھی ہوتا ہو بلکہ ایمان کی پوچھیے تو اب ہم پہلے سے کچھ کم عمر بھی معلوم ہونے لگے ہیں۔

حیدری۔ اس میں کیا شک ہے اگر تمھارے سر کے بال اور داڑھی سفید نہ ہوتی تو تم اپنی عمر کے لحاظ سے کافی مدت پیچھے ہٹائے جا سکتے تھے، بھلا اب تمھاری عمر کیا ہو گی؟

میر حسام:۔ کچھ اوپر تریسٹھ سال،

حیدری:۔ کچھ ایسی زیادہ تو نہیں ہے،

میر حسام:۔ ہاں یہی تو کہتا ہوں۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے، میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ داڑھی واڑھی منڈا کے سر کے بالوں پر خضاب لگا لوں، مگر پھر یہ خیال آیا کہ جب

لوگ عموماً بیوقوف ہوتے ہیں، فضول مذاق بنائیں گے، بہت سے تو یہ سمجھتے ہیں کہ میری عمر ستر سال سے کم نہیں ہے۔

حیدری:۔ اور بعض تو اس سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں۔ مگر تم لوگوں کے ہنسنے پر کیوں جاتے ہو، وہ تمھارا مذاق بنا کے کر کیا لیں گے، تمھارے سر کے بال نہایت عمدہ ہیں اور خضاب لگ کر تو بے حد خوبصورت ہو جائیں گے۔

میر حسام کے پُرانے دماغ میں اس نئی تجویز نے زندگی کا ایک پُر لطف نظارہ پیش کر دیا۔ وہ اپنے بوڑھے خیال کی وسیع ترین گہرائیوں میں کھوئے ہوئے شباب کو ڈھونڈ رہے تھے، دن ختم ہو چکا تھا لیکن ان کا خیال تھا کہ شمع روشن کرتے ہی پھر صبح ہو جائے گی۔

حیدری:۔ کیوں میر صاحب کیا رائے ہے؟

میر حسام:۔ خیر رفتہ رفتہ دیکھا جائے گا۔

حیدری:۔ دیکھا کیا جائے گا، جو کچھ کرنا ہے کر ڈالو، سچ یہ ہے کہ آجکل کسی مجلس اور کسی صحبت میں پیری کی قدر نہیں، تم نے بیسیوں دفعہ خود تجربہ کیا ہوگا کہ لوگ بوڑھوں سے گھبراتے ہیں۔

میر حسام:۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر ابھی ذرا ٹھہر جاؤ۔

حیدری:۔ اماں ٹھہر کے کیا کروگے، آج ہی گلمشوا ڈالو، خوبصورت اور حسین آدمی ہو، استرے سے صاف کیا ہوا چہرہ تمھارا سا تجربہ کار چہرہ شاندار رہے گا کہ اچھے اچھے آدمی مرعوب ہو جایا کریں گے۔

ان دل خوش کُن خیالات کا اثر میر حسام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی صورت میں ظاہر ہوا، اگرچہ میر صاحب لب بند کیے ہوئے مسکرا رہے تھے لیکن اس پیر کی تبسم کی پوری شان نمایاں تھی کیونکہ یہ مسکراہٹ ایک پوپلے منھ کی مسکراہٹ نہ تھی۔

حیدری: پرسوں ہی مجھ سے تمھاری نواسی صفیہ پوچھ رہی تھی کہ نانا جان آج کل کہاں رہتے ہیں کئی دن سے دکھائی نہیں دیے، اگر تم اُس سے کہو کہ میں ... برس کی ہے تو وہ تمھارے مُنھ پر ہی بے تحاشا ہنس پڑے گی'

میر حسام: وہ بے عقل بچی ہے، وہ کیا جانے کہ تیس اور ساٹھ یا اسی میں فرق ہے'

حیدری: اب توقف کیا ہے، اُٹھو یہ برابر والی گلی میں بھورا نائی اپنے فن کا بڑا اُستاد ہے، اس کی دکان کے پچھلے حصّے میں چلے جانا اور خاموشی اور اطمینان کے ساتھ اس پھونس کو جو بال سا تمھاری ٹھوڑی کو چمٹ رہا ہے صاف کرا ڈالنا کسی کو کان دکان خبر نہ ہوگی'

میر حسام ذرا جھجکتے ہوے اُٹھے اور سید حیدری کے ساتھ ہولیے نائی کی دکان کو جاتے ہوے دو مرتبہ راستے میں میر صاحب ٹھہرے اور کہنے لگے کہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا، لیکن دونوں مرتبہ سید حیدری نے گذرے ہوے شباب کی بازگشت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بے چارے سادہ لوح بوڑھے کے مُنھ میں پانی بھر بھر آیا اور آخر اپنے چہرے کی رونق و خوبصورتی اور رعب و داب کو خیر باد کہنے کا پختہ ارادہ کرلیا

میر حسام کے لیے یہ ایک گونہ اطمینان و تسکین کا باعث ہوا کہ نائی نے داڑھی اور سر کے بالوں کے متعلق تمام ہدایات پر مطلق حیرت و استعجاب کا اظہار نہ کیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے لیے یہ ایک نہایت معمولی بات ہے، محض ایک بار ادھر سے اُدھر تک قینچی چلائی گئی اور دس انچہ لانبی داڑھی مع میر صاحب کی تمام شوکت و جلال کے سر کے بل زمین پر آرہی، پھر سر کے بال کاٹ کر خضاب لگایا گیا۔

چند ہی منٹ بعد میر حسام آئینہ میں ایک سیاہ بال والے منڈے منڈلے اور چھلے چھلائے آدمی کی طرف بیٹھے ہوے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے ہیں

شک نہیں کہ گُٹا ہوا مُنھ اور گڑھی ہوئی آنکھوں کے باوجود میر حسام کی عمر کا اندازہ
چالیس برس سے زیادہ کیا جانا مشکل تھا۔

حیدری:۔ دیکھا میں نے تم سے کیا کہا تھا، اچھے خاصے نوجوان ہو گئے، اگر آج
تمھارے کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی بعینہٖ ایسا ہی معلوم ہوتا۔

نائی:۔(اپنے کمال پر مفتخر ہو کر) جناب بیٹا نہیں پوتا کہیے۔

میر حسام ذرا تکلف سے اُٹھے اور سید حیدری کی تعریف و تحسین کے
سہارے اپنے گھر کی طرف چل دیے۔

حیدری: بھئی واللہ میر صاحب تم تو بالکل بدل گئے، اگرچہ مجھے تمام حال
معلوم ہے لیکن پھر بھی چلتے ہوئے کبھی کبھی شک ہوتا ہے کہ میرے ہمراہ میر صاحب
ہی ہیں یا اور کوئی، میرا تو خیال ہے کہ تمھاری بیوی بھی تمھیں ہرگز نہ پہچانیں گی

میر حسام:۔ یہ تو فضول بات ہے میری بیوی مجھے ہزاروں میں پہچان لے
بھلا سوچنے کی بات ہے چالیس برس شادی کو ہو گئے، دونوں نے چالیس
برس کی دھوپ چھاؤں ہمراہ دیکھی ہے، تم تو مجرد ہو ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

حیدری:۔ شاید تمھارا ہی خیال درست ہو، مگر میر صاحب! آخر وہ پردہ نشین
عورت ہے اک دم دیکھتے ہی تو یقیناً گھبرا جائے گی فوراً ہی پہچان جانا تو غیر
ممکن ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ میں تم سے پہلے جا کر تمام حالت سے مطلع کیے
دیتا ہوں، بھلا وہ یکایک ایک کل کے لڑکے کو کیسے اپنے سفید ریش والے
خاوند کے بدلے میں قبول کر لیں گی۔

میر حسام:۔(کچھ متفکر ہو کر) مجھے چاہیے تھا کہ میں پہلے ہی انھیں مطلع کر دیتا۔

حیدری:۔ خیر کچھ ہرج نہیں اب بھی وہی بات ہے، تمھارے بجائے میں جا کر
کہے آتا ہوں، تم یہیں ٹھہرے رہو۔

میر حسام کی ضعیف العمر بیوی طاہرہ کے سید حیدری کچھ رشتے ہیں کہ
اور بیس پچیس برس سے میر صاحب کے بڑے گہرے دوست تھے، اگرچہ میر صاحب
کے کوئی بہن یا بھانجا نہ تھا مگر وہ ادھر سے اُدھر تک تمام محلہ کی خالہ تھیں، بچے
تک ہر ایک انھیں خالہ کہتا تھا اور یہ اپنے اس لقب سے بے حد خوش تھیں
کھلتے ہی سید حیدری نے جگت خالہ کو سلام کیا اور بولے کہ میں اس وقت میر صاحب کے
متعلق ایک خاص امر سے تمھیں مطلع کرنے آیا ہوں۔

خالہ طاہرہ: کیوں! کیوں! کیا ہوا، خیر تو ہے؟

حیدری: خالہ گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، میں صرف تمھیں
اس لیے اطلاع دینے آیا ہوں کہ تم انھیں پہچان لو کہ میر صاحب یہی ہیں،

خالہ طاہرہ: خدا خیر کرے بھائی کیا بات ہے، تمھیں میری جان کی قسم جلد بتاؤ،
کہیں خدانخواستہ گر پڑے، میرا بڑھاپا ان پر قربان، کچھ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ہے؟

حیدری: نہیں وہ بہت اچھی طرح ہیں، نہ گرے ہیں، نہ چوٹ آئی ہے، ہاں مگر ان کے
بال ضرور گرا دیے گئے ہیں۔

خالہ طاہرہ: اے بھیا حیدری ذرا خدا کے لیے صاف صاف کہو میں سمجھی نہیں۔

حیدری: خالہ بات یہ ہے کہ ایک نائی کی دُکان پہنچ کر انھوں نے اپنی داڑھی
منڈا دی اور سر کے بالوں پر خضاب لگا لیا کچھ تو اس حرکت سے اور کچھ ان کے نئے
دانتوں سے ان کی صورت ایسی بدل گئی کہ انھیں بھی اور مجھے بھی یہ خیال پیدا ہوا
کہ شاید تم انھیں یکایک نہ پہچانو، اور اسی لیے میں تمھیں تمام واقعہ سے مطلع کرنے
آیا ہوں۔

خالہ طاہرہ: اے خدا کی مار خضاب، اور خضاب سے تو وہ جلتے ہیں۔

حیدری: جلتے ہوں یا نہ جلتے ہوں آج تو وہ خضاب بھی لگا ہی بیٹھے، خالہ،

ب تو وہ خاصے نوجوان معلوم ہوتے ہیں اور کوئی اُنھیں اُنکا بیٹا بتانے میں ذرا بھی پس
یں نہ کرے گا، ان کی شکل و صورت پہلے سے اسقدر تبدیل ہوگئی ہے، کہ مطلق
ہیں پہچانی جاتی، یہی تو میں تمھیں بتانے آیا ہوں، اب جس وقت وہ گھر میں آئیں تو
بلاخوف تردید سمجھ لینا کہ وہی ہیں۔

خالہ طاہرہ۔ اے خاک پڑے ایسے سمجھنے پر، چلو اچھا کیا تم نے مجھ سے کہدیا، اوّل تو کچھ
ایسی ضرورت بھی نہ تھی، ایک بیوی اپنے میاں کو ہر صورت میں پہچان سکتی ہے۔

حیدری:۔ یہ تمھارا خیال ہی خیال ہے، ابھی اُن کے پُرانے دوست شیخ چھجن ایک
بساطی کی دُکان پر بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے، میں نے جاکے حضرت کو جھنجھوڑا تو
معلوم ہوا کہ بیوی نے پچکیں منگائی ہیں وہ لینے آئے ہیں، میر صاحب بولے کہ یار
تمھاری بیوی اس بڑھاپے میں کیسے سی لیتی ہیں؟ میرا تو خیال ہے کہ سوئی تو سوئی
وُسے تم بھی نظر نہ آتے ہوگے اس پر شیخ جی بہت بگڑے اور کہنے لگے کہ میاں صاحبزادے
تمھیں کچھ تمیز بھی ہے، جمعہ جمعہ آٹھ دن تمھاری پیدائش کو ہوئے اور مجھ صد سالہ بوڑھے
سے جو تمھارے دادا ابّا کے برابر ہے مذاق کرتے ہو، میری طرف رُخ کرکے بولے کہ
حیدری یہ کس کے صاحبزادے ہیں بھئی؟ میں نے کہا واہ چچا چھجن اتنا بھی نہ پہچانے
کہ یہ کون ہیں اور کس کے لڑکے ہیں؟ تم تو کہتے تھے کہ میرے حواس بالکل درست ہیں،
یہ ہیں میر شبیر حسین عالی کے بڑے صاحبزادے، شیخ جی ذرا چونک کر بولے، کون شبیر حسین
اماں یہ تو ہمارے دلی دوست میر حسام کے باپ کا نام تھا، خدا بخشے بیچارے ایسے
نیک آدمی تھے کہ تمام شہر میں جواب نہ رکھتے تھے، میں نے کہا میر حسام ہی تو ہیں، آپ
اپنے دوست تک کو نہیں پہچانتے، شیخ جی نے بے دانتوں والے مُنھ کی بزرگانہ ہنسی کا
نظارہ دکھایا، اور یہ کہتے ہوے کہ حیدری تم بھی بھنگ پینے لگے ہو، میر صاحب
کو آنے دو آج تمھاری خبر لی جائے گی اپنے گھر کی طرف جانے والی گلی میں ہولیے،

توبھلا خالہ جب ان کے ہم عمر دوست اور پھر تجربہ کار اور بوڑھے آدمی ہیں تو تم کیسے پہچان لیتیں،

خالہ طاہرہ:- اچھا چلو رہنے دو لگے زمین و آسمان کے قلابے ملانے، کسی بات کا یقین ہے نہیں، ان سے تو چھیڑ چھاڑ کیا ہی کرتے ہو آج مجھ سے مذاق کی سوجھی ہے، میں بڑے مزاج کی آدمی ہوں، جا کے انھیں سے ایسی ... توبھلا خضاب اور داڑھی منڈانے سے انھیں کیا واسطہ، خدا نہ کرے وہ کچھ ایسے بیوقوف نہیں ہیں،

حیدری:- جب دیکھو گی تو سب آپ معلوم ہو جائے گا۔

خالہ طاہرہ:- چلو بس دیکھ لیا اور معلوم کر لیا، ایسی کسی اور کے ساتھ ٹھٹھول کرنا، میں دھوکے میں آنے سے رہی، ذرا اپنے کل ہیرے دوست کو آنے دو، پھر دیکھو کیسی گندہ کاری ہوتی ہے،

ادھر جب سید حیدری نے واپس آکر میر صاحب قبلہ کو تمام حالات سے مطلع کیا تو وہ اپنی بیوی کے مزاج اور اس تازہ خانہ جنگی کے خیال سے ذرا پریشان تو ہوئے مگر پھر کچھ سمجھ کر بولے "کہ ایسا بھی کیا غضب ہے کہ بالکل ہی بھول جائیں گی تم نے یہ بھی کہدیا ہے کہ میں انھیں ابھی اپنے ہمراہ لے کر آتا ہوں۔

حیدری:- میر صاحب مجھے تو بخشو، میں تو تمھارے ساتھ اس وقت جاؤں گا نہیں۔ وہ تو کہتی ہیں کہ یہ سب یار لوگوں کی تراشی ہوئی باتیں ہیں اور میرا اور میرے سیدھے سادھے بوڑھے خاوند کا مذاق بنانے کے لیے سوانگ کھیلا جا رہا ہے اگر میں تمھارے ساتھ گیا تو تمھارا تو کچھ نہ بگڑے گا اور مفت میں ساری آئی گئی میرے سر پڑے گی، بھائی میں باز آیا تم اکیلے ہی جاؤ اور جیسی کچھ گذرے مجھے شام کو سنا دینا۔

میر حسام :- خیر تمھاری خوشی میری تو راے یہی ہے کہ تم میرے ساتھ چلتے، مگر ہاں "بتاؤ اب شام کو کے بجے ملوگے"؟

حیدری :- یہی معمول کے موافق عصر کے بعد ملوں گا، اچھا اب رخصت ہوتا ہوں سلام علیکم،

میر صاحب سلام کا جواب دے کر اپنے گھر کی طرف چل دیے، راستے میں چلتے جاتے تھے اور سوچتے جاتے تھے کہ اگر حیدری سچ کہتے تھے تو بڑی دقت پڑے گی، وہ یوں ہی کھانے کو دوڑتی تھیں اور اب تو ایک بہانہ مل جائے گا راستے میں میر صاحب کے بہت سے واقف کار اور دوست واحباب ملے۔ انھوں نے بڑے تپاک سے جُھک جُھک کر سلام بھی کیے مگر ان میں سے ایک نے بھی انھیں نہ پہچانا، بیچارے ایسی باتوں کے ظہور سے اور بھی گھبرائے، مگر کرتے کیا کبھی نائی کو اور کبھی میاں حیدری کو دل ہی دل میں کوستے اور گالیاں دیتے ہوے گھر پہنچ گئے، بڑے تامل اور تشویش کے بعد گھر میں داخل ہوے، خالہ طاہرہ سامنے ہی صحن میں بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھیں، دیکھتے ہی اک دم گھبرا گئیں اور بولیں "اے کون ہے تو مردوے، تجھپر خدا کی مار، دن دھاڑے زنانے مکان میں گھُسا آتا ہے"

میر صاحب کے قدم لڑکھڑا گئے، باہر جانے کے لیے پیٹ پھیری ہی تھی کہ ایک اینٹ زور سے کمر میں آکر لگی، بوڑھی ہڈیوں میں درد پیدا ہوا گیا، بیچارے وہیں بیٹھ گئے، ؟

"اور گیا نہیں مُنہ جُھلسے دور ہو یہاں سے، یہ سمجھ لیا ہوگا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے، ابھی آواز دوں تو سارا محلہ اکٹھا ہوجائے گا"

میر صاحب (کمر پکڑ کے) آہ - ارے میں کوئی غیر نہیں ہوں، تم ... تو ... دہی

گھنٹہ بعد مجھے بھول گئیں، میں تمھارے خاوند کا اتنا بڑا دوست ہوں کہ دنیا
میں کسی کا نہ ہوگا، وہ اور میں ساتھ کھیلے کودے، ہمیشہ ساتھ کھایا
ایک ہی جگہ اور ایک ہی بستر پر سوتے رہے (گھٹنے کے سہارے کھڑا
قدم آگے بڑھے)

خالہ طاہرہ (کمرے میں گھس کر اور کواڑ بند کر کے) ارے نکل یہاں سے تیرا ...
کمبخت چور اُچکے، ڈاکو، لیٹرے، تیرا ستیاناس ہو دور یہاں سے، (ذرا زور سے) ناظر،
اے بھائی ناظر، اے دیکھو تو یہ کون لچا گھر میں گھس آیا ہے،

میر حسام:۔ ارے تو بہ بیوی، ایسی بھی کیا پریشانی ہے، اپنے خاوند کے ساتھ بھی
کوئی ایسے پیش آتا ہے۔ اک ذرا میں نے سر کے بال کٹوا کے انھیں ان کے اصلی
رنگ میں تبدیل کر دیا ہے اور داڑھی منڈوالی بس یہ تو قصور میں نے کیا ہے،
لو چلو باہر آ جاؤ، ہو لیا جو ہونا تھا،

خالہ طاہرہ:۔ اے نکل میرے گھر میں سے ناس پیٹے، میں نے عمر بھر کبھی تیرا نحوس
چہرہ نہیں دیکھا اور نہ اب میں دیکھنا چاہتی ہوں تو بھلا گھر گرستنوں کو کسی غیر مرد
سے کیا کام،

میر حسام:۔ ارے بیوی میں تمھارا خاوند ہوں، اور یہ میرا گھر ہے۔ میں وہی ہوں
جو پہلے تھا، داڑھی منڈانا کچھ عیب نہیں، ہمارے ویسرائے تو مونچھیں تک منڈاتے ہیں

خالہ طاہرہ:۔ (زور سے) اے بھائی ناظر، ارے کہاں مر گئے، دیکھو تو یہ کون موئی کاٹا
گھر میں گھس آیا ہے،

میر حسام:۔ الٰہی خیر، بیوی تمھاری جان کی قسم، میں تمھارا خاوند میر حسام ہوں جس
سے چالیس برس پہلے تمھارا نکاح ہوا تھا اور جناب قبلہ مولوی حاجی، قاری، قاضی
افتخار العالمین صاحب حنفی چشتی دیوبندی نے نکاح پڑھایا تھا اور پچیس ہزار روپیہ

مجھل مہر بندھا تھا، دیکھا بیوی مجھے کس قدر یاد ہے، لو بس آجاؤ باہر تم تو ایسا ڈر گئیں جیسے سچ مچ میں کوئی اور ہوں،

خالہ طاہرہ:۔ (زور سے) بھائی ناظر اے بھائی ناظر

میر حسام:۔ لو بیوی بس پہچان لو، میری تو بھوک کے مارے انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں، اچھا کھانا تو بتا دو کہاں رکھا ہے،

خالہ طاہرہ:۔ دیکھتا رہ کتنے جوتے کھاتا ہے، تجھ پر خدا کی مار ہو،

میر حسام:۔ عورتیں بھی کیا بیوقوف ہوتی ہیں، اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اپنے خاوند تک کو نہیں پہچانتیں، کاش میری بیوی مسز سروجنی نائیڈو اور مسز اینی بسنٹ کی طرح روشن خیال ہوتی،

بوڑھا ملازم۔ (دروازے کے باہر سے) اجی بازار سے کچھ منگانا ہے،

خالہ طاہرہ:۔ اللہ تیرا شکر ہے، (دروازہ سے) بڑے میاں اندر آجاؤ دیکھو تو سہی یہ کون کمبختی کا مارا گھر میں گھس آیا ہے، اس کو ایسا مارو کہ عمر بھر یاد رکھے

ملازم (گھر میں آکر) میاں سلام، کون ہے حضور،

میر حسام۔ (خوش ہو کر) آج انھیں خدا جانے کیا خبط ہو گیا ہے، کہ اک ذرا میں نے داڑھی منڈائی ہے تو پہچانتی ہی نہیں اور سر ہیں کہ تو تو کوئی اور ہے ذرا تم سمجھا تو دو،

ملازم:۔ بیوی یہ تو ہمارے سرکار ہی ہیں، میاں حیدری کے ساتھ میرے سامنے داڑھی منڈائی ہے اور بالوں پر خضاب لگایا ہے۔

خالہ طاہرہ:۔ بڑے میاں تمھیں کیا ہو گیا، کیا آج افیم زیادہ ٹھونس گئے ہو، بھلا خیر یہ بھی مانا کہ داڑھی منڈا دی، مگر داڑھی منڈانے سے صورت بالکل ہی کیوں بدل جاتی، اچھا یہ بھی سہی تو پھر آواز بدلنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی،

میر حسام :- بیوی میں نے دانت بھی تو بنوا لیے ہیں وہ تو تم نے صبح ہی دیکھ لیے تھے، اب ذرا منھ سے ہوا رُک کر نکلتی ہے تو آواز آپ ہی بدلی ہوئی معلوم ہوگی،

ملازم :- بیوی ایمان سے جب میں دودھ لینے جا رہا تھا تو میں نے انھیں داڑھی منڈاتے دیکھا ہے۔

خالہ طاہرہ :- اچھا بڑے میاں، جاؤ تم پان لے آؤ، دیکھو کل کے پان ذرا دیکھ کے چیز لایا کرو،

میر حسام :- خدا کا شکر ہے دو تین گھنٹہ کے بعد ذرا ہوش میں آئی ہو، بھلا یہ بھی کوئی بات تھی کوئی سُنے بھی تو کیا کہے، لو اب باہر آ جاؤ کیا بچا یا ہے۔

خالہ طاہرہ :- اچھا ذرا آستین چڑھانا، دیکھوں تمھاری کہنی کے نیچے شگاف کا نشان ہے کہ نہیں،

میر حسام :- (آستین چڑھا کر) یہ کیا ہے دیکھ لو، ہے وہی نشان ؟ اور کہو تو پنڈلی میں جو پھوڑا نکلا تھا اس کا نشان بھی دکھا دوں،

خالہ طاہرہ :- کمرے سے باہر نکل آئیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے پُرانے خاوند کو اس نئے ڈھچر میں دیکھا، آخر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولیں "اگر تم پہلے ہی مجھ سے کہہ جاتے تو اس وقت کچھ بھی نہ ہوتا، مجھے تو کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہ تھا کہ تم داڑھی منڈا بیٹھو گے۔

میر حسام :- میری اچھی بیوی، میں کیا کہوں کچھ اکدم میں ارادہ ہو گیا، ورنہ ممکن تھا کہ بلا تمھاری صلاح کے کچھ کر لوں، اچھا ایمان سے کہنا، اب میں کیسا خوبصورت معلوم ہوتا ہوں، بالکل نوجوان، بیوی "کیا اچھا ہو کہ تم بھی کسی طرح پھر نوجوان بن جاؤ"۔

حامد اللہ افسر میرٹھی

فلسفۂ جمال

جمال نہ چمکتی ہوئی گوری پیشانی کا نام ہے۔ نہ صفائی بشرہ کا نہ گیسوؤں کے درمیاں والے چہرہ کی ملاحت کو جمال کہتے ہیں نہ اُس کی آتشین رنگت کو۔ نہ گلابی رخسارہ کا نام جمال ہے نہ مخمور، مست، لنقہ ہرن کرنے والی نرگسی آنکھیں جمال کہی جا سکتی ہیں نہ خنجر ابرو یا صیقل شدہ تلوار جمال میں داخل ہیں نہ سرو قد ہونا جمال کی دلیل ہے نہ تناسب اعضا اور اعتدال طول و عرض کو جمال کہنا موزوں ہے نہ وہ قامت جس سے ہزاروں قیامتیں بنتی ہیں جمال کہا جا سکتا ہے۔ نہ لمبے لمبے سیاہ حسین بال جن کو اگر کھول دیا جائے تو سلاسل معلوم ہوتے ہیں جمال کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ نہ وہ مانگ جمال ہے جو شب دیجور کو ٹکڑے کر دیتی ہے نہ تابدار گیسو جمال ہیں۔ نہ سانچے میں ڈھلی ہوئی گردن جمال ہے نہ جمال وہ ہے جس سے ماہتاب کسب ضیا کرتا ہے اور نہ وہ ہے جس سے "زہرہ" رنگ و بو حاصل کرتی ہے اور نہ ان تمام اوصاف کا مجموعہ جمال ہے۔ پھر جمال کیا ہے؟ وہ چہرہ کا ایک نور ہے جو دلوں کو روشن کرتا ہے اور اسیر قبضہ کر لیتا ہے وہ ایک شفاف اور نہایت صاف پانی ہے۔ جو محبوب کی رسیلی آنکھوں میں موجود ہے۔ وہ چند الفاظ ہیں جو اُس کی پیشانی پر لکھے ہیں جن کو عاشق کی نظریں پڑھتی ہیں اور اُس سے نضارت حاصل کرتی ہیں۔ وہ ایک راز ہے جس کو ہماری روح سمجھتی ہے جس سے فرحت پاتی ہے جس سے ان تاثیرات کا نمونہ ہوتا ہے جو ہماری روح کو متاثر کرتی ہیں۔ ہاں جہاں وہ مجمع مسرت ہیں وہیں مخزن افکار بھی ہیں۔ فکریں اسکے

سامنے آتی ہیں ٹھہر جاتی ہیں۔ لیکن کیا اس تصویر کو ہم الفاظ میں کھینچ سکتے ہیں؟
نہیں اتنی استطاعت نہیں! وہ ایک سیال ہے جو آنکھ کے گلابی پر دوں
آنسوؤں کے شہابی تاروں میں موج زن ہے جس کی لطافت کو صرف
اور حقیقت کو منظور کی آنکھیں ہی جان سکتی ہیں جمال حقیقی وہی ہے
سے پھیلتا ہے۔ خارج جسم کو منور کرتا ہے۔ وہ عورت و مرد میں ایک
جوہر لحظہ کامل ہوتا ہے اور ہر کمال دوسرے کمال سے ارفع اور اعلیٰ ہوتا ہے۔
کمال کیا ہے؟ انعطاف روح جس کو محبت کہتے ہیں۔ جو نفس حبیب سے نکلتی ہے اور
جس سے عاشق کا دل لذت یاب ہوتا ہے۔ وہ اسکو محیط ہوتی ہے۔ وہ طہارت
قلب، صفائے ضمیر اور عفت نظر ہے۔ وہ اللہ کا ایک نور ہے اور وہ نور ہے جس سے
وہی ہدایت پاتا ہے جس کو اللہ چاہتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں اہل فضیلت وہی ہیں۔ جو اپنے خصائص نفس
میں افضل ہیں اور ان کے لیے یا فضیلت کے متنیٰ ای کے لیے نفس کی طرف سے اغماض
کرنا ناممکن ہے کیونکہ نفس خوارق کا مرکز ہے۔ عجائب و غرائب کا خزانہ ہے۔ آیات
الٰہی کا جلوہ گاہ ہے۔ فیضان کا مرجع ہے۔ وہ ایک آئینہ ہے جس میں ازل وابد کا
انکشاف ہوتا ہے وہ ایک مطبع ہے جس میں تمام اشیاء و صور منطبع ہوتی ہیں۔ وہ ایک
رشتہ ہے۔ جس کا ایک رخ صانع حقیقی کی طرف دوسرا مصنوعات کی جانب ہے وہ ان
تعلق کی تمام راہوں سے واقف۔ ان کے نشیب و فراز سے آگاہ ہے۔ وہ بہ اقتضائے
انس و عادت مصنوعات کی جانب مائل اور زیادہ مائل ہے لیکن جہاں اُس کا میلان
ایسے مصنوعات کی جانب ہوتا ہے وہاں محبت و شوق کا اقتضا اُسکو مصدر حقیقی کی
طرف بھی رجوع کرتا ہے۔ جب وہ مصنوعات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو طرح طرح کے
انکشافات ہوتے ہیں اور جب اس مصنوع کے خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو خود عالم

شہود کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ بہرحال وہ اپنی امتیازی کیفیت کے باعث دو صفتوں کی وجہ سے زیادہ عزت کا مستحق۔ زیادہ ممتاز ہونے کے لائق۔ زیادہ بزرگی کے قابل ہے۔ ان دونوں کا نام محبت وعداوت ہے۔ ان دونوں متضاد صفتوں کو اگر موجودات کا ناموس اعظم کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ محبت وشوق کے مدارج میں اختلافات ہو۔ بہرصورت نفس انسانی ایک رابطہ ہے جو جب عالم ظاہر کی طرف کھنچ جاتا ہے تو حُسن ظاہری پر مائل ہو جاتا ہے اور جب دوسرے عالم میں نکل جاتا ہے تو دنیا کی ٹیپ ٹاپ اُس کی نظروں سے گر جاتی ہے۔ اُس وقت اُس کی نگاہ کے سامنے ایک دوسری فضا ہوتی ہے جس کو فنا کا کھٹکا نہیں۔ ایک دوسری بہار ہوتی ہے جس کو خزاں کا خوف نہیں اور ایک دوسرا حُسن ہوتا ہے جس کو زوال کا ڈر نہیں۔ وہاں پہنچ کر اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے اُس سے مستفید ہونے کے لیے وہ اپنے شوق کے پروں سے اُڑتا ہے۔ غرض یہ کہ تمام فضائل ہوں یا رذائل، خیر ہوں یا شر، حزن ہو یا سرور، رغبت ہو یا نفرت، اقدام ہو یا گریز، کسل ہو یا نشاط، ترقی ہو یا تنزل، یہ سب محبت وعداوت کی شاخیں ہیں اور مختصر یہ کہ یہی دونوں سعادت وشقاوت کی رکن ہیں۔ اب محبّت کیا ہے؟ وہ ایک پاک جذبہ ہے جو پاک دلوں میں رہتا ہے۔ وہ دو قلبوں کا ایک ربط ہے۔ وہ غیر ریفانہ ایک توجہ ہے جو عشاق کی نظروں سے محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک مضبوط سی ہے جو دو دلوں کو ملاتی اور پھر ان کو جوڑ کر ایک کر دیتی ہے۔

وہ ایک گرہ ہے جس کو موت کے سوا کوئی نہیں توڑ سکتا نہیں نہیں میں نے غلطی کی موت بھی اس کو نہیں توڑ سکتی وہ تو اس درجہ کی مضبوط کی ہوئی ایک لاینحل گرہ ہے وہ زنجیر ہے ... ایک نور ہے جو ہمیشہ رہے گا اور جس کا مرکز نامعلوم ہے۔

ہاں وہ کافر ہے جو کہتا ہے محبت باقی نہیں۔ وہ گنہگار ہے جو کہتا ہے محبت غیر موجود ہے

وہ زندیق ہے جو محبت کی نسبت بدکاری کی طرف کرتا ہے۔ محبت کوئی حیوانی شہوت نہیں ہے جو
اُن کی رذیل اور ذلیل حرکت ہے وہ ایک روحانی جذبہ ہے جو شہوت سے مجرد ہے۔
لوگ۔ جمال و محبت کو چولی دامن کا ساتھی کہتے ہیں اُنکو لازم و ملزوم سمجھا۔
کہتے ہیں کہ یہ توام ہے یہ لوگ بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ خاص کر وہ جو تناسب اعضا۔
رخسار کشیدہ ابرو چمکتی ہوئی پیشانی ستواں ناک موتی کے ایسے دانت کو جمال۔
اس جمال کی حیثیت اُسی استرکاری کی سی ہے جو دیوار پر کی جاتی ہے اور تھوڑے دنوں
کے بعد کالی اور بدہیئت ہو جاتی ہے۔ یہ ایک وہی چمکتی ہوئی چنگاری ہے جو چند منٹ کے
بعد راکھ ہو جاتی ہے۔ یہ وہی قوس قزح ہے جو تھوڑی دیر کے بعد مٹ جاتی ہے یہ گرمی کے
بادلوں کا وہی ٹکڑا ہے جو تھوڑی دیر کے بعد چلا جاتا ہے۔ یہ حسن کیا ہے؟ ایک فریب تھوڑی
دیر رہ کر زائل ہو جانے والا یہ جمال کیا ہے؟ ایک شے باطل ہے وہ دولت جو دوسرے دن ہی لٹ جاتی ہے۔
جو مرد عورتوں پر عاشق ہوتے ہیں غلطی کرتے ہیں اس لیے کہ اُن کا قلب اس ربط سے
مربوط کیا جاتا ہے جو سورج کے ڈوبنے تک بھی نہیں رہ سکتا جو ہوا کے ساتھ ہی اُڑ جاتا ہے
ہاں یہ وہ جمال نہیں ہے جس کے ساتھ محبت کی شرط ہو۔ جس کا کوئی اثر ہو۔ اکثر آدمی جمیل
شے سے محبت کرتے ہیں اُن کی نظروں پر وہ جمال کا ایک مجسمہ اور حسن کی ایک دیوی
ہوتی ہے۔ لیکن دوسری ہی نظر میں وہ صورت معیوب ہو جاتی ہے۔ وہی صورت جو ابھی
جمال و کمال کا مجموعہ تھی۔ قبائح کا خاکہ ہو جاتی ہے یہ کیوں؟ اسی لیے کہ جمال وہ شے
لطیف نہیں ہے جو محبت کرنے والے قلب کو محبوب چہرہ کے دیکھنے ہی مضطر کر دیتا ہے
وہ ایک نور الٰہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ جسے توفیق دے وہی منور ہو سکتا ہے وہ جمال طبعی ہے
نہ صنعی جو عورتیں اپنے چہرہ کو پوڈر سے غازہ سے حسین کرنا چاہتی ہیں وہ جمال کی ضد کرتی
ہیں وہ غلطی کرتی ہیں اور نہیں جانتیں کہ یہ صفت مخلوق ہے اور وہ صفت خالق۔

سحبان

مغربی تعلیم اور مسلمانانِ ہند

اس امر سے غالباً کسی کو انکار نہ ہوگا کہ آج علم و ہنر کی دنیا میں مغربی تعلیم عجب شان سے جلوہ گر ہے۔ علوم مغربیہ نے ہر طرف اپنا سکہ بٹھا رکھا ہے ہر کنگرۂ صنعت پر یورپ کا طوطی بول رہا ہے اور نوائے مغرب کے سامنے نوا سنجانِ مشرق کا رنگ پھیکا پڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ جس سمت میں آفتاب غروب ہوتا ہو اسی طرف سے ایک ایسی تیز روشنی نمودار ہوئی ہے کہ جس سے اہلِ مشرق کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی ہے مگر حقیقت میں نگاہیں اس جگمگاہٹ سے دھوکے میں آنیوالی نہیں جنھوں نے ذرا بھی موجودہ منظر پر غائر نظر ڈالی ہے اُن پر بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ اگرچہ مغرب سے منعکس ہو کر ہم تک پہنچ رہی ہیں مگر یہ اُسی آفتاب کی شعاعیں ہیں جو تیرہ سو برس پہلے مشرق میں طلوع ہو چکا ہے اور جس نے نہ صرف خطۂ عرب کو منور کر دیا تھا بلکہ اس کی ضیا یورپ اور ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر حیرت انگیز قلیل عرصہ میں پھیل چکی تھی۔ قرونِ اوسط میں اہل فرنگ جو چنگاریاں بغداد۔ دمشق۔ اور قرطبہ کے علمی آتشکدوں سے چُن کر لے گئے تھے وہی چنگاریاں آج یورپ کے فانوسوں میں شعلوں کی طرح جلوہ نما ہیں مگر زمانہ نے کچھ ایسا پلٹا کھایا ہے کہ اُن شعلوں میں ہمیں اپنی مٹی ہوئی عظمت کی جھلک تک نظر نہیں آتی۔ محفل علم میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو آکسفورڈ کیمبرج لندن اور پیرس کی یونیورسٹیاں جدید ترین تہذیب کا چست اور دلفریب جامہ زیب تن کئے زینت مجلس بنی بیٹھی ہیں اور دوسری طرف ہمارے قدیم عربی مدارس وہی اپنی پرانی وضع کا ڈھیلا ڈھالا جبہ پہنے سر ہلا ہلا کر سبق دے رہے ہیں تو فوراً یہ تصور تک میں دوسماں نہیں آسکتی کہ ایسا بھی ایک زمانہ

گذرا ہے جب کہ یہی جاق چوبند اکسفورڈ اور کیمبرج لندن اور پیرس کے دار العلوم ان ہی ثقا صورت مشرقی علما کے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے تاکہ اور اپنے اندھیرے گھروں میں جا کر ان کی بدولت ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ

جن اسباب کی بنا پر یہ بیّن تفاوت نظر آتا ہے وہ ارتقائی ہیں اور اس قانون کے پابند ہیں جس کو انگریزی میں ایوولیوشن کہتے کیفیت جو ہمارے عربی مدارس کی خصوصیت ہے اور جس نے اسلام کے ترقی کو پابہ زنجیر کر رکھا ہے۔ زمانہ متوسط میں یورپ کے تقریبًا ہر دار العلوم میں موجود تھی جس طرح ہمارے عربی مدرسے مسلک قدیم سے سرِ مو فرق کرنا قابلِ نفرین سمجھتے ہیں اسی طرح سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں میں اکسفورڈ کیمبرج کی درسگاہیں اپنے قدیم نصاب تعلیم میں جو درحقیقت عربوں کے درس نظامیہ پر مبنی تھا تصرف کرنا قابلِ تکفیر جانتے تھے مگر چونکہ ان کی کشتیِ علم جو اگرچہ عربی تخیل سے بنی تھی چشمۂ ارتقا کی منجدھار پر پڑگئی اس لیے وہ کہیں آگے نکل گئے اور مشرقی سفینہاے تعلیم ایک خاص بندرگاہ تک پہنچ کر وہیں لنگر انداز ہو گئے یہی وجہ ہے کہ آج بحرۂ علم و عمل میں اہلِ یورپ بادبانِ ایجاد کی رسی تھامے جدھر چاہتے ہیں سپاٹا مار کر نکل جاتے ہیں اور ہمارے مشرقی ناخدا دیکھتے کے دیکھتے رہجاتے ہیں

ہندوستان کی اسلامی تعلیم گاہیں تھیں انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک صرف وہ مدارس تھے جہاں علماء فن فقہ اور حدیث اور معقولات کی تدریس کیا کرتے تھے۔ ابتدا میں جب موجودہ حکمران قوم کی توجہ ہندوستان کی تعلیمی حالت کی طرف مبذول ہوئی تو قدرتًا انھوں نے جو مصالحہ ملک میں پہلے سے موجود تھا اس ہی سے کام نکالنا چاہا اور عربی اور سنسکرت کے قدیم مدارس کی مالی امداد اس غرض سے کہ ان کو وسعت دے کر مرکزی صورت پیدا کی جائے

چنانچہ اس اصول پر ایک عرصے تک عمل ہوتا رہا اور سرکاری خرچ سے عربی و فارسی کتابوں کے قدیم نسخے بھی چھپ کر شائع ہوئے اسی اثنا میں لارڈ میکالے گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر مقرر ہو کر آئے اور ہندوستانیوں کی تعلیم کا مسئلہ پھر پیش ہوا تو انھوں نے ایشیائی تعلیم اور طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور مغربی تعلیم کی حمایت میں ایک نہایت اہم اور لسبیط مضمون بتاریخ ۳۰ فروری ۱۸۳۵ء لکھا جس نے باوجود کثیر التعداد مخالفین کے گورنر جنرل لارڈ بنٹنگ کو اپنا ہم خیال بنالیا اور اس طرح اس اصول کی بنیاد پڑی جس کا ظہور آج ہم ہر صوبہ کی علحدہ یونیورسٹی کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ کونسل میں فیصلہ ہونے ہی کہ انگریزی طرز تعلیم کو ہندوستان میں رواج دیا جائے۔ ہمارے قابل احترام ہندو برادران وطن نے ہر حصۂ ملک میں اس نئی روشنی کے حاصل کرنے میں پیش قدمی کی اور تحصیل علم میں وہ کہیں آگے نکل گئے مسلمان جو ایک عرصہ سے خواب خرگوش میں پڑے ہوئے تھے ابھی تک اسی طرح غشی کے عالم میں پڑے رہے۔ اور انقلاب زمانہ کی علامتوں کو فلک کی جفا کاریوں سے محمول کرتے رہے اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب معدودے چند افراد نے زمانہ کی روشنی دیکھ کر اپنے بچوں کو جدید تعلیم دینی شروع کی تھی کہ ان کو ہر طرف سے اعتراضات کا شکار ہونا پڑا اور کافر اور بدعتی ٹھہرائے گئے۔ مسلمان اسی قعر جہالت میں پڑے ہوئے تھے کہ ان میں وہ شخص پیدا ہوا جو اگرچہ خود پرانی وضع کے مکتب کا تربیت یافتہ تھا مگر اس کا دل جدید روشنی سے اسقدر منور ہو چکا تھا کہ جس کی مثال اب تک باوجود تعلیم عام ہونے کے نظر نہیں آتی یہ شخص سر سید تھا باوجود ناہموار اور سنگلاخ زمین ہونے کے اس معمار قوم نے کاخ علم کا سنگ بنیاد علیگڈھ میں قائم کر دیا اور اس کالج کی بنیاد ڈالی جس کی قسمت میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی ہونا لکھا ہے۔ یہ سر سید ہی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم گلزار تعلیم میں اسلامی نونہالوں کو لہلہاتے

دیکھتے ہیں اور وہ تعصب جس نے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کی خوبیوں سے نا آشنا کر رکھا تھا آج معدوم ہے۔ جن دقتوں کا سامنا پڑا اور جو تکالیف اس قوم پرست نے حصول مدعا میں برداشت کیں اب ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔

سید محمد رؤف علی ایڈیٹر

جذباتِ اُفق

ہوئے ہیں محو اب ایسے خیال یار میں ہم
بہ رنگ قطرہ ہیں دامان جوئبار میں ہم

سُنا ہے جب سے وہ محشر میں جلوہ گر ہونگے
تڑپ رہے ہیں قیامت کے انتظار میں ہم

ہم اُس پہ مٹ کے ہمہ تن وہی نہ ہو جائیں
پھنسیں جو مسئلہ جبر و اختیار میں ہم

دیا تھا بزم ازل میں جو تونے جام ہمیں
بلیٰ پکار رہے ہیں اُسی خمار میں ہم

کچھ انقلاب نہیں شکل انقلاب ہمیں
وہی خزاں میں ہیں ہم اور وہی بہار میں ہم

ہمیں یہ جامۂ ہستی اُتار دینا ہے
زیادہ پھولیں نہ پوشاکِ مستعار میں ہم

دل و نگاہ کو قابو میں کس طرح رکھیں
کہ اپنے آپ نہیں اپنے اختیار میں ہم

ہماری تم سے ملاقات ہو تو کیونکر ہو
نہ تم پہ جبر کسی کا نہ اختیار میں ہم

پتہ چلا کہ یہ اُس کی ہے اک تجلی گاہ
گئے جو عرش پہ بہر تلاشِ یار میں ہم

ہمارے خانۂ دل میں اگر نہ ہو وہ مکیں
تو جائیں طور پہ جلوے کے انتظار میں ہم

رسائی منزل جاناں کی چاہیں تو بن جائیں
غبار ہو کے رہِ عشق کے غبار میں ہم

رکھے گا تو ہمیں جس حال میں رہینگے خوش
کہ تیرے بندے ہیں اور تیرے اختیار میں ہم

نجات پائی جو دنیا کی کشمکش سے اُفق
پڑے ہیں چین سے کیا گوشۂ مزار میں ہم

اُفق امروہوی

(سلسلے کے لیے ستمبر نمبر ملاحظہ ہو)

مولوی صاحب نے ادھر تو اپنے خسر کو راضی کیا کہ حسینہ کو پناہ نہ دیں دوسری طرف یہ خیال کیا کہ اکبر کو مجبور کیا جائے کہ اُسے اپنے گھر سے رخصت کردے۔ اکبر میں استقلال اور ہمت نہ تھی وہ اُن اعلے دماغ والوں میں نہ تھا جو اپنی زندگی آپ بناتے ہیں اور خود اپنے رہنما ہوتے ہیں۔ بلکہ اُن میں تھا جن کا طرزِ عمل جن کی زندگی کے بنانے والے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ لوگوں نے جس چیز کو بُرا سمجھا وہ بُری ہوگئی جس کو اچھا سمجھا وہ اچھی ہوگئی۔ اپنی رائے قائم کرنے کی نہ قوت نہ اس پر بھروسہ۔ اس کو سمجھا بجھا کر اپنا کرلینا کوئی مشکل نہ تھا۔ صرف اتنی ضرورت تھی کہ دو چار بڑے بڑے ذی عزت آدمیوں سے کہلوا دیا جائے۔

مولوی صاحب نے اس کی کوشش شروع کی اپنے دو چار دوستوں سے جن کی وجاہت کا اثر اس پر پڑ سکتا تھا اس بات کا ذکر کیا۔ ایک صاحب ان میں سے بہت چلتے ہوئے آدمی تھے خاں بہادر قاضی حمید الدین وہ بھی پنشنر ڈپٹی کلکٹر تھے اور سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہو کر ایک ریاست میں دیوان ہوگئے تھے۔

قاضی صاحب نے تمام ماجرا سُن کے کہا "اس طوالت کی کیا ضرورت ہے سیدھا سادا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے" مولوی صاحب نے دریافت کیا وہ کون سا طریقہ ہے۔ قاضی صاحب بولے "تعجب ہے آپ کو اب تک نہ سوجھا۔ ارے صاحب لوگوں کے احسان لینے کی کیا ضرورت ہے کہ اکبر کو سمجھا دیں۔ اور پھر

اگر اس کی سمجھ میں نہ آیا یا اس کی بیوی نے مخالفت کی۔ آپ کہتے ہیں کہ بیوی کا اثر بھی اس پر بہت ہے۔ تو یہ سب کارروائی بالکل بے سود ہو جائے گی۔ طریقہ ہے کہ بیوی کو یہ سمجھایا جائے کہ ایک خوبصورت جوان عورت کے گھر میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ عورت اس معاملہ میں شبہ کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے۔ وہ خود اپنے گھر میں نہ رہنے

مولوی صاحب: ۔ واقعی سوجھی تو خوب ۔

قاضی صاحب: ۔ ارے بھائی ہزاروں معاملات اپنے ہاتھ سے نکل چکے ہیں مگر تم نے بہت بڑی غلطی کی کہ اس سن میں شادی کی اب ہم لوگوں کا یہ سن ہے کہ جوان جوان عورتوں سے کھیلا کریں ۔ اگر شادی کرنا بھی تھی تو کسی بیوہ یا سن رسیدہ عورت سے کرتے جو تمھاری طبیعت کے موافق اپنے کو آسانی سے بنا لیتی ۔ ایک جوان کمسن عورت کے جذبات اور ولولوں کا جواب ہماری آپ کی مردہ طبیعت کیا دے سکتی ہے ۔ (ہنس کے) وہ چاہے گی کہ چوبیس گھنٹے میں بھلا کم سے کم دو تین گھنٹے تو اُسکے پاس بیٹھ کر اُس سے ہنسیں بولیں اور کھیل کود کریں ۔ بھئی میرا تو یہ مسلک ہے کہ

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو

مولوی صاحب: ۔ کچھ چھپ کے "خیر اب جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا"

مولوی صاحب اپنی کسی بات میں سننا گوارا نہیں کرتے تھے یہ بات سننا انھیں ناگوار ہوا کہ میں بڈھا ہوں اور بیوی جوان ہے اور میرا اُس کا جوڑ نہیں ہے ۔
کچھ دیر ٹھہر کے کہنے لگے "ایک میں نے نئی شادی نہیں کی سیکڑوں میرے سن کے لوگ شادیاں کرتے ہیں ۔

قاضی صاحب: ۔ معاف کیجیے گا آپ جوانی میں تو اس لائق تھے نہیں کہ کوئی عورت آپ سے خوش ہو سکے ۔ اب بڑھاپے میں کیا اُمید ہو سکتی ہے جوانی میں آپ

نام کھا کے کہیے کہ کسی عورت سے ہنس کے بولے تھے۔
مولوی صاحب:۔ بیوی کوئی رنڈی تو ہے نہیں جس سے دل لگی ہنسی کیجائے
مفتی صاحب:۔ یہ آپ نے خوب کہا۔ یہ ہی تو وجہ ہے کہ وہ بیچاری آپ سے
بیزار ہو گئی۔

مولوی صاحب نے اس سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھنا پسند نہ کیا۔ وہ نہ قائل
ہوئے نہ قائل ہونا چاہتے تھے۔

کوچۂ عشق انسان کے لیے ایک بہت بڑا مدرسہ ہے۔ اس مدرسہ کی تعلیم سے
مولوی صاحب ناآشنا تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اپنی ذات کی قدر و قیمت ان کے دل
میں بہت تھی۔

کوچۂ عشق میں ٹھوکریں کھا کر انسان بہت کچھ حاصل کرتا اور بہت سے
عیوب سے پاک ہو جاتا ہے۔ سب سے اول نوا نثیار کی صفت اس میں پیدا ہوتی
ہے پھر اپنی ذات سے محبت کم ہوتی ہے خود پسندی اور خود ستائی دور ہوتی ہے۔
خلاصہ یہ کہ انسان عاشق بن کے دنیا کا محبوب ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کی
نظر اپنی کمیوں اور اپنے عیوب پر مطلق نہ تھی۔ جو ان کی قدر و قیمت اتنی نہیں جانتا تھا
جتنی کہ خود ان کے دل میں تھی اس پر انھیں نہایت غصہ آتا تھا۔ اسی لیے بیوی
کی یہ خطا ناقابل عفو تھی اور اس کو مستوجب بُری سی بُری سزا کا سمجھتے تھے۔ اور
اپنی بابت سمجھتے تھے کہ ہر قسم کی سزا دینے کا مجھے حق حاصل ہے بلکہ یہ کہ قانون
قدرت کے مطابق بہت بہت زیادہ حقوق ہونا چاہئیں جو قانون مروجہ نہیں دیتا۔

(۸)

مولوی صاحب نے قاضی صاحب کی صلاح پر عمل کیا مگر اسکا کوئی نتیجہ
نہ ہوا۔ تدبیر کارگر نہ ہونے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بلقیس بہت سمجھدار عورت تھی

اسکو غلط راستہ پر لگانا کوئی آسان کام نہ تھا ... دل میں ایسے خیالات آجاتے لیکن اس کے ... ایسے نہ تھے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہو ... نہ تھی اور نہ خود وہ عورت پنی طبیعت رکھتی ... پرستی سے فرصت نہ تھی کہ کسی دوسری جانب توجہ ... دکھلا دے کے تھے۔ اس بات کے علاوہ ایک ... ہو گیا تھا کہ بلقیس کو اس طرف اب گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حسینہ ایک نئے رنگ میں پڑ گئی تھی اور اس کی ابتدا ایک عجیب طریقہ سے ہوئی۔ ایک روز بلقیس کا خالہ زاد بھائی وقار بلقیس کے یہاں آیا۔ حسینہ غسل خانہ میں نہا رہی تھی اس کو ان کے آنے کی خبر نہ تھی۔ نہا دھو کر وہ باہر آئی۔ اس کے چہرہ کی رنگت دمدما رہی تھی۔ سبز لکیر دار ریشمی پائجامہ مہین تنزیب کا کرتا نازک لیسوں سے سجا ہوا اور اس پر گلابی خوش رنگ دوپٹہ۔ پیر میں سیاہ وارنش کا پمپ۔ اس بناوٹ سے آپ باہر نکلیں۔ باوجود تفکرات کے شوخی اور کھلنڈراپن حسینہ میں بدرجہ غایت اب تک موجود تھا۔ بال کھلے ہوئے دوپٹہ شانوں پر۔ کرتے کا گلا اور اندر شلوکے کے دو بوتام کھلے ہوئے بلقیس کو پکارتی اور دوڑتی ہوئی عین وقار کے سامنے آکھڑی ہوئیں اور اپنی دھن میں ایسی غرق کہ کسی طرح نہیں دیکھتیں کہ کون بیٹھا ہے۔ بلقیس اشارہ کر رہی ہے کسی طرح نہیں سمجھتیں۔ کیا ہے کیا ہے کر رہی ہیں۔ آخر کو بلقیس مجبور ہو گئی اور جھنجھلا کے بولی "کیا ہے کیا ہے کرتی ہو آنکھوں سے نہیں دیکھتیں" جب ہوش میں آئیں اور غور سے دیکھا تو بے تحاشہ چلائیں "اُئے ہے میں مر گئی" یہ کہہ کے بجائے اس کے کہ بھاگ جائیں دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کے وہیں بیٹھ گئیں۔

وقار نے اس پورے سین کو اس طرح دیکھا کہ دماغ کو محسوس کرنے کا موقع بس نہ ملا کہ کیا نظر کے سامنے سے گذرا۔ کچھ لمحوں کے واسطے دماغ معطل ہوگیا تھا۔ وقار نے نسوانی تصویر اس قطع کی اس انداز سے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کم سے کم اس وقت اس پر یہ ہی اثر تھا۔

جب حسینہ اور اس کے درمیاں پردہ حائل کر دیا گیا اور اس نے حواس درست کر لیے اس وقت اسے یہ خیال ہوا کہ اس عورت کا حُسن حد درجہ ہوشربا ہے۔ بلقیس سے پوچھا "یہ کون شخص ہیں" بلقیس نے بتایا تو کہنے لگے "آہا حسینہ جن کا ہر گھر میں آجکل چرچا ہے وہ یہ ہی ہیں واقعی اصل میں بھی وہی ہیں جو کہ نام ہے۔

بلقیس نے پکار کے کہا "و حسینہ غضب ہوگیا بھائی جان تم پر عاشق ہوگئے" وقار بہت متین شخص تھے انھوں نے یہ بات بغیر سوچے سمجھے کہدی تھی بلقیس کے کہنے سے کچھ جھیپ سے گئے کہنے لگے "لاحول ولاقوۃ تم بڑی بیہودہ ہوگئی ہو۔ چپ رہو۔"

وقار اُس وقت اُس گھر سے عجیب کیفیات اور جذبات دل میں لے کر اٹھے۔ آنکھوں کے سامنے وہی صورت تھی اور دل و دماغ کو مست کیے ہوئے تھی گھر پہنچ کر بھی وہ نقشہ نہ مٹا۔ دن بھر کسی کام میں دل نہ لگا۔ رات کو چین سے نیند نہ آئی۔ دوسرا دن ہوا۔ دل نے تقاضا کیا کہ پھر اُسی گھر چلیے جہاں وہ صورت دیکھی تھی۔ دل کی طلب کو رد کرنا کچھ آسان کام نہ تھا کھنچتے ہوئے چلے گئے۔ مجرم کی طرح وہاں پہنچے۔ بلقیس دیکھ کے مُسکرائی۔ چہرہ نے جرم کا اقبال کر لیا۔ آنکھ نیچی ہوگئی۔ یہ حالت دیکھکر بلقیس کو شرارت سوجھی چُپکے سے کان میں جاکر کہا "آپ کی ان سب حرکتوں کی خبر مولوی صاحب کو پہنچا دوں گی۔

وقار:- تم سڑن پن کی باتیں نہ کیا کرو۔ تمھیں [illegible]
بلقیس:- آپ کو کیا ہوگیا آپ بھی تو ایسے [illegible]
وقار:- تمھارے گھر کیا میں آیا جایا نہیں [illegible]
نہ آوں گا۔
بلقیس:- تو آپ میرے پاس آئے ہوں گے۔
وقار:- اور نہیں تو کس کے پاس آیا ہوں۔
بلقیس:- اتنی بیوقوف میں نہیں ہوں کہ .... (بات کاٹ کے) سومانی جان! اس وقت ماموں جان آجائیں تو کیا ہو۔
حسینہ:- مجھکو خدا کے واسطے تم سومانی جان نہ کہا کرو۔
بلقیس:- اچھا نہ سہی بہن حسینہ سہی۔
حسینہ:- آجائیں تو کیا ہو۔ میرا کیا کریں گے۔

مولوی صاحب کے نام لینے سے حسینہ اپنے آپے میں نہ رہتی تھی اور جو منھ میں آتا تھا کہہ ڈالتی تھی بلقیس سے کہنے لگی "خدا کے واسطے تم میرے سامنے انکا نام نہ لیا کرو ورنہ تم جانتی ہو کہ میں بالکل بے قابو ہو جاتی ہوں۔

وقار:- کیا فائدہ کیوں تم چھیڑتی ہو۔
بلقیس:- اچھا آپ کی خاطر سے کیجیے ان کا ذکر نہ کروں ورنہ وہ میرے بزرگ ہیں۔ ان کا ذکر کیونکر چھوڑ سکتی ہوں ان کے خیال کو دیکھیے کہ اپنی بیوی کو میرے سپرد کر دیا۔ اتنا ہی اعتبار تھا جب ہی تو یہ کیا۔
حسینہ:- ذرا آپ اپنا منھ ڈھک لیجیے میں اُدھر چلی جاؤں۔ میں خدا کی قسم یہاں نہ بیٹھوں گی۔
وقار:- بلقیس تمھیں کیا ہوگیا ہے کیوں بیچاری کو دق کرتی ہو۔

بلقیس :- آپ بھی اُن ہی کی طرف ہوگئے۔ اچھا اب میں نہ بولوں گی۔ بلقیس یہ کہتی ہی رہی حسینہ نے مُنہ ڈھکنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ بجلی کی طرح کوند کے ایک کمرہ سے نکل دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ دوسرا وار تھا جو وقار کے دل پر ہوا۔ کچھ مُنہ سے نہ بولا کلیجا تھام کے رہ گیا۔

اس دن کے بعد سے وقار بلقیس کے گھر روز آنے جانے لگا بلکہ بعض بعض روز دن میں دو دو بار۔ حسینہ بھی اس سے بے تکلف ہوگئی۔ اپنے کھلنڈرے پن میں ایسی بھی حرکتیں کیں جو کہ ہرگز نہ چاہیے تھیں مثلاً گانے لگنا۔ لوگوں کی نقلیں کرنا ہنسی مذاق وغیرہ مگر اس سے کوئی بات بُری طبیعت سے نہیں کی۔ وہ عشق و محبت سے اس درجہ ناآشنا تھی کہ اسے گمان بھی نہ گزرا کہ وقار کو میرے ساتھ محبت ہے اس حد تک اُس سے خلا ملا نہ کرنا چاہیے وقار میں قدرتاً متانت اور سنجیدگی تھی اور ایسی کوئی بات کرنے کی جرأت حتی الامکان نہ کرتا تھا جس میں ذرا سا بھی خیال آخر میں شرمندگی کا ہو لیکن حسینہ کے انداز نے اسے دھوکا دیا اور یہ سمجھا کہ اسے بھی میرے ساتھ لگاؤ ہوگیا ہے۔ ایک روز بہت جرأت کر کے اس نے حسینہ سے کہا "کیا اچھا ہوتا کہ تمھاری میرے ساتھ شادی ہوتی یقین ہے تم بھی خوش رہتیں اور میرے دن بھی پھر جاتے" حسینہ ایسی باتیں سُننے کے لیے مطلق تیار نہ تھی۔ سناٹے میں خاموش بیٹھی رہی بہت دیر تک کچھ جواب نہ دیا۔ وقار کو اُمید تھی کہ اپنی عادت کے موافق حسینہ فوراً جواب دے گی خاموشی دیکھکر گھبرایا۔ جملہ کے اعادہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حسینہ ہی خود بولی "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ سے میں جو ہنستی بولتی ہوں تو میرے دل میں کوئی دوسرا خیال ہے"

وقار :- نہیں تو یہ تو میں نے نہیں کہا میں نے تو یہ کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو . . . . .

اتنے میں بلقیس آگئی۔ حسینہ نے وقار کا جملہ اسکے سامنے دُہرا دیا۔

وقار کو اس درجہ شرمندگی ہوئی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو اسمیں سما جاتا۔ کھسیانہ ہو کر کہنے لگا "اب میں یہاں نہ آؤں گا" اور واقعی اُس

دن سے جو گیا تو آٹھ دس روز نہ آیا۔ اب تو حسینہ کا د
"تمھارے بھائی جاں بہت دن سے نہیں آئے"
بلقیس:۔ تم نے بیچارے کو اس دن اسقدر شرمندہ کیا کہ بچارے
حسینہ:۔ میں نے تو جو بات تھی وہ کہدی۔
بلقیس:۔ مگر تمھاری حرکتیں ایسی ہیں کہ وہ کیا کوئی ہو اس کو
حسینہ:۔ اب تو مجھے بھی ان کے ساتھ کچھ محبت سی ہو گئی۔
چاہتا ہے۔
بلقیس:۔ یللہ صاف گوئی اپنی چھوڑ دو۔ یہ کون طریقہ ہے۔ کیا یہ ضرورت ہے کہ انسان کے جو دل میں ہو وہ منھ پر بھی لے آئے۔

آٹھ دس روز بعد وقار ایک روز آئے اور حسینہ سے کہا "میں آپ سے رخصت ہونے کے لیے آیا ہوں۔ کل میرا قصد بمبئی جانے کا ہے۔
حسینہ:۔ کیوں کیا دفتر میں چھٹی ہے۔
وقار:۔ نہیں رخصت لے لی ہے۔
حسینہ:۔ آخر کوئی کام ہے کیوں جاتے ہیں۔
وقار:۔ نہیں کچھ نہیں صرف دل بہلانے کے لیے جاتا ہوں۔
حسینہ:۔ مجھ سے خفا ہو گئے کہ شہر چھوڑے دیتے ہیں۔
وقار:۔ آپ سے تو نہیں خفا ہوں۔
حسینہ:۔ تو پھر کس سے۔
وقار:۔ قسمت سے۔

یہ الفاظ منھ سے نکلے ہی تھے کہ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے جلدی کومال جیب سے نکالا اور آنسو پونچھتے ہوئے کھڑے ہوگئے حسینہ نے بیٹھنے کے واسطے اصرار بھی کیا

لیکن یہ کہہ کے کہ "اب میں جاؤں گا" سیدھے چلے گئے۔ حسینہ پردہ ہٹا کے اس وقت تک اسے دیکھا کی جب تک وہ باہر نہ چلا گیا۔

(۹)

وقار بمبئی روانہ ہو گئے لیکن حسینہ کا دل اپنے ساتھ لیتے گئے۔ حسینہ کی ایسی خود سر اور خود رائے عورت کا محبت میں گرفتار ہونا ایسا نہ تھا جو چھپ سکے خاص کر بلقیس سے۔ دن بھر یہ ہی گفتگو۔ یہ ہی باتیں۔ یوں ہی کیا کم دلچسپ تھی عشق نے اُسے اور بھی دلفریب بنا دیا۔ آواز میں گداز گی چہرے پر فکر کے آثار۔ ان سب باتوں کے ساتھ اپنی وہ بھی پُرانی عادتیں۔ ایک دن صبح کو اُٹھیں ہاتھ مُنھ دھوکے ناشتہ کر رہی تھیں چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے پہلے کچھ گُن گُنانا شروع کیا اس کے بعد آواز کھول کے بھیرویں میں گانے لگیں۔

صنما با غمِ عشقِ تو چہ تدبیر کنم
تا بہ کے در غمِ تو نالۂ شبگیر کنم

اس کو اس درجہ دل کش اور پُر درد طریقہ سے گایا کہ بلقیس جو دوسرے کمرے میں کچھ کام کر رہی تھی سب چھوڑ چھاڑ اس کے پاس آکے بیٹھ گئی اور سُننے لگی۔ اتنا اثر ہوا کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بلقیس کو دیکھ کے وہ بھی زار و قطار رونے لگی۔

بلقیس نے کہا "یہ کیا ہے کیا ہوش میں آؤ۔ دل ایسا بے قابو کیوں ہو گیا"
بس اتنا سُننا تھا کہ بکنا شروع کیا۔ "بھاڑ میں جائے میری قسمت میں ہمیشہ رونا ہی بدا ہے مجھے کبھی چین نصیب نہ ہوگا۔ جو بات ہوتی ہے میرے رولانے ہی کے واسطے ہوتی ہے"

(ناتمام)		عبدالوالی

غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

کیا اسی شکل سے الفت کا صلا دیتے ہیں — اتنا ہنسنے [illegible]

کیا ہی ہشیار رہیں اس مست کی محفل والے — جس کو چاہیں [illegible]

تیرے ملنے کے تصور جو ہیں دل میں شب ہجر — درد تیری ترے مرتے [illegible]

ہجر میں نالوں سے بہتر ہے کہ آہیں کیجیے — زیب ہے تیرہ جو چلنے میں صدا دیتے ہیں

واہ ری چارہ گری کہہ دیا بچنے کا نہیں — آپ بیمار کو کیا خوب دوا دیتے ہیں

دردمندوں کی کہانی نہ سنی خوب کیا — باتوں باتوں میں یہ مطلب کی سنا دیتے ہیں

عشق میں دل بھی ملا مجھکو بہ اندازۂ درد — شاد ہوتا ہوں ستمگر جو ستا دیتے ہیں

ہم بھی دیکھیں کہ یا عجاز ہے یا سحر کوئی — آپ سوتی ہوئی تقدیر جگا دیتے ہیں

چپکے بیٹھے تو ہیں محفل میں مگر یاد رہے — بات پہ ہم اگر آئیں تو ہنسا دیتے ہیں

چارہ سازوں میں یہ باتیں ہیں گر نزع کے وقت — ایسی حالت ہو تو بیمار کو کیا دیتے ہیں

شکوۂ یار نہ قسمت کا گلا اے محشر

حضرت دل کو شب درد دعا دیتے ہیں

حضرت حسرت موہانی

نہ دل سیکھے فریب آرزو کو — نہ ہم چھوڑیں تمہاری جستجو کو

ترے خنجر سے کیوں اے شاہ خوباں — محبت ہو گئی ہے ہر گلو کو

وہ منکر ہو نہیں سکتا فسوں کا — سنا ہو جس نے تیری گفتگو کو

تغافل اس کو کہتے ہیں کہ اس نے — مجھے دیکھا نہ محفل میں عدو کو

نہیں پانی تو میخانہ میں اے شیخ — جو کچھ موجود ہے لاؤں وضو کو؟

نہ خود مجھکو نہ میری آرزو کو ... وہ بد خو ... ہے ... سمجھتا ہی نہ ...

... بھولا پھر کے اعدا میں بھی حسرت
ترے فرمودہ لا تقنطوا کو

(مرسلہ بیگم حسرت موہانی)

حضرت بیباک شاہجہانپوری

یہ کہتی ہے نگاہِ دلربا کیا — یہاں اب ہے محبت کے سوا کیا
جو کچھ دل میں ہو تو آئے زباں پر — کہوں اے داورِ روزِ جزا کیا
جو فرصت بیخودی سے ہو تو جانیں — ہماری ابتدا کیا انتہا کیا
کہیں موقع سے مل جائیں تو پوچھوں — ملا کر خاک میں دل کو ملا کیا
فغاں بے سود ہے الفت میں لیکن — کرے بیچارہ دل اسکے سوا کیا
وہ کیوں دیکھیں ادھر چشمِ کرم سے — دلِ ناچیز کی مہر و وفا کیا
خرابی دل کی اس حد تک تو پہنچی — کروں اب شکوۂ بختِ رسا کیا
یوں ہی تسکیں دیتے دل کو لیکن — ابھی کیا جانے ہے قسمت میں کیا کیا
پسند آئے نہ آئے حورِ جنت — دلِ بے مدعا کا آسرا کیا
نہ پہنچے اُسکے کانوں تک تو یارب — شکستِ شیشۂ دل کی صدا کیا
رہِ الفت میں جب مرنا ہی ٹھہرا — تو فکرِ راہزن کیا راہنما کیا
وہی رنج و قلق ہے وصل میں بھی — طبیعت کو الٰہی ہو گیا کیا
جنھیں ہونگے اُنھیں ارماں ہونگے — ترے ہوتے خیالِ ماسوا کیا
وہ اپنی مصلحت کو آپ جانیں — مگر اس زندگی سے فائدا کیا
یہاں بھی مر مٹے جب ہم سے مشتاق — تو یارب حاصلِ روزِ جزا کیا
جگہ مل جائے اُس نقشِ قدم میں — دگر نہ خاک ہونے کا مزا کیا

یہی طرزِ تغافل ہے تو بیباک
نگاہِ ناز سے ہوگا بھلا کیا

نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر [illegible]

حسین لاکھوں ہیں لیکن یہ چال ڈھال نہیں — زمانے [illegible]
بتوں کے حسن دو روزہ کا اعتبار ہی کیا — دل [illegible]
مکرتے کیوں ہو قسم کھا کے مصحف رخ کی — نہ [illegible]
بتوں کے سامنے کیا چیز حور ہے زاہد — وہ [illegible]
بلا سے جان ہماری گئی محبت میں — کچھ اس کا رنج [illegible]
ہماری موت کی سن کر خبر یہ اس نے کہا — جو ہے یہ سچ بھی تو مرنا کوئی کمال نہیں
ہزار بار پھرا ہے تو قول سے ظالم — تجھے تو اپنی زباں کا بھی کچھ خیال نہیں
ہمیشہ یاد ستاتی ہے جس کی رہ رہ کر — ستم ہے اس کو ذرا بھی مرا خیال نہیں
جو وصل سے تمھیں انکار ہے تو قتل سہی — جواب صاف کے قابل مرا سوال نہیں
غضب یہ ہے کہ مجھے بے خطا حلال کیا — پھر اس کو اپنے کیے پر کچھ انفعال نہیں
حنا کی طرح سے ہو سرخ رو یہ مشکل ہے — وہ دل جو آپ کے قدموں سے پائمال نہیں
بغیر بوسہ دیے آپ جا نہیں سکتے — ہمارا دل ہے کوئی مفت کا یہ مال نہیں
جگر بھی جاں بھی حاضر ہے ایک دل کیا ہے — تمھاری بات کو ٹالوں مری مجال نہیں
ادا و ناز میں مہر و وفا میں آج کہیں — ترا جواب نہیں ہے مری مثال نہیں

وفا سخن پہ سخنور کو ناز زیبا ہے
یہ وہ کمال ہے جس کو کبھی زوال نہیں

حضرت نشتر کاکوروی

آج ان کو منا کے چھوڑیں گے — گدگدا کے ہنسا کے چھوڑیں گے
آہ ایسی بھروں گا مقتل میں — وہ مجھے تلملا کے چھوڑیں گے
چار ہوں گی جو وصل میں آنکھیں — آپ پردے حیا کے چھوڑیں گے

نہ ... گا ہمیں کچھ اور ... ہاتھ جب وہ اُٹھا کے چھوڑ ینگے
... رستے ہیں ہم گلے سے لگا کے چھوڑ ینگے
... ش کریں گے پیک بادِ صبا کے چھوڑ ینگے
آپ ... کے بزم زنداں میں شیخ تم کو پلا کے چھوڑیں گے
... ئیں ... ے غیر سے ہم کو دو شگوفے بلا کے چھوڑیں گے
ہم دکھائیں گے ... نہ دلدا ... واں کبوتر کو جا کے چھوڑیں گے

دل گیا تُو ... نہ جا ہرگز
وہ تجھے بھی جلا کے چھوڑیں گے

حضرت باسط بسوانی

گھر سمجھ کر دل میں رہ جاتے جو پیکاں تیر کے حوصلے قاتل نکل جاتے ترے نخچیر کے
بن گیا تصویر حیرت دیکھ کر عکسِ جمال مجکو دیکھیں دیکھنے والے تری تصویر کے
دیکھنے والے ترے بسمل کے بسمل ہو گئے زخم میں پیدا ہوے جوہر تری شمشیر کے
اک چڑھادوں قبرِ مجنوں پر تو اک فرہاد پر جوشِ وحشت کردے دو ٹکڑے مری زنجیر کے
ناوک افگن دل سے بڑھکر ہے جگر کا حوصلہ ایک سے۔ اب دو ہوے مشتاق تیرے تیر کے
پہلے جو ہنستے تھے میرا جوشِ وحشت دیکھکر ڈھونڈھتے پھرتے ہیں وہ ٹکڑے مری زنجیر کے
سر اُتارا تو نے تن سے مجکو اب یہ فکر ہے سر سے اُتریں کس طرح احساں تری شمشیر کے
دھیان بھی آیا جو زنداں سے نکلنے کا کبھی آنکھیں دکھلانے لگے حلقے مجھے زنجیر کے
میرے دل کے ٹکڑے لیکر پوچھتے ہیں غیر سے ان سے بن سکتے ہیں کیا شیشے مری تصویر کے
فرقت درد جگر سے سانس لینا ہے محال ہمنشیں اب دن کہاں وہ نالۂ شبگیر کے
گیسوئے پُر پیچ و خم میں دل اُلجھ جائے کہیں پھر کرشمے دیکھیے کچھ گردشِ تقدیر کے
جی میں آتا ہے کہ بڑھکر میں ترا مُنھ چوم لوں کیا مزے تجھ سے کہوں ظالم تری تقریر کے

حسن بن کر وہ پریزا...

چھپ گئے چشم...

کیں کبھی آنکھیں...

طالب جام...

اپنی ہستی کو...

خندۂ گل بن... ہو... یں رہے

رہرو ملک عدم کو پھر نہیں ہوتی ... ان ... منزل ...

برہنہ پا ساتھ دے مجنوں کا کوہ و دشت میں — کہدو لیلی سے کہ چھپ چھپ کر نہ محمل میں رہے

محتسب کی آنکھ میں کھٹکے کبھی کانٹے کیطرح — پھول بنکر ہم کبھی ساقی کی محفل میں رہے

یاد آئے موت کی تلخی مجھے ہر ہر نفس — میٹھا میٹھا درد کچھ ایسا مرے دل میں رہے

رات دن گھیرے ہیں تمکو مہ جبینوں کے خیال
تم رہے خلوت میں بھی فرحتؔ تو محفل میں رہے

مرزا صابر حسین صاحب صابرؔ قزلباش خلف حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

جی بیاباں کی طرف جی نہیں گھبرانے کا — روح مجنوں سے گھر آباد ہے ویرانے کا

تشنہ لب دیر سے منہ تکتا ہے پیمانے کا — بول بالا رہے ساقی ترے میخانے کا

نور ہو لینے دے کم عشق کے دیوانے کا — ارے واعظ ابھی موقع نہیں سمجھانے کا

نگہ ناز کو لپکا ہے خدا خوش رکھے — رات دن خون کے آنسو مجھے رلوانے کا

روکے جاتے ہیں رہ دوست کے چلنے والے — وہی دشمن ہے جو ہمدرد ہے دیوانے کا

دل شکستہ نظر حسر ... ناک سمائیں — کوئی گاہک نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کا
تذکرہ قیس ... ں آپ۔ مگر — ایک عنوان سمجھ کر مرے افسانے کا
... آسان نہیں — سینہ صد چاک نظر آتا ہے ہر شانے کا
بے سبب ... ں صحرا کی طرف — کوئی دل کھینچ رہا ہے ترے دیوانے کا
دُں بھی ... سہ بختی میں — بندۂ عشق ہوں عادی ہوں میں غم کھانے کا
پردۂ شام ہے جا ... ں کے لیے — صبح ہوتے ہی پتا بھی نہیں پروانے کا
گردشِ چشم سے نکلا نہیں ... ب ساقی — آج تک مُنھ نظر آیا نہیں پیمانے کا
موسم گُل کی ہوائیں ہیں عجب آفت خیز — دل اُڑا جاتا ہے ہر عشق کے دیوانے کا
دلِ عاشق کے لیے آفت بے درماں ہے — تیر انداز وہ مُنھ پھیر کے سمجھانے کا
بادہ کش جمع ہیں آراستہ ہے بزمِ شراب — میری تقدیر سے دم بند ہے میخانے کا
اب کے ایسا مرضِ غم نے دیا ہے جھٹکا — مدتوں ہوش میں بیمار نہیں آنے کا
داغ دل قبر کی ظلمت میں ہے بے نور ایسا — جیسے دیکھا ہو چراغ آپ نے ویرانے کا
رازداں بزمِ خرابات کے ہیں بادہ پرست — بے پئے حال نہیں کھُلتا ہے میخانے کا
آتشِ عشق کے نیرنگ کوئی کیا جانے — شمع جلتی ہے کہ دل جلتا ہے پروانے کا

دلِ وارستہ کو تقدیر پہ چھوڑو صابر
جب نہ سمجھے وہ۔ تو کیا فائدہ سمجھانے کا

عبدالکریم صاحب نشتر چھپروی

ہے مرغ دل مرا یوں مضطرب چمن کے لیے — کہ جیسے قید میں تڑپے کوئی وطن کے لیے
نہ اس لیے بھی کہ ہر دم بھروں دلشکن باتیں — یہ مانا۔ ہم کو ملی ہے زباں سخن کے لیے
ہوئی وہ دھوم کسی بت کی خوشخرامی کی — کہ روز حشر نے بڑھ کر قدم چلن کے لیے
وہ اُن کا دے کے زباں مُنھ میں ناز سے کہنا — مری زبان بنی تھی اسی دہن کے لیے

جو نذر ہو گیا اس کی [illegible]

وہ بوسے چینِ جبیں [illegible]

وہ لے گئے دلِ [illegible]

مجھے یہ ڈر ہے کہیں [illegible]

الٰہی یادا منِ رحمت [illegible]

بہت مضطر رہا [illegible] [illegible] میں

مجھے پھر تشنگی کس چیز سے ہم تشنہ کاموں کی
نہیں جب آب ہی باقی ہے قاتل تیرے خنجر میں

ہزاروں اہل دل کا خوں کیا آئینہ رویوں نے
مگر مضمر تھا۔ راز جور ایجادِ سکندر میں

بہت پھڑکا۔ بہت تڑپا بہت لوٹا مگر آخر
شہیدِ ناز کو نیند۔ آ گئی آغوشِ خنجر میں

ابھی آئے۔ ذرا ٹھہرے۔ ابھی چلنے کی ٹھہرائی
اگر آئے تو وہ اس شان سے آئے مرے گھر میں

زبانِ شکوہ الفت نے پکڑ لی ورنہ اے ظالم
بپا کرتا قیامت دوسری میدان محشر میں

پڑا کیا آج سایہ ساقیِ مہوش کی آنکھوں کا
کبھی پہلے تو تم اتنے نہ بہکے ایک ساغر میں

نہیں رنجش ترے دلمیں یہ مانونگا نہ مانوں گا
نہیں دلمیں رکاوٹ گر تو کیوں ہے تیرے خنجر میں

نہیں کچھ قدر و قیمت زاہدانِ خشک میں تیری
کہاں جاتی ہے آ رحمت چھپا لوں دامنِ تر میں

زمیں سے آسماں تک اسکا جلوہ ہے ہر اک شے میں
اسی کی آب گوہر میں اسی کی تاب اختر میں

اسی کے نور سے یہ عالمِ افلاک روشن ہے
وہی ہے مہرِ انور میں وہی ماہِ منور میں

ترے نزدیک تو پھر ظلم کا بانی خدا ٹھیرا
تو کہتا ہے کہ لکھا تھا یہی میرے مقدر میں

...ہے ناداں۔ع ...ت کو دیتا ہے ہے اپنے فعل کا مختار انساں خیر میں شر میں
...ا ہے تو ناداں خدا اعمال پھر کیوں تولتا میزان محشر میں
...ت لمحہ میں ہزار آباد ہیں عالم مگر ذہن سخنور میں

ہو رشک بیجا ہم کو عیشِ غیر سے اظہر
قسمت میں نہیں اپنے مقدر میں

الرؤف صاحب شیفی (بھوپال)

...فتنہ زا تھا جسب ...ب جلاد تھا میرا ارمانِ شہادت مورد بیداد تھا
کر دیا برباد غم نے سالہا ...پر اچھوڑ کر جسکے دم سے خانۂ ویراں دلِ آباد تھا
ہو کے پابندِ قفس رنجِ اسیری مٹ گیا شوقِ آزادی میں ہر لحظہ غمِ صیاد تھا
مر گیا بیمارِ ہجراں ہچکیاں لے لے کے آج اے ستمگر قہر ہے یہ کوئی وقت یاد تھا
دہر نے ایسی منائی میرے مرنے کی خوشی عالمِ ارواح میں شور مبارکباد تھا
ایک آہِ ناتواں نے کر دیا زیر و زبر بے سہارے یہ زمیں تھی چرخ بے بنیاد تھا
عالمِ تکوین میں میں نے پڑھا جو درسِ عشق حشر میں پوچھا گیا تو خوب مجھکو یاد تھا
وقتِ آخر دیدۂ فانی نے جب ڈالی نظر نقطۂ موہوم دورِ عالمِ ایجاد تھا
ناتوانی سے خوشی میں میں نے کو شرکت نہ کی زخمِ دل میرا شریکِ خندۂ جلاد تھا

اپنوں سے بھی دوستی کی کیا کوئی رکھے امید
دشمنِ فرہاد شیفی تیشۂ فرہاد تھا

تصحیح اگست و ستمبر کے نمبروں میں حضرت مرزا ثاقب قزلباش کی غزلوں کے دو شعر سہواً غلط درج ہو گئے ہیں ناظرین بالترتیب صحت فرمالیں صحیح اشعار یہ ہیں:۔

ایک مقتولِ جفا دو ظلم کے قابل نہ تھا ورنہ دل کا مارنا آساں تھا مشکل نہ تھا
ہم تو مر مر کے سکھا یا کیے لیکن اب تک عشق کا حسن خود آرا کو چلن یاد نہیں

میں خوبصورت

جو تمام دنیا

وجسے بڑے بڑے نوابوں

کو آجکل بہت صابن

حکیم محمد یعقوب خاں ... سے تیار کیا جاتا ہے

کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ صرف سات روز مل کر نہانے سے گلاب کی پنکھڑی کے مانند خوبصورت اور مخمل کے مانند ملائم ہو جاتا ہے۔ خوشبو صابن کی اسقدر عمدہ اور تیز ہے کہ نہانے کے بعد پھر عطر و لونڈر ملنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ صابن چہرے کے تمام داغ دھبے۔ پھوڑے پھنسیاں چھائیاں مہاسے دور کر کے چہرے کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ شنجرف کی سی سرخی نظر آنے لگتی ہے قیمت معمولی ہے فی بکس تین ٹکیہ مع ایک فیشن ایبل صابن دانی صرف ایک روپیہ (عہ)

پری بہار ہیر آئل

یہ سر میں لگانے کا خوشبودار پری بہار ہیر آئل بالوں کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ یہ لمبے و خوبصورت بال عورتوں و مردوں کے حسن و جمال میں ترقی دیتے ہیں۔ روح خوش ہوتی ہے۔ بالوں میں نرمی سیاہی و چمک پیدا کر کے بالوں کو لمبا اور ریشم کی طرح ملائم کر دیتا ہے۔ فی شیشی ایک روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ

مالک دوا خانہ نور تن دہلی بازار فراش خانہ

حکمت کا نصیحت آموز
رسالہ امرت
فہرست ادویات
کیا اسطے ایک خاص
ایک بار ضرور آزمانا چاہیے
سہ ماہی بارہ آنے
بالکل ایک ہی
امرت دھارا

نومبر ۱۹۱۷ء

محرم و صفر ۱۳۳۶ھ

جلد ۲ — نمبر ۲

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم۔ اے قاری (علیگ) خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر محمد عباس حسین قاری — نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا — پرنٹر نواب علی

قیمت سالانہ ۳ — مقام اشاعت نیا گاؤں لکھنؤ — نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۵/

بیگمات کے پڑھنے کی دلچسپ کتابیں

معیشت و معاشرت:- جسمیں انتظام خانہ داری اور روزمرہ کے وہ اصول جو عورتوں کی صحت جسمانی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں بیان کیے گئے ہیں مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال قیمت حصہ اول و دوم ۱۲ر

سبیل الجنان:- ایمان۔ اسلام اور نماز روزہ زکوٰۃ حج پر حضور سرکار بیگم صاحبہ بھوپال کی نہایت عالمانہ تقریر قیمت ۸ر

تہذیب نسواں و تربیت الانسان امراض مخصوصہ نسواں کی طبی احتیاطیں خانہ داری کی ضروری اور کارآمد باتیں دیگر ضروری امور مولفہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ (بھوپال) قیمت غیر مجلد ایک روپیہ چھ آنہ مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ (۱۲؍ ۱ر)

تعلیم اصول خانہ داری:- قصے اور کہانیوں میں نہایت ضروری تعلیم مولفہ مفتی انوار الحق صاحب ایم اے قیمت ہر حصہ ۱۲ر

ہدایات تیمارداری:- ڈاکٹری اصول کے مطابق تیمارداری کے ضروری طریقے مندرج ہیں قیمت ۲ر مجلد ۵ر

تربیت الاطفال:- بچوں کی تربیت اخلاق کے اصول جو والدین کو کار بند ہونا چاہیے صفحات ۱۴۷ قیمت ۸ر مجلد ۱۲ر

بچوں کی پرورش:- بچوں کے متعلق اصول حفظان صحت کی واقفیت اور خطرات کی اطلاع ۸ر

عقیلہ بیگم:- ایک کفایت شعار تعلیم یافتہ باشعور بیگم کے تغیر ایک شاہی سلطنت کا برباد ہونا اور اسی کے انتظام کی بدولت [illegible] کا ملک التجارین جانا عجیب دلچسپ قصہ قیمت ۳ر

[illegible] بیٹیاں:- تعلیم کی ضرورت کا اظہار ناٹک کے پیرایہ میں غافل والدین [illegible] تازیانہ عبرت قیمت ۳ر

[illegible] بیبیاں:- دنیا کی مختلف اقوام و ممالک کی شریف عورتوں کی مختصر سوانح عمری قیمت ۵ر

گھر کا رفیق:- انتظام خانہ داری کے لیے مفید کتاب ہے۔ ۴ر

کتاب النسواں:- مستورات ہند کے لیے مکمل کتاب قیمت ۸ر

[illegible] نسبت:- نتیجہ خیز دردانگیز قصہ اپنی کم عمر اولاد کو ضرور پڑھوائیے قیمت بارہ آنہ (۱۲ر)

علمی ادبی اور تاریخی کتابوں کا ذخیرہ

رموز فطرت:- علم طبیعات۔ علم طبقات الارض جغرافیہ طبیعی اور ثوابت و سیارہ کے ابتدائی اور بنیادی اصول کی تشریح - ۸ر

انسان:- انسان کی تشریح علمی رنگ میں مگر نہایت آسان طور پر کہ بچے اور لڑکیاں بھی سمجھ سکیں قیمت - ۸ر

گنج شائیگاں:- قدیم شاہان ایران سے لیکر اسوقت تک کی دنیا کی تمام سلطنتوں ریاستوں وغیرہ کے سونے چاندی کے سکوں کے دونوں رخوں تصویریں مع حالات وزن وغیرہ ۸ر

رہنمائے تعلیم:- کے اصناف اور بہترین طریق تدریس نئی خوبی اور جدت سے بحث کی گئی ہے طلبا علم کے لیے نئی تحقیقات یہ کتاب رہنمائے تعلیم کا کام دیتی ہے قیمت ۴ر

تاریخ مسجد الحرام:- قیمت ۸ر

حیات حافظ:- جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور انکی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے کاغذ ولایتی چھپائی اعلیٰ ۸ر

جنگ روس و جاپان:- روس و جاپان کی گذشتہ ہولناک جنگ کے حالات قیمت ہر دو حصہ ۱۲ر

سیر یورپ:- ہر ہائینس نازلی رفیعہ سلطان نواب بیگم صاحبہ ریاست جنجیرہ کے سفر یورپ کا روزنامچہ جسمیں تمام واقعات کو خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا ہے ۲۴ عکسی تصاویر شامل ہیں کاغذ چھپائی نہایت اعلیٰ صفحات ۲۰۰ قسم اول ۸ر قسم دوم ۸ر

نیرنگ فرنگ:- فرانس کے انقلاب کی مفصل اور نہایت دلچسپ و سبق آموز داستان قیمت ۸ر

محاصرہ درۂ دانیال:- درۂ دانیال کی مکمل تاریخ موجودہ جنگ کے معرکہائے درۂ دانیال کی پوری حالت اور انگریزوں کی واپسی و ناکامی کے واقعات نہایت خوبی اور تفصیل سے دکھائے ہیں قیمت مجلد ۱۲ر غیر مجلد ۱۰ر

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

علمی۔ ادبی اور تاریخی کتب کا قابل قدر ذخیرہ

حیاۃ النذیر: شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایل ایل ڈی دہلوی کی زندگی کے مفصل حالات قیمت ہے۔ مجلد ... ۲ر

تاریخ مذاہب: ۔ اس کتاب میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اسوریہ مصر و چین اور دیگر اقوام و ممالک کے مذہب کی تاریخ درج ہے قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

اخلاق محمدی: ۔ اس کتاب میں طرز معاشرت آداب مجالس اخلاق کسب معاش ہمت و استقلال ہمدردی حقوق باہمی وغیرہ تمام صفات حسنہ کے متعلق آیات و حدیث جمع کرکے مع اصل و ترجمہ کے طبع کی گئی ہیں علم اخلاق میں اس طرز کی کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی مسلمانوں کے لیے اسکا مطالعہ مفید ہے قیمت ۱ر مجلد ... ۱۲ر

المدنیۃ والاسلام: ۔ یہ کتاب ایک زبردست مصری فاضل محمد فرید وجدی کی تصنیف ہے مغربی تعلیم اور مغربی علوم و فنون کی بدولت جو شکوک اور شبہات مذہب کی طرف سے پیدا ہو رہے ہیں اور الحاد و دہریت کا جو سیلاب مغرب کی طرف سے چلا آرہا ہے اسکے استیصال کے لیے یہ کتاب آب حیات سے کم نہیں ہے قیمت ... ۱۲ر

حکمت عملی: فلسفہ عملی پر بسوط اور جامع کتاب ہے جس میں افراد انسانی کی روحانی و اخلاقی ارتقا کی تدابیر کے ساتھ قومی ترقی و عظمت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کیے ہیں عورتوں کی تعلیم و حقوق کی بحث کا ذکر بھی موقع بموقع کیا ہے عبارت دلچسپ کاغذ چھپائی اعلیٰ قیمت ۱۲ر

آثار خیر: ۔ ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخی عمارتیں یعنی مدرسوں کتب خانوں شفاخانوں سڑکوں سراؤں۔ نہروں وغیرہ کے حالات کے علاوہ مسلمان بادشاہوں کی علمی فیاضیوں کے حالات بھی درج ہیں قیمت ... ۸ر

خیالات ممتازہ: جس میں اہل ہند کا مذہب اور اسکی حقیقت بودھ مذہب کے بانی کا حال مسیحی اور یہودیوں اور آتش پرستوں کے اصول اور انکی اشاعت تثلیث کا ذکر دہریوں کے خیالات توحید اور رسالت و فطرت کے مقابلہ کا بیان اور پاک اسلام اور اسکے بانی کا تذکرہ اور دنیا میں کسقدر مذہب شائع ہیں اسلام کس مذہب کے موافق اور کس کا مخالف ہے مذہب کیا چیز ہے اور دنیا کو اس سے کیا فائدہ ہے قابل دید کتاب ہے قیمت ۸ر

حقائق الاسلام: ۔ اسلام کے عقائد و ارکان پر جتنے شکوک فی زمانہ وارد کیے جاتے ہیں ان سب کا نہایت معقول و مدلل جواب عقائد اسلامیہ کو قلب میں راسخ اور ایمان کو مستحکم بنانے والی کتاب ہے مولفہ مفتی انوار الحق صاحب ایم۔ اے مولوی فاضل قیمت ... ۱۲ر

مسلمان عورتوں کی بہادری: یعنی اسلامی تمدن کے مبارک عہد میں جن مسلمان عورتوں نے پالیٹکس میں حصہ لیا ہے اور دنیا کے اوپر اپنا سیاسی شجاعت اور قومی ہمدردی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں ان کے مفصل واقعات اور سوانح قیمت ... ۲ر

تہذیب الاسلام: جسمیں فلسفہ پید[illegible]

کی تحقیقات موجودہ سائنس جدید کے انکشافات کو اسلام کے مسائل حقیقیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے قیمت ... ۸ر

چمنستان عرب غنچۂ حج: ۔ قرآن شریف احادیث اور تاریخ سے جمع کرکے معظمہ کعبہ مقدسہ مدینہ منورہ اور عرب کے تاریخی جغرافیائی حالات اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج کیے گئے ہیں ادعیہ حج بھی کتاب میں درج ہیں قیمت .. ۱۲ر

اتالیق بی بی: جس میں شوہروں عورتوں کی بے معنی نکتہ چینی اور بیجا شکایات کا بہت سچا نقشہ دکھایا گیا ہے قیمت

جذبات بھاشا: ۔ بھاشا کے کلام قدرتی مناظر کی تصویر کھینچنا ایکے آئین کا کرتب ہے خودداری۔ حیا۔ غیرت۔ حسن۔ محبت۔ وہ جذبات ہیں جنپر بھاشائی شاعر کا ستون کھڑا ہے سادی آسمان تشبیہات دلوں میں چٹکیاں لیتی ہیں۔ جذبات بھاشا ملک کے قابل انشا پرداز حضرت نیاز فتحپوری نے ان دوہوں کے معنی بیان کیے ہیں قیمت مجلد ۱۲ر علاوہ محصول۔

مشاہیر مشائخ ہند: خاندان عالیہ چشتیہ سہروردیہ کے بعض مشہور مشائخ کا مقدس تذکرہ ۸ر

انتخاب تروج: دہلی کے ایک مشہور شاعر کے دیوان سے [illegible] کا انتخاب [illegible] [illegible] کیا گیا ہے جس کو [illegible] [illegible] [illegible] کی [illegible] کر حاصل کر لیا جائے قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ تمدن نخاس لکھنؤ

قیمت میں خاص رعایت

بتقریب سالانہ جلسہ [illegible] لاہور

ذیل میں صرف چند ادویات کے نام نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔ دیگر ادویات کی قیمت میں بھی ۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۱۷ء تک چار آنہ فی روپیہ کی رعایت ملے گی۔ مفصل "رعایتی فہرست" کارڈ لکھ کر منگالیں

رعایتی قیمت	اصلی قیمت	مقدار پیکیٹ	مختصر فوائد	نام دوائی
[illegible]	[illegible]	ایکماشہ	از کار رفتہ مریضوں کے لئے جیون بوٹی۔ امرا کے لئے نادر تحفہ جسم میں بجلی بھر دیتا ہے۔	۱ سیہ تنکو تہوج
[illegible]	[illegible]		شرطی دوا۔ ایک بکس سے آرام نہ آئے تو اور دوا مفت دیجاتی ہے	۲ دوائے ناقوری
[illegible]	[illegible]	۴۰ گولی	جریان اور احتلام کے لئے اکسیر بے نظیر۔ ایک دفعہ ضرور تجربہ کرو	۳ چندر کلا رس
۱۲ر	[illegible]	۱۲ تولہ	عورتوں کے مرض لیکوریا کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ ہزاروں عورتیں از سر نو زندگی حاصل کر چکی ہیں۔	۴ سپاری پاک
[illegible]	[illegible]	۱۵ تولہ	قلت حیض اور رحم کی عصبی خرابی کو دور کر کے عورتوں کو اولاد نرینہ پیدا کرنے کے قابل بناتا ہے۔	۵ پشپ دھنوا براش
[illegible]	[illegible]	۴۰ گولی	مشہور کیمیا صفت چیز ہے۔ اعضائے رئیسہ کو طاقت دیکر دنوں میں کایا پلٹ دیتی ہے۔	۶ منوہر سائن
۹ر	۱۲ر	۴ اونس	بہترین اور ارزاں ترین مصفی خون دوائی۔ خون کی ہر قسم کی خرابی کو رفع کرتی ہے۔	۷ آیورویدک سارساپریلا
[illegible]	[illegible]	۲۵ تولہ	پرانی کھانسی کا بہترین علاج جسمانی کمزوری کو بھی دور کر دیتا ہے	۸ چولستیا پراش
[illegible]	[illegible]	۴ ڈرام	سوزاک کا سریع الاثر علاج۔ قرحے اور ریپ کے آنے کو دنوں میں دور کرتا ہے۔	۹ سوزاک تیل
[illegible]	[illegible]	۷ رتی	آتشک خواہ کسی قسم کا ہو۔ دنوں میں دور کر کے اسکے زہر کو بے اثر کر دیتا ہے	۱۰ جیون آتشک
[illegible]	[illegible]	۲۰ تولہ	عرق او ادی [illegible] قسم کی بواسیر کیلئے ہزاروں دفعہ کا آزمودہ علاج	[illegible]

کارخانہ آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمیٹڈ گمٹی بازار لاہور۔ پتہ تار کا۔ رسائن لاہور

میرا و تیرا

بشنوید اے دوستاں این داستاں
خود حقیقت نقد حال ما است آں

جس طرح بعض زندہ ہستیوں کی ایک خاص طاقت اور خاص شہرت ہوتی ہے اسی طرح بعض الفاظ اور بعض فقرات میں بھی بمقابلہ بعض الفاظ اور بعض فقرات کے ایک خاص طاقت اور اثر ہوتا ہے بعض وقت ایک لفظ ہی بمقابلہ چند الفاظ اور چند فقرات کے وہ اثر اور وہ خصوصیت رکھتا ہے کہ بعض چند الفاظ اور چند فقرات میں ایسا اثر اور ایسی خصوصیت نہیں ہوتی بعض وقت بعض فقرات اور بعض اشعار یا رود کا کام دے جاتے ہیں اُن کے اطلاق سے دلوں میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ اُن کا مُنھ سے نکلنا ایک جادو کا اثر رکھتا ہے ایسے الفاظ اور ایسے فقرات ایک لہر کی طرح دل و دماغ میں دوڑ جاتے ہیں دل و دماغ ہی متاثر نہیں ہوتے تمام جوارح اور بشرہ بھی یہ شہادت دیتا ہے کہ اُن کا اثر باطن سے نکلکر ظاہر میں بھی وجود پذیر ہو رہا ہے۔

معنی الفاظ در دل جا کند　　　چرخ خضرا خاک را اخضر کند

کبھی کبھی ایک لفظ ہی ساری محفل میں ایک کھلبلی ڈال دیتا ہے اور مجلس کی مجلس

ششدر ہو جاتی ہے اور بعض وقت اسی طرح ایک ہی لفظ یا ایک ہی فقرہ ایک برافروختہ محفل کی تسکین اور طمانیت کا موجب ہو جاتا ہے اور وہ طبیعتیں جو آگ کی طرح شعلہ زن تھیں بالکل سرد پڑ جاتی ہیں بعض شعرا کی نظمیں اور اشعار دونوں قسم کے اثر رکھتے ہیں یا یہ کہ اُن میں دونوں قسم کی طاقتیں ہوتی ہیں کہنے کو وہ چند الفاظ یا چند فقرات ہی ہوتے ہیں لیکن اُن میں اس غضب کا زور اور اثر ہوتا ہے کہ مردہ طبیعتیں بھی سن کر اپنے آپ سے باہر ہو جاتی ہیں دنیا میں اس قسم کے واقعات ہمارے ارد گرد ایک ہی نہیں صدہا گذرتے ہیں بعض وقت ایک ہی لفظ اور فقرہ کے اطلاق سے کشت وخون تک اور بعض الفاظ اور بعض فقرات کے اطلاق سے صدہا قسم کی برکات اور داد و دہش کی نوبت پہنچ جاتی ہے اگرچہ کوئی اور یقین نہ کرے مگر جو لوگ یقین کرتے ہیں اُن کے نزدیک بعض افسوں اور منتر جنتر ایسا اثر اور ایسا زور رکھتے ہیں کہ گویا ایک بڑی طاقت کام کر رہی ہے۔

گرد فارس گرد سرافراشتہ گرد را تو مرد حق پنداشتہ

مندرجۂ عنوان الفاظ (میرا، تیرا) دو ایسے لفظ ہیں کہ جو ہماری دنیا کی جان یا نچوڑ ہیں یا یہ کہ ہماری کائنات خصوصاً انسانی کائنات کی ابجد اور قاعدہ کے یہ دونوں راس الحروف یا راس الالفاظ ہیں یا یہ کہ ہماری انسانی منڈی کی رونق زیب وزینت ان ہی دونوں کی بدولت ہے اور یہی ہماری تمدنی زیب وزینت کا طرہ اور بالفاظ دیگر یہی دو الفاظ دنیا کی تمام خرابیوں ذلتوں اور اُلجھنوں کا بھی موجب ہیں اگر یہ نہ ہوں تو یہ دنیا اپنی نیند جاگ اُٹھے اور اپنی نیند سوئے یہ ان ہی کی مہربانی ہے کہ حضرت انسان صبح سے لے کر شام تک دنیا بھر کے بکھیڑوں اور اُلجھنوں میں گرفتار اور مقید رہتا ہے ان ہی دو آفتوں کی بدولت ہم دولت امن اور دولت آسائش سے محروم رہتے ہیں اور رات دن ہماری جان پر بنی رہتی ہے۔

ایں ہمہ آوردۂ من و تو است

ذرا کان کھول کر اور آنکھیں چار کر کے سنو اور دیکھو یہ سب امن وامان کہ بکھیڑے سے

جھگڑے جنگ و جدال۔ رونق و بے رونقی مال واموال۔ آل واولاد غرضکہ میں ہیں سب انہی دو لفظوں کے کھیل ہیں اگر دنیا میں کوئی آرام ہے تو ان کی بدولت اور اگر کوئی تکلیف ہے تو ان ہی کی بدولت۔

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب
زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

اگر دنیا کے مختلف اور چھوٹی کے جھگڑوں اور مناقشوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست بنائی جائے تو اس کا ماحصل یہی دو لفظ۔

میں اور تیرا

نکلیں گے۔ ایک طرف اگر یہ آرام وہ اطمینان بخش ہوں گے تو دوسری طرف فساد کی جڑ۔

مفلساں گر خوش شوند از زر قلب
لیک آن رسوا شود در دار ضرب

ذرا کسی چھوٹی بڑی عدالت میں جاکر دیکھو کہ ۱۰ بجے سے لے کر شام کے ۴ بجے تک کیا کچھ ہوتا ہے ذرا کان دھر کر سنو گے تو اسی میرا۔ تیرا۔ میں اور تو کا زمزمہ سنائی دے گا ایک طرف حاکم اور دوسری طرف مدعی مدعا علیہ اور ان کے فاضل وکیل صاحبان اسی ورد میں لگے ہوں گے صدہا دفتروں میں اسی میرا۔ تیرا۔ میں اور تو کا قصہ لکھا ہوگا۔ ایک دن نہیں دو دن نہیں مہینوں کیا سالوں اسی بحث میں گذر جاتے ہیں ایک غریب کے کنبہ اور جھونپڑے میں بھی اسی کا شور و شر ہوگا اور ایک بادشاہ کے محل میں بھی اسی کی پرستش ہوتی ہوگی ایک پاک خیال کا بھی یہی ورد ہوگا اور ایک ناپاک کا بھی یہی وظیفہ ہوگا تمہیں کوئی مکان اور کوئی منزل بھی اس سے خالی نظر نہ آئے گی ہر گلی و کوچہ میں یہی آواز سنائی دے گی اور ہر آدمی کے منہ سے تم یہی سنو گے

از ہر دہانے ایں صدا بس بشنوی

ان دو لفظوں کی بابت ذرا فلاسفروں اور مورخوں کی بھی خوش کن رائیں کبھی سنی ہیں وہ کچھ اور ہی الاپتے ہیں بعض کی یہ رائے یا یہ خیال ہے کہ

(بہ "میں میں" "تو تو" یا "میرا اور تیرا")

ہماری ابتدائی دُنیا میں یا ہمارے اسلاف میں یا تو تھا ہی نہیں اور یا اس رنگ میں نہیں تھا جوں جوں تہذیب ترقی کرتی گئی ووں ووں یہ راگ بھی ترقی پذیر ہوتا گیا ایسے محققین کہتے ہیں کہ اگر ہم کچھ صدیاں ہی نہیں بلکہ ہزاروں سال بھی پیچھے ہٹ جاویں گے تو ہمیں پتہ لگتا جائے گا کہ اسوقت یہ "میں میں" "تو تو" یا "میرا اور تیرا" کوئی قیمت ہی نہیں رکھتا تھا دنیا میں جو کچھ تھا سب کچھ مشترکہ ہی تھا دکسی کو کوئی دعوے تھا اور نہ کوئی عذر۔ زندگی ان موجودہ پیچیدگیوں میں گرفتار نہیں تھی محض ایک سادگی سے گذرتی تھی۔

یہ پابندیاں جو اس زمانہ میں باوجود اس تہذیب اور دعوائے شائستگی کے ہرطرف سے گلوگیر ہیں نتیجہ ہے اُس غیرت اور اُس حمیّت کا جو ایک فرضی ضابطہ کے تحت انسانی جماعتوں میں رفتہ رفتہ ترقی پذیر ہوئی ہے جب یہ غیرت اور حمیت یا بیچ نہیں تھی اُس وقت یہ میرا اور تیرا بھی نہیں تھا بعض اقوام کی پرانی روایات اسپر شاہد ہیں کہ شروع شروع میں عورات کی نسبت اس قدر غیرت نہیں تھی ایک ایک عورت کا کئی ایک آدمیوں کے ساتھ شادی کرلینا کچھ بُرائی نہ تھی یا ایک کی عورت سے کسی غیر شخص کا تعلق رکھنا ناجائز نہیں سمجھا جاتا تھا اسی طرح اور باتوں اور امور کی نسبت بھی اسقدر تنگی اور بکھیڑا نہیں تھا۔

یورپ کے بعض عالموں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ اُن کی ایسی رائیں بالکل صحیح ہیں [illegible] طرح بعض حکمائے یورپ کی ان۔ ایات پہ بعض لوگ یقین کرتے ہیں کہ انسان واقعی بندر یا کسی اور جانور کی ایک اصلاحی صورت ہے لیکن اگر ہم صرف [illegible] [illegible] نہیں ہیں تو ہمیں ایسی روایات پر جرح قدح کرنے کی ممانعت [illegible] [illegible] قسم کی بعض روایات کی مزید تنقید کیا جائے۔

یہ کہنا کہ [illegible] [illegible] [illegible] بعد میں نشوونما پاتا گیا ہے۔ انسان کا [illegible] [illegible] [illegible] ایک غلط خیال یا ایک غلط استدلال ہے۔

میری رائے میں "میں میں" "تو تو" اور "میرا و تیرا" ایسے الفاظ ہیں کہ ان کی بنیاد خود انسان کی

طبیعت یا سرشت میں ہی رکھی گئی ہے اگرچہ بعد میں ان کی تشریحات اور تفصیلات چند خارجی
رجحانات کے بھی تابع کر دی گئی ہیں۔ مگر ان کی اصل خود انسان کی اپنی طبیعت ہی ہے۔
جس طرح ہر شخص ایک جداگانہ تشخص رکھتا ہے اسی طرح اُس کی مَیں اور میرا بھی جداگانہ ہی
ہستی رکھتے ہیں جس طرح ہر شخص خود کو دوسروں سے جدا سمجھتا ہے اسی طرح ہر شخص اپنی
مَیں اور اپنے میرے کو بھی جداگانہ ہی رکھتا ہے اور ہر شخص کی سرشت اور فطرت میں اللہ
کریم نے مَیں اور میرا کا ولولہ ڈال رکھا ہے انسان طبعاً ہی تمیز کرتا ہے کہ

یہ مَیں ہوں وہ فلاں ہے یہ میرا ہے اور وہ اُس کا ہے مَیں مَیں ہوں اور تُو تُو ہے

وہ وہ ہے پر وہ مَیں نہیں ہوں یہ میرا ہے اور نہ تیرا ہے یا وہ میرا ہے اور وہ اس کا ہے
دیکھو ایک نوزائیدہ بچے کے سامنے جب کوئی شے رکھی جاتی ہے یا اُس کے ہاتھ میں پکڑا
دی جاتی ہے تو وہ اُسکو اپنی سمجھتا ہے اور جب کوئی دوسرا بچہ اُسے ہاتھ لگاتا ہے تو پہلا
بچہ بُرا مانتا ہے اگر دوسرا بچہ اُس شے کو ہاتھ لگاتا ہے تو پہلا بچہ اُس سے بزور اور غصہ
چھینتا ہے روتا ہے چلاتا ہے حالانکہ وہ اُس شے کی قیمت اور ضرورت سے قطعی ناواقف
ہوتا ہے جب کوئی دوسرا بچہ کسی بچے کی ماں کا دودھ پینے لگے تو عموماً وہ بُرا مانتا ہے
جب کوئی اُسکی ماں کو مارے تو وہ ایک غصہ میں آتا ہے اور چلاتا ہے۔ دو بچوں کو
اندھیرے میں چھوڑ دو۔ وہ دونوں اپنی ماؤں کی آوازیں پہچان کر اُن ہی کی طرف
جائیں گے۔ یہ شعور اور حس صرف انسانی بچوں میں ہی نہیں ہوتی جانوروں میں
بھی ایسا شعور پایا جاتا ہے اور جانوروں کے بچے بھی ایسا شعور رکھتے ہیں جب کوئی
دوسرا جانور اُس کا دانہ چھیننے لگتا ہے تو وہ مزاحم ہوتا ہے اور اس تصرف کو تصرف بیجا
سمجھتا ہے۔ اگر کوئی جانور کسی دوسرے جانور کے گھونسلے میں چلا جائے تو گھونسلے والا جانور
اُس کے پر نوچنے پر تیار ہو جاتا ہے اسی طرح دوسرے چرند اور درند بھی کرتے ہیں ایک
کُتا کھاتا ہو تو دوسرا کُتا جب اُس کے قریب سے گذرتا ہے تو وہ جان کا بار ہو جاتا ہے
بیشک بعض جانور ایسے بھی ہیں کہ انسانوں کی طرح ایک دوسرے سے ایک طور سے میل
آتے ہیں مگر باوجود اسکے بھی اُن کی مَیں اور میرا اور تیرا ویسا نہیں ہوتا جیسا دیگر حیوانات میں

بھی یہ بات پائی جاتی ہے تو پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی طبائع میں میں اور میرا و تیرا کا ولولہ نہیں تھا اور یہ رفتہ رفتہ اور بہت پیچھے پیدا ہوا ہے۔

اگر ہم یہ مان لیں تو اُس میں قدرت کی چال اور ضابطہ پر بھی حرف آتا ہے جب قدرت نے ہمارا تشخص جدا جدا رکھا ہے تو اُس کا یہ اثر لازمی ہے کہ ہم میں۔ میرا اور تیرا سے متصف ہوں اور یہ میں اور میرا و تیرا ہماری طبائع ہی کا ایک خاصہ یا ہماری سرشت کا ایک لازمہ ہو۔ دیکھو ہر شخص کی میں جدا ہے۔

ہر شخص کہتا ہے کہ میں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں میں یہ پسند کرتا ہوں یا پسند نہیں کرتا جب ہر شخص کی میں جداگانہ ہے تو میں ہی کا اثر میرا ہے اور میرا کے مقابلہ میں تیرا ہے دونوں لازم ملزوم ہیں جہاں میرا ہے وہاں کسی دوسرے رنگ میں تیرا بھی ہے اور جہاں تیرا ہے وہاں میرا بھی ہے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ میرا ہے تو اس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا کہ میں اسے چاہتا ہوں یا یہ کہ میری (میں) اس کی حامی یا اس کی خواہاں ہے اور جب کسی کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ہے تو بالفاظ دیگر اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ میری (میں) تو اس کی داعی اور حامی نہیں تیری میں اس کی مدعی اور خواہاں ہوگی۔

یہ کہنا کہ رفتہ رفتہ انسانی جماعتوں میں میرا اور تیرا شروع ہوا ہے ایک غلطی ہے اور اس کے متعلق جس قدر روایات اور شہادتیں پیش اور بیان کی جاتی ہیں اُن سب کا مطلب اور مفہوم ایک مبالغہ سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ جب جانوروں اور لاعقل حیوانات میں اپنے اپنے رنگ میں اس میں۔ تو یا میرا اور تیرا کا وجود پایا جاتا ہے تو انسانی طبائع میں بدرجۂ اولی اس کی ضرورت ثابت ہے۔

یہ کہنا کہ بعض زمانوں میں عورت کی بابت اس قدر غیرت نہیں پائی جاتی تھی جس قدر اب پائی جاتی ہے یہ ایک کمزور نما دلیل اور فریب دہ تصریح ہے کہ یہ بات شروع ہی سے چلی آئی ہے اگر بعض ملکوں میں ایک عورت کے دو تین مرد خاوند رہے ہیں تو اُس سے اُس انسانی تمیز کا ازالہ نہیں ہو سکتا ہے جو قدرت نے اُس کی طبیعت میں رکھ چھوڑا ہے

اب دنیا میں ہر ایک قوم میں چور اور رہزن بھی پائے جاتے ہیں کیا اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خدانخواستہ انسان فطرتاً ہی چوری اور رہزنی کا حامی ہے بعض وقت بعض غلطیاں اور فروگذاشتیں چند مقامی سقموں کے تحت سرزد ہوتی ہیں اُنھیں ایک فطرتی قانون نہیں بنایا جا سکتا اگر پہلی بات درست ہے تو پھر یہ بھی کہا جائے گا کہ انسان شروع میں تمام گناہوں کا عادی تھا لیکن رفتہ قوانین اور سوسائٹی کے ڈر کی وجہ سے وہ ان کی بُرائی سے آگاہ ہوا ہے یا یہ کہ انسان فطرتاً گناہ کا حامی ہے حقوق کا مسئلہ انسان کی طبیعت ہی کا خاصہ نہیں ہے بلکہ دیگر حیوانات کی طبیعت کا بھی خاصہ ہے نہ صرف حیوانات کا ہی بلکہ نباتات اور جمادات میں بھی بہ مختلف صور یہ خاصہ ایک حد تک پایا جاتا ہے۔ دیکھو جب ہم ایک بڑے درخت یا بڑے تنے کے نیچے زراعت یا گلزار یا کوئی چھوٹے قد کا درخت بوتے ہیں تو وہ ایک آزادی سے سرسبز نہیں ہوتا اس سے یہ ثابت ہے کہ ہر پودہ اور ہر درخت دوسرے کے مقابلہ میں اپنا حق فائق جانتا ہے ذرا غور سے دیکھو گے تو تمھیں پتہ لگ جائے گا کہ قدرت نے ہر شے کو یک تشخص بخش رکھا ہے اور اس تشخص کی بدولت ہر شے اپنی ہستی قائم رکھنے پر مختلف اہیل راغب رہتی ہے۔ مسئلہ تنازع للبقاء یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو اس مبحث پر کافی روشنی ڈال سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں تنازع للبقاء کا مطلب یہی میں۔ تو اور میرا تیرا ہی ہے۔ جب ایک ہستی یہ چاہتی ہے کہ میں کسی دوسری ہستی کے مقابلہ میں قائم اور ثابت رہوں تو بالفاظ دیگر اس کا یہی مطلب نہ ہوتا ہے کہ میں اور وہ قائم رہے یعنی جو میرا ہے وہ مجھے ملے اور جو کسی اور کا ہے وہ اُسے ملے جہاں میرا اور تیرا آئے گا وہیں دوسرے الفاظ میں تنازع للبقاء کی بحث چھڑ جائے گی۔

ہر ہستی کی مقدم غرض یہ ہے کہ

وہ قائم رہے یعنی میرا یا میرا حق قائم رہے۔

سب سے پہلے میں یا میرا کی بحث چھڑتی ہے جب اس کا فیصلہ ہو لیتا ہے تو پھر تیرا

یا توکی نوبت آتی ہے اگرچہ اس میں۔ تو اور میرا تیرا کی بدولت دنیا میں بہت کچھ خلفشار اور فتنہ و فساد نشو و نما پا رہے ہیں اور دنیا کے معاملات کا یہ فی صدی ۷۵ حصہ ہے لیکن اگر چشم بصیرت سے دیکھوگے تو ساتھ ہی یہ بھی پاؤگے کہ اسی کی بدولت دنیا کی یہ رونق اور سرسبزی بھی ہے دنیا کے بڑے اہم مسائل میں سے حقوق کا مسئلہ ہے اور حقوق کی تقسیم اور تفصیل اسی میرا اور تیرا پر جاکر ختم ہوتی ہے جہاں میں۔ تو اور میرا و تیرا نہیں ہے یا جہاں ان الفاظ کا دور ختم ہو جاتا ہے وہاں دین و دنیا کا کارخانہ ہی ختم ہو جاتا ہے دیکھو جب انسان اس دنیا سے گذر جاتا ہے تو ابھی اُس کی نعش چار دیواری کے اندر ہی پڑی ہوتی ہے کہ اُسکا دور وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس واسطے کہ اُسکی میں اور میرا کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اُنکی جگہ کوئی اور شخص لے لیتا ہے۔

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت منزل بہ دیگرے پرداخت

جب تک میں اور میرا رہتا ہے تب تک تو تیرا اور تو بھی زیر بحث رہتا ہے لیکن جب میں اور میرا نکل جاتا ہے تو ایک خاص شخص کے مقابلہ میں تیرا اور تو بھی نہیں رہتا اُس کا بھی مقابلتاً خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اب اگر ہم یوں کہیں کہ درحقیقت یہ دنیا یا اس دنیا کا کارخانہ اس دنیا میں۔ تو اور میرا و تیرا ہی کا دوسرا نام یا عکس ہے تو شاید یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا بعض فقیر منش کہا کرتے ہیں میاں میں مار وگے تو دل کا تزکیہ ہوگا وہ سچ کہتے ہیں یہ میں ہی سب شرارتوں سب تکلیفات سب عداوتوں سب بکھیڑوں اور سب جھگڑوں کی موجب ہے اور دوسری طرف یہی یہ دنیا کی ہر ایک قسم کی ترقی اور رونق کا مدار بھی ہے اگر یہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں مار کر انسان ریاضت میں پورا اُترتا ہے میں کہتا ہوں میں کو ثابت اور قائم کرکے ہی انسان انسان ہوتا ہے میں ایک تشخص ہے اور ہر تشخص قدرت کی جانب سے ہے اور جب تک ہر شخص باعتبار ایک شخص کے اتقا اور سیرت صحیحہ کی صورت میں اپنا تشخص قائم اور ثابت نہیں رکھ سکتا تب تک وہ صحیح بھی نہیں اُتر سکتا اور یہ اُسی

صورت میں ہو سکتا ہے کہ

جب مَیں کو بحیثیت ایک صحیح العزم اور صحیح الغرض مَیں کے فطرتی مراتب پر ثابت اور قائم رکھا جائے۔ غلط طور پر مَیں کو مار دینا ایک خودکشی ہے اور خودکشی مذہب اور عقل میں حرام یا ایک بڑا گناہ ہے کیونکہ کوئی شخص ناجائز اسباب کے تحت اپنی جان لینے کا حق نہیں رکھتا جان لینا صرف خدا ہی کا حق ہے کیونکہ وہی اس کا خالق بھی ہے۔ جب کوئی مذہب یا کسی مذہب کے صوفیائے عظام یہ کہتے ہیں کہ مَیں کو مار دو تو اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ مَیں کو مار دو بلکہ یہ کہ مَیں کی آلودگیاں دور کر کے اُسے ایک صحیح اور اصلی مرکز پر قائم کرو۔ خودداری نہ چھوڑو۔ خودداری دونوں جہان میں کام کی شے ہے۔

اسلام میں کہا گیا ہے۔

لا رہبانیۃ فی الاسلام

اُس کا یہی منشا ہے کہ اس مَیں کو ایک ناجائز طریق سے نہ ہلاک کرو اسے باقی رکھکر اس کا تزکیہ کرو ایک شخص خودکشی کر کے یہ نہیں حق رکھتا کہ اُسے نیک محتاط اور مرتاض کہا جائے بہادری اور شجاعت تو یہ تھی کہ وہ خود کو زندہ رکھکر بھی نقبوحات دنیا سے آزاد رکھتا یا اُن کا ایک صحیح طریقہ سے مقابلہ کرتا۔ مگر تو ہر شخص نقبوحات دنیوی اور رذائل زندگی سے رہائی پا سکتا ہے۔ فافہم

سلطان احمد

انگلستان کے فلاسفر ہربرٹ اسپنسر کا قول ہے۔ کہ ابتدائے آفرینش میں جو چیزیں انسان نے ایجاد کیں۔ وہ محض ضرورت کی خاطر تھیں۔ مگر چونکہ حضرت انسان بالطبع حسن پرست ہیں رفتہ رفتہ ہر ایک شے کو موزوں اور خوب صورت بنانے کی کوشش ہونے لگی۔ حتیٰ کہ باورچی خانہ کے برتنوں سے لے کر بدن کے لباس تک اور مکان کے فرنیچر سے لے کر گورستان کی قبروں تک کوئی شے ایسی نہیں ہے جہاں فیشن کا خیال سب سے پہلے ملحوظ نہ کیا جاتا ہو۔

فیشن ایک اندھی تقلید کا نام ہے جس پر عموماً بلا لحاظ اس امر کے کہ اس کی موزونیت پر غور کیا جائے۔ عملدرآمد ہوتا ہے فیشن کی بدولت صدہا بیماریاں ہزارہا مصیبتیں۔ لاکھوں تکلیفیں بنی آدم کو گھیرے رہتی ہیں۔ مگر وہ فیشن کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ فیشن کی غلامی اہل چین کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ اپنی لڑکیوں کے پاؤں آہنی جوتوں میں [illegible] خواہ اس میں کیسی ہی تکلیف ہو۔ اور اسی کی تعمیل میں چینی، جاپانی لمبی لمبی چوٹیاں پیچھے لٹکاتے ہیں۔ کیا یہ محض فیشن کا خبط نہیں کہ ہندوستانی عورتیں اپنے کانوں کو سوراخوں کی کثرت سے چھلنی بنا لیتی ہیں۔ اور کسی ہندوستانی عورت میں اتنی جرأت نہیں ہے۔ کہ اپنی ہمجنسوں میں نکو بننا پسند کرے۔ اور [illegible] حالت [illegible] زیور لٹکانے کی خاطر سوراخ نہ کرے۔

فیشن کی غلامی میں ہماری نئی روشنی کے نوجوان صاحب لوگوں کی دیکھا دیکھی موسم گرما میں بھی گرم کپڑے زیب تن کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی برداشت وہ مشکل کر سکتے ہیں مگر کمبخت فیشن کی قید سے رہائی نہیں پا سکتے۔ کیا ہمارے دیسی صاحب لوگ ایسا کرنے کی جرأت رکھتے ہیں کہ پتلون [illegible] کے بغیر گذارہ کر سکیں یا اپنے ملک کی سخت گرمی میں جب کہ پسینہ کی شدت سے پتلون وبال جان ہو رہی ہو۔ وہ پتلون کو پھینک کر

دھوتی یا تہ بند یا ہلکا پاجامہ پہن سکتے ہیں؟ فیشن کی غلامی میں برسات کے جانکاہ حبس میں بھی وہ شام کو فلالین کا کوٹ پہن کر ٹینس کھیلنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ لندن اور پیرس میں فیشن کی اس قدر حکومت ہے۔ کہ کوئی لیڈی یا جنٹلمین اسکی اطاعت سے سرکشی نہیں کرسکتا۔ لوگ سرکاری قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اخلاقی اور مذہبی قواعد کو توڑتے ہیں۔ مگر فیشن کے اٹل حکم کی تعمیل سے کوئی سرنہیں پھیرتا۔ اور لطف یہ ہے کہ ہمارے ہاں فیشن سالہا سال کے بعد بدلتا ہے۔ اور وہاں ہر مہینے بلکہ مہینے میں دو بار تبدیل ہو جاتا ہے۔ آج ایک کوٹ بڑے شوق سے سلایا جاتا ہے جس کی فیشن ایبل تراش اور سلائی کی اجرت درزی کو ۵ پونڈ دی گئی ہے۔ دو ہفتہ بعد وہ قطع اوٹ آف فیشن ہوگئی۔ چلیے اب نئی وضع کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور پھر نئے سرے سے کتر بیونت شروع ہوئی

اگرچہ فیشن کے خبط سے مہذب سے مہذب اور وحشی سے وحشی کوئی بنی نوع انسان خالی نہیں ہیں۔ وحشی اور جنگلی آدمی بھی اپنے بدن انواع واقسام کے رنگوں سے رنگ لیتے ہیں۔ اور جانوروں کی ہڈیوں اور مور کے پروں سے اپنے جسموں کو زینت دیتے ہیں۔ مگر جہاں تہذیب صاحبہ جلوہ افروز ہیں۔ وہیں فیشن کی زیادہ حکومت ہے جو قومیں آزادی کے خمار میں سرشار ہیں۔ وہی زیادہ تر فیشن کی سلاسل میں گرفتار ہیں۔ اگر لغو بد کہیں کو فیشن بت پرستی کی دوسری صورت ہے۔ جسمانی آراستگی اور وضع و قطع کی تراش میں حد سے زیادہ مصروف ہونا انسان کو روحانی ترقی سے باز رکھتا ہے فیشن کی پرستش نے انسان کی یہ حالت کردی ہے۔ کہ تقریباً اب ہر ایک شخص کی زندگی کا یہی مقصد ہوگیا ہے۔ کہ جس طرح ہو۔ جائز یا ناجائز وسائل سے وہ اس قدر سرمایہ حاصل کرے۔ کہ فیشن ایبل مکان فیشن ایبل لباس فیشن ایبل سواری مہیا کرسکے فیشن کی ہوس پوری کرنے کے لیے خونریزیاں ہوتی ہیں۔ چوریاں کی جاتی ہیں۔ رشوتیں لی جاتی ہیں۔ دغا اور فریب ہوتے ہیں۔ جھوٹے اشتہار دیے جاتے ہیں۔ مگر اے بیوقوف انسان۔ تیرا یہ اصلی مقصد نہ ہونا چاہیے۔ تو خداوند عزوجل کا نائب اور خلیفہ اس دنیا میں ہے۔ تجھکو اشرف المخلوقات کا معزز لقب دیا گیا ہے۔ تیرا درجہ بہت بلند ہے۔ تو حقیقت میں

بہشتی پر ہے۔ اس فانی دنیا کی جھوٹی اور نمائشی نعمتوں سے صرف بقدر ضرورت مستفید ہو
اور اپنے فرائض کا خیال کر۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ سے کچھ نہ ہوگا۔ نمائشی لوازمات سے تجھے
سرور نہ ملے گا۔ خانۂ دل کو آراستہ کر اور بجائے جسم کے دماغ کے سجانے کی کوشش کر
کیونکہ روحانی قوتوں کو ترقی دینا ہی روح کی بڑی زینت ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں
کہ بہت سی انگریزی عادتیں ہم لوگوں نے انگریزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے باعث
اختیار کرلی ہیں۔ ورنہ انگریز خود ان سے گھبرائے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب کو ایک مرتبہ
موسم گرما میں انگریز دوست کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اندر جا کر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ صاحب
بہادر خاصے کا ایک سٹھلا پاجامہ اور ململ کا کرتہ پہنے پنکھے کے نیچے براجمان ہیں۔ ہندوستانی
صاحب کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ دیکھو ہم کیسی آفت بھگتنی پڑی ہے۔ اگر کوئی انگریز آج
آئے۔ تو مجھے یہ کپڑے بدل کر اس سے ملنا پڑتا ہے۔ اس لیے میں کسی کو یکایک اندر
آنے نہیں دیتا۔ تم تو ہندوستانی ہو۔ ملک کے لطف سے واقف ہو۔ دیکھو فیشن کی غلامی میں ہم
لوگ تکلیف اٹھا رہے ہیں لیکن مجھے تمھارے بہت سے بھائیوں پر افسوس ہے۔ جو بلا ضرورت
خود بخود اس غلامی میں آتے جاتے ہیں۔

وہی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ [illegible] مشہور [illegible] تشریف
لائے۔ وہ تمام انگریزی [illegible] ہوتے تھے۔ ہمیشہ آسمان کے نیچے
پلنگ بچھا کر سوتے [illegible] صاحب لوگ ایسے
ہوا سے گریز [illegible] دو دو تین تین قلیوں
کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ [illegible] انگریزوں کی جفاکشی
اور استقلال کے اوصاف [illegible] دھڑا دھڑ ترقی
کر رہے ہیں۔ شادیوں کا فضول خرچیوں کا انسداد ہوتا [illegible] کا
حق بخدمت کم کرو۔ عورتوں کے زیور تخفیف کرو۔ مگر [illegible] کی کفایت دوسری طرف صرف
ہوتی ہے۔ ذاتی اسراف کی طرف کسی کا خیال نہیں ہے۔ ہم سوڈا واٹر اڑانے والے
بابوؤں سے پوچھتے ہیں۔ کہ تمھارے پاس اس قدر وسعت ہی کہاں ہے۔ کہ مستحقین کو

کچھ روپیے فیشن کی غلامی نے تمہیں اس لائق ہی کب رکھا ہے۔ کہ زیور بناؤ۔ یا کسی کو کچھ دو۔ کہتے ہیں۔ کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ایک آدمی پانچ آنے ماہوار میں گذارہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ اب پندرہ روپیہ میں ہوتا ہے۔ اس تفاوت کو بہت کچھ گرانی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن غور سے دیکھیں۔ تو گرانی ایک حصّے اور فیشن صاحب دس حصّے اس انقلاب کے ذمہ وار ہیں۔

ش ۔ ر

کلام اکبر

جسے حکومت کا نشہ ہوگا فلک بھی اُس سے کد کریگا
جو صبر و طاقت سے کام لیگا خدا اُسی کی مدد کریگا

اب حدیث لیڈری ہے عمر راوی ہو چکی
آفت ارضی کی شدت ہے سماوی ہو چکی
بندہ ہے کونوا عباد اللہ اخوانا کی خوب
ووٹ بازی پہ مگر یہ بنیاد حاوی ہو چکی

لوگ دنیا میں خوش اعمال بد اعمال سے ملے
لیکن اس فکر میں سب تھے کہ کہیں مال ملے
حسن دنیا کے فریبوں نے کیا عیش کو تلخ
زلفوں والے ہوئے جان کے جنجال سے ملے
عیش دنیا میں بہت ہے کہ مصیبت ہے بہت
اُس سے پوچھو جو کوئی پیرِ کہن سال ملے

دل جس سے ترا ٹھہرے وہ تمہید اچھی
اچھا ہو جو ہم اُس کی تائید اچھی
ہر چند گناہ گار ہوں اے اکبر
رکھتا ہوں مگر خدا سے اُمید اچھی

قوت ایماں سے کہدو سب کو سمجھاتی رہے
نیکیاں کثرت سے ہوں مغلوبیت جاتی رہے

کل واقعاتِ دہر کہاں ہسٹری میں ہیں
ذرہ ہے صرف سطحِ پیش نگاہ کا
وہ بھی فقط خیال مصنف بہ قید خود
کیا بن سکے چراغ صداقت کی راہ کا

عبدالرحیم خان خاناں پر ایک نظر

کو طاقت آنکہ بہ ایں جاذبۂ شوق
رخسار ترا بینم و بیتاب نہ گریم

شاہانِ سلف اور مشاہیر کی سوانح عمریاں عموماً اور اُن کے حلم و عفو اور فیاضیوں کے قصے خصوصاً نہایت بصیرت افزا اور خرد پرور ہوتے ہیں ان کے مطالعہ سے دل و دماغ پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ چال چلن درست کرنے اور انسانی عادات و خصائل کے سنوارنے میں بعض اوقات جو کام اسلاف کے روشن کارنامے اور اُن کے بے مثل اور لائق توصیف و تمنا اخلاقی فضائل کیا کرتے ہیں وہ کسی خارجی یا داخلی تحریک سے ہرگز ممکن نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سوانح عمری کے بعض فقروں نے یک بیک خیال و دماغ پر قبضہ کر لیا اور پڑھنے والا بے ساختہ ایک آہ کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ خیالات کی دنیا میں ایک انقلاب آ گیا نہ وہ طبیعت رہی نہ وہ باتیں نہ وہ چلن رہے نہ وہ عادتیں۔ دل میں ایک آگ لگ گئی طبیعت میں جذبہ پیدا ہو گیا۔ آن کی آن میں ہوا پلٹ گئی نئے ارادے جوش مارنے لگے۔ چنانچہ لوتھر کے دل میں جو غیر معمولی اور زلزلہ انگیز تحریک پیدا ہوئی اور بنجمن فرنکلن نے نہایت پست حالت سے اعلیٰ درجہ تک ترقی پائی اور شہرت حاصل کی اس کا بڑا سبب یہی بیوگرفی یا سوانح عمری کا مطالعہ تھا۔ درحقیقت بیوگرفی علم الاخلاق سے زیادہ منفعت رساں اور فائدہ انگیز ہے۔ کیونکہ علم الاخلاق سے صرف نیکی و بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے لیکن بیوگرفی سے اکثر نیک کام کرنے اور افعال ذمیمہ سے محترز رہنے کی ایک زبردست تحریک دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور اسلاف کے اعلیٰ و ستودہ کام کرنے کا شوق و شغف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک مشہور انگریزی آتھر کا مقولہ ہے۔ کہ بیوگرافی چیخ چیخ کر اور سمندر کے طوفان کی طرح شور و غل مچا کر یہ آواز دیتی ہے کہ جاؤ تم بھی ایسا ہی کرو" غرض یہ ایک تازیانہ ہے جو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے مسلمانوں کی قوم آجکل

اقوام عالم میں ایک مفلس و تنزل یافتہ قوم ہے۔ ہر طرف ادبار و انحطاط کا بادل چھایا ہوا ہے۔ بائیس ۲۲ کروڑ نفوس میں کم ایسے نکلیں گے جن پر خوش حالی و بے فکری قسمت دری کے چھوڑ ہالا رہی ہو گی عیش و مسرت کا سایہ ہو گا۔ بداخلاقی و بے حسی عالمگیر وسعت پکڑ گئی ہے۔

اور فی الحقیقت اخلاق ہی کے بگڑ جانے نے اس حالت کو پہنچا رکھا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ مشاہیر اسلام اور اکابر ملت کے جاں بخش تذکرے عمدہ اور دلنشین پیرایہ میں ان کے سامنے دہرائے جائیں اور اُن کے فضائل و اخلاق کے قصے بیان کر کے مسلمانوں کے بے حس و حرکت وجودوں میں تازہ اور غیر فانی روح پھونکی جائے۔ اور ایک بار پھر ترقی و عروج کے بام پر جلوہ آرا نظر آئیں۔ اس مقصود کو مدنظر رکھ کر آج ہم ایک زبردست اور مایۂ روزگار اسلامی ہیرو عبدالرحیم خان خاناں کے مختصر و مجمل حالات حوالۂ قلم کرتے ہیں خان خاناں کا دربار فیاضیوں اور علم پروریوں میں شاہان عالم کے درباروں پر چشمک زنی کرتا تھا۔ اس کے محامد و اوصاف اخلاق و عادات نہایت سبق آموز اور ہمت افزا ہیں وہ بہت سی زبانوں میں درجۂ کمال رکھتا تھا اور عربی زبان میں یہ مہارت و ترتیب حاصل تھی کہ عربی تحریر کو اصل عبارت پڑھے بغیر نہایت روانی کے ساتھ ترجمہ کرتا چلا جاتا تھا اور یہ تمیز نہوتی تھی کہ ترجمہ کیا جا رہا ہے یا اصل عبارت پڑھی جاتی ہے۔ ایک بار شریف مکہ نے شہنشاہ اکبر کو خط لکھا اور اُس میں نہایت عبارت آرائی سے کام لے کر بڑے بڑے مغلق اور دقیق الفاظ بھر دیے۔ اکبر نے خان خاناں فتح اللہ شیرازی اور ابوالفضل کو ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی تو اس خیال سے کہ لغت سے امداد لینے کی ضرورت ہو گی تحریر کو ساتھ لیگئے۔ مگر خان خاناں نے وہیں خط کو شمع کے سامنے لے جا کر پڑھنا شروع کیا اور ترجمہ بھی نہایت بے تکلفی سے ساتھ ہی ساتھ کرتا گیا۔

ترکی و فارسی اس کی مادری زبانیں تھیں۔ انشا پردازی میں تبحر حاصل تھا۔ فارسی زبان میں تزک بابری اُس کی تصنیف موجود ہے جسے اُس نے اکبر کی فرمائش پر زبان ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کتاب کی فارسی نہایت صاف اور شستہ ہے۔ چونکہ اکبر کی سلاطین یورپ سے مراسلت رہتی تھی اس لیے اکبر نے خان خاناں کو

یوربین زبانیں سیکھنے کا حکم دیا تھا اور اُس نے بہت کچھ مہارت پیدا کرلی تھی وہ دنیا کی اکثر زبانوں میں بات چیت کرسکتا تھا گو غزلیات واشعار بہت ملتے ہیں لیکن دیوان کا پتہ نہیں چلتا۔

خان خاناں کا ایک بے نظیر کتب خانہ تھا جس میں کثرت سے علمی ذخیرہ مہیا کیا گیا تھا۔ ظہوری، شکیبی، نظیری، عرفی نے اپنے دیوان خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کتب خانہ میں داخل کیے تھے۔ اس کتب خانہ کی ترتیب و تنظیم کے لیے بڑے بڑے اہل کمال کا ایک عملہ مقرر تھا۔ جو تمام نسخوں کی تکمیل کرتے تھے۔ تصویریں اور شبیہیں کھینچتے تھے۔ مرقع تیار کرتے تھے۔ کتب خانہ کے اسٹاف کے مشہور ممبر مُلّا محمد مومن، غنی ہمدانی، مُلّا عبدالرحیم عنبریں قلم، مُلّا محمد امین جدول ساز تھے۔ ملا محمد امین ازبکوں کے حملے کے سبب خراسان سے نکلے اور خان خاناں کے دربار میں آکر بمشاہرہ چار ہزار روپیہ ملازم ہوگئے کتب خانہ کی اکثر کتابیں ان کی طلاکاری سے مزیّن تھیں۔ ابری کاغذ بھی ان ہی کی ایجاد ہے

یہ اس قدر فیاض اور علم پرور دربار تھا کہ اس زمانے کے نامور و مشہور زمان شعراء بجز دو ایک کے سب کے سب خان خاناں یا ابوالفتح گیلانی کے پروردہ اور تربیت دادہ ہیں تمام زبردست اور نادر روزگار شعراء عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملکی قمی، محتشم کاشی، نظیری نیشاپوری، رسمی، نوعی شیرازی اس دربار کی رونق بڑھاتے تھے۔ خان خاناں کی فیاضیوں کا یہ حال تھا کہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوا دیا۔ ایک دفعہ حج سے واپس آنے پر نظیری نیشاپوری کی زبان سے نکل گیا کہ میں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا خان خاناں نے اسی وقت روپیہ کا ڈھیر لگوا دیا۔ نظیری نے شکریہ ادا کیا خان خاناں نے اس پر سب روپیہ نظیری کے گھر پہنچا دینے کا حکم دے دیا۔ خان خاناں بے وجہ بھی شعراء و علماء کو صلے اور انعام دیتا تھا تاکہ ادب و انشا میں ترقی ہو۔ رفتہ رفتہ ان فیاضیوں کے چرچے عرب و عجم تک پہنچ گئے شکیبی اصفہانی حج کو جاتے ہوئے جب عدن پہنچا تو عرب گیت گا رہے تھے کہ خان خاناں آیا جس کی بدولت گنواریوں نے

شوہر پائے تاجروں نے اسباب بیچے بادل برسے جل تھل بھر گئے شکیبی بے ساختہ رو پڑا۔
اور اسی وقت یہ رباعی موزوں کی ؎

زیں دانہ کہ از نام تکو کاشتہ از اختر سعد خرمن افراشتہ
زاں گونہ جہاں بجو دانپاشتہ کز مور کفاف دانہ برداشتہ

خان خاناں خود ایک زبردست نقاد سخن تھا شعر کی آپ تربیت کرتا تھا۔ گاہ گاہ کلام میں اصلاح دیتا بہت سے دیوان خان خاناں کی توجہ سے شائع ہوئے چنانچہ عرفی نے مرتے وقت اپنے دیوان کا مسودہ جو کاٹ پھانس سے نہایت ابتر تھا اس کے پاس بھیجا۔ یا خان خاناں نے محمد قاسم کو اسکی درستی کا کام سپرد کیا جس کی سال بھر کی شبانہ روز محنت و جانفشانی سے ڈیوان صاف ہو سکا۔ خان خاناں غایت درجہ مسرور ہوا اور بہت کچھ انعام واکرام سے محمد قاسم کو مالا مال کیا۔ یہی وہ وسائل ترغیبی اور بواعث خلوص تھے کہ بادشاہ کی مدح میں تحریر کیے گئے ہوے قصائد اور خان خاناں کے مدحیہ قصائد میں بین فرق نمائز ہے یہاں شاعر جوش اور اخلاص سے لبریز اور بادۂ کرم کے نشے سے چور نظر آتا ہے۔ ہر ہر لفظ سے دلی تشویق وتخلیص ٹپکتی ہے۔ اور گہرے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک مخصوص صفت اور لائق صد ہزار گونہ مدح وستائش خصوصیت اس نادرۂ روزگار ہستی میں یہ تھی کہ باوجود اس جاہ وجلال سطوت و اقبال کے حسن اخلاق اور شگفتہ طبعی کا مجسم نمونہ تھا جب خان خاناں کا خطاب ملا ہے۔ جذبۂ شکر و اخلاص سے مغلوب ہو کر چند نصیحت انگیز فقرے ایک کاغذ پر تحریر کرکے ملازمین کو دیدیے۔ کہ وقت غیظ وغصہ میرے سامنے پیش کردیا کریں۔ چنانچہ کاغذ کے پیش ہوتے ہی انتہائی غضب وغصہ میں بھی ٹھنڈا پڑ جاتا۔ ایک دفعہ ہجوم عام میں ایک ملازم کا پاؤں اُس کے زخمی پاؤں پر پڑ گیا اور زخم پھٹ گیا سخت تکلیف ہوئی۔ لیکن نوکر کو کوئی سزا نہ دی بلکہ کہدیا کہ یہ ایک امر اتفاقی تھا اس کا قصور نہیں۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے کیسی خلق مجسم ہستیاں تھیں۔ اپنے لواحقین کا کس درجہ خیال رہتا تھا۔ تیر اندازی میں کمال دسترس حاصل تھی جب مظفر پر گجرات میں فتح حاصل کی ہے تو ایک دفعہ میدان میں گیند کھیلتے ہوے

ایک کویا دیکھا جو ہوا میں اُڑتا جا رہا تھا۔ خان خاناں نے پے در پے اُسکے چاروں طرف تیروں کا دائرہ بنادیا چنانچہ بارہ تیر مارے اور تیرھویں تیر میں مار کر گرادیا۔ ایکبار ایک شیر کی پیشانی پر تیر مارا کہ سوفار تک اُتر گیا۔ اکثر بھیڑیوں کو تلوار سے مار ڈالا۔ خان خاناں نے تین جہاز بھی طیار کرائے تھے جن کا نام رحیمی کریمی سالاری تھا یہ جہاز صرف غربا کو مفت حج کو لے جایا کرتے تھے۔ حمام کو عمومیت خان خاناں نے ہی دی تھی ورنہ اب تک حمام اُمرا اور روسا، کے مکانات میں ہوا کرتے تھے سب سے پہلے خان خاناں نے گجرات میں محمد علی معمار کے زیر اہتمام حمام بنواکر وقف عام کردیا۔ اُسوقت سے حمام کا عام رواج ہوگیا۔ خان خاناں نے بڑے بڑے مقامات دہلی آگرہ۔ لاہور میں باغ، مکانات نہایت شوق سے تعمیر کرائے۔ ہندوستان محض ایک زراعتی ملک ہے جسقدر اعلےٰ قسم کے پھل اور میوے آج اس ملک میں پیدا ہوتے ہیں سب مسلمانوں کے لائے ہوے ہیں۔ سیب، ناسپاتی، انگور، خربزہ کی پیداوار کا فخر خاں خاناں کو حاصل ہے۔ ہندوستان میں خربزہ ایران و خراسان سے آتا تھا سب سے پہلے خان خاناں نے تخم منگواکر بلکوادہ علاقہ گجرات میں آب ہوا کی مناسبت کے لحاظ سے ایک قطع منتخب کراکے اس کی کاشت کرائی دو تین سال میں ایسے خربزے پیدا ہونے لگے جو ایرانی و خراسانی خربزوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ جرأت و دلیری میں خان خاناں چمن اکبری کا نہایت نکہت بیز پھول ہے۔ اسکے جنگی کارنامے گجرات اور سندھ کے فتوحات ہیں۔ غرض جب کہ ہم اس ممتاز اسلامی ہیرو کی اس مختصر بیوگرفی پر نظر غائر ڈالتے ہیں اور غور و تعمق سے اسکے کارناموں پر ریویو کرتے ہیں تو ایک غرابت انگیز اور عجیب النوع منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور ایک جدید بصیرت حاصل ہوتی ہے عقل کے دروازے کھلنے لگتے ہیں طبیعت پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ جس وقت اُس کا حلم و عفو اُس کے جود و کرم کے تابناک تذکرے دیکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس درجہ با اقتدار و جاہ سردار جس کی زندگی کا ہر عہد ممتاز، ہر پہلو روشن، ہر ادا جاں نواز، ہر طور دلکش، ہر کارنامہ بے نظیر ہے۔

جس کی کلاہ تفاخر پر چند در چند آفتاب کی روشنی سے جگمگا اٹھنے والے طرّے
نازو نازش کے ساتھ لگے ہوے بصارت نوازیاں کر رہے ہیں۔ جس کے دلفریب
و موثر اخلاق اس کے جاں پرور تذکروں کی سبز روشنی میں عجیب ادائے دلبری سے
چمک رہے ہیں جس پر بہادری و جانبازی قربان ہو رہی ہے۔ جس کی علمی قدردانیوں
نے دربار گوشاہی دربار بنا دیا ہے۔ جس کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا یہ عالم
ہے کہ غنیم یورش آر رہا ہے میدان کارزار میں فوج لیے پڑا ہے۔ خطرات و خدشات
کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے لیکن خود بہ اطمانیت خاطری و فراغت قلبی شطرنج
میں مشغول ہے افواج غنیم بڑھ رہی ہیں دم بہ دم قریب ہوتی جاتی ہیں۔ یہانتک
کہ گولے ڈیرے میں آ کر گرتے ہیں۔ ہر جانب پریشانی و تشویش پھیل جاتی ہے
مگر یہ فولادی قلب والا سردار مسکراتا ہوا اٹھتا ہے اور قلیل تعداد سے غنیم کی بیشمار
ولاتعد فوج کو ہزیمت پر مجبور کر دیتا ہے۔ جس کے اخلاق کی یہ درخشاں کیفیت ہے کہ
فرط رافت و عالی ظرفی سے کبھی کسی ماتحت کی خطا اور ملازم کے قصور پر مواخذہ نہیں
نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ جب نوکر کے پاؤں پڑ جانے سے زخم پھٹ کر باعث مزید
کرب و الم ہوتا ہے۔ درد و دکھ میں ترقی ہوتی ہے پھر بھی وہ تصویر رحم مرقع کرم
نمونہ حلم مجسمہ اخلاق اظہار ناراضی سے مجتنب رہتا ہے کوئی سزا نہیں دیتا۔ بلکہ
ایک اتفاقی امر سمجھ کر معاف کر دیتا ہے اور ایسی روشن و پاک زندگی بسر کر رہا ہے۔
ہم کو در اصل جسقدر یہ واقعہ اخلاقی متاثر کرتا ہے اتنا اثر کسی امر کا نہیں ہوتا
ہم جب اس خلق و انکسار کی کیفیت پر غور کرتے ہیں تو بے اختیار منھ سے تحسین
و آفرین نکلتی ہے۔ یہی اخلاقی فضائل تھے جس سے ہمارے اکابر و مشاہیر
متصف ہو کر منازل عروج و ترقی طے کرنے میں کامیاب رہے حقیقۃً اخلاق ہی
ایک وہ چیز ہے جس سے حیوان و انسان میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے۔ اور
آدمی آدمی ہو کر رہتا ہے۔ دنیا کی تمام عبادات و ہدایات اور عالم کی جمیع نصائح
کا نتیجہ و متحصل یہ ہے کہ انسان کے اخلاق درست ہوں۔ عادات و خصائل میں

تہذیب پیدا ہو۔ اگر یہ نہیں تو باوجود صد ہزار فضائل و محامد کے انسان وقعت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نہ عیش و عافیت کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی سے وہ لازماً محروم رہے گا۔ اسلام کے نمایاں خدو خال اُس کے حاملین کے اخلاقی کوائف ہیں اور یہی وہ محیر العقول اور حیرت میں ڈالدینے والے باعث تھے جن پر اسلامی تحیر خیز عاجلانہ ترقی کی تابناک اور اُستوار بنیادیں قائم ہوئیں یعنی حسن اخلاق مسلمانوں کی ممتائز خصوصیت رہی۔ جب اخلاقی حیثیت سے گرے تمام ترقیاں مسدود ہوگئیں جملہ فضائل جدا ہو گئے نہ وہ اسلام رہا نہ وہ مسلمان۔ آج یہ حالت ہے کہ ایک ادنیٰ فرد بھی کم از کم ہمراں خانہ سے ہی اپنے غضب واقتدار کا اظہار کر لیتا ہے اور حتیٰ الامکان خفیف سی فرو گذاشت بھی بعد معذرت کے عفو نہیں کی جاتی۔ بزعم خود گویا ہم اسوقت تک شہریار عالم ہیں اور صد حیف کہ اس دور تاریک میں اخلاق کے معنی کمزوری و ضعف خیال کیے جاتے ہیں۔ ہم کو مشاہیر سلف کے کارناموں سے عموماً اور اُن کے اخلاق سے خصوصاً ایک دلنشین سبق لینا چاہیے۔ کہ باوجود آسمان مرتبت پر فائز ہونے کے وہ اپنے ماتحتیں و متوسلین سے کس نوعیت کا سلوک و برتاؤ روا رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ چشم بینا وا ہو اور خجالت و ندامت کچھ نتیجہ پیدا کرے

گاہے گاہے بازخواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

مراد۔ مارہروی

ضروری گذارش: "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتہً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائیگا ۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ **مینیجر**

یاس

عموماً یاس کو لوگ افسردہ دلی کا باعث سمجھے ہوئے ہیں۔ مگر غور کیا جائے تو یاس اکثر مواقع میں امید سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے کوئی اس کا خیال نہیں کرتا۔

خود غرضی کے توقعات اکثر و بیشتر نقصان پہنچا کر کام نکالنے کے منصوبوں پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر ان منصوبوں پر پانی پھر جاتا ہے تو غرض مند مغموم ہوتے ہیں کف افسوس ملتے ہیں مایوسی اُن کے دلوں کو پژمردہ کر دیتی ہے۔ مدتوں اُلجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں اگر عقل سے کام لیں تو یاس اُن کے لیے باعثِ راحت ہو۔ کیونکہ بُرائی سے کار برآری کا نتیجہ تکلیف و ایذا میں مبتلا کرنے کا سبب ہوتا۔ جب یاس کی بدولت واقعی تکلیف سے نجات مل جائے تو کیوں نہ خوش ہوں۔ کیا اپنی صلاح و فلاح کے لیے دوسروں کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا کوئی اچھا نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں "از مکافاتِ عمل غافل مشو" کا ادب آموز سبق بدکردار کو آنکھیں نکال نکال کے ڈراتا رہتا ہے کہ دیکھ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

راحِ راحت نیست در جام غم انجامِ طمع
کاش یاس از کف منہ کالیاس احدی الراحتین

دل کے اُبھارنے سے خواہش نفس کے نکالنے کے لیے اکثر لوگ ایک دوسرے کی آبرو ریزی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور نتیجہ نکلنے تک اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم کس کام پر تلے ہوئے ہیں اُمید بر آئی تو دوسروں کے ساتھ اپنی آبرو ریزی بھی ہوئی۔ خوش قسمتی سے مایوسی نصیب ہوئی تو عزت بھی۔ مگر اس حفظ عزت کا خیال نہ کرکے مایوسی کا رنج کرتے ہیں۔ اگر غور و فکر کریں تو ایسے طول امل سے محترز رہیں۔ مغموم ہونے کی جگہ مسرور رہوں اور آئندہ کی توقع راحت اطمینان خاطر کا باعث ہو۔

اے یاس! راحت کی وجہ اطمینان کا سبب اٹھا تشنیہ کی امیدوں کی جگہ تو دلنشیں ہو جا۔

اے یاس! جن نفسانی خواہشوں کی مخالفت میں تو نے ساتھ نہیں دیا عزت گئی تباہی آئی نام کو بٹا اور دامنِ عفت پر دھبا لگا افسوس ہے اُن پر جو تیری وجہ سے رنجیدہ ہوں۔ تیرے احسان کو نہ سمجھیں نہ مانیں۔

اے یاس! تو نے نیکیوں کی مخالفت میں جس کی طرفداری کی وہ رسوا ہوا ذلیل ہوا اور برائیوں کے خلاف میں تو جن لوگوں کے دلنشین ہوگئی وہ لوگ اخیار ہوے ابرار ہوئے زاہد و پرہیزگار ہوئے۔ ترک خواہش نفسانی کوئی آسان بات نہ تھی۔ مگر اے یاس تجھ پہ آفریں ہے کہ احرار کے دلوں میں تو نے جگہ پائی برائیوں کی لذت کو جو لوگ باعث مسرت سمجھے انھیں دھوکا ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ مزہ چکھنے پر بھی تلخ و شیریں کی تمیز نہ کر سکے اور دھوکے ہی میں بعض تو مدتوں اور اکثر مرتے دم تک رہے۔ وہی لوگ اچھے رہے جنھوں نے برائیوں کی ظاہری لذتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ اور برائیوں سے یاس موجب راحت سمجھے جو فی الواقع ہے بھی۔ یہ اخیار ہیں ان کے افعال بروں کے مقابلہ میں اعجاز و کرامت سے کم نہیں۔

نیکوں کے پاس برائیوں سے یاس راحت، مسرت، عزت کا سبب ہے اور برے لوگ ہیں کہ برائی کی وجہ سے صدمات و تکالیف اُٹھانے پر بھی نہیں چوکتے۔ اُمید و یاس کی خوبی کی تمیز نہیں کرتے۔ ہر امید کے برآنے کو باعثِ مسرت اور مایوسی کو موجب غم سمجھتے ہیں لطف یہ کہ بہت سی اُمیدیں باعث زحمت ہوتی ہیں اور بہت سی مایوسیاں موجب راحت ہوتی ہیں۔ خدا نیک و بد سمجھنے کی توفیق دے۔ عسنی ان تکرہوا شیئا وھو خیر لکم۔
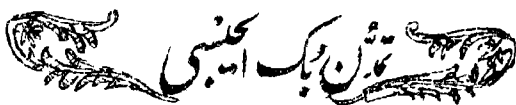
ذہین

اسلام اور موجودہ تمدّن

اگر کوئی مذہب صحیح دعویٰ اس امر کا کرسکتا ہے کہ اُسکے اصول عقل کے موافق بلکہ عین عقل ہیں تو وہ اسلام ہی ہے کہ جس نے اصول انسانیت کو مدون کرکے حیات انسانیہ کو مکمل اور مستقل بنادیا۔ انسان کو جسمانی ظلمت کے قعر مذلت سے نکال کے اس روحانی اوج ترقی پر پہنچادیا کہ جس پر کسی قوم وملت کا دسترس آج تک نہو سکا۔ ایک ضعیف انسان کو اپنی حمایت میں لے کر ایک قوی تر انسان کے اُن تمام حقوق میں مساوی کردیا جو انسانی تمدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ محمود و ایاز کو ایک صف میں لاکر کھڑا کردیا۔ بندگی اور بندہ نوازی کے تمائز کو بالکل اُٹھادیا۔ کیا دنیا کے پردہ پر اسلام کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا مذہب ہے جو اس امر کا عملی ثبوت تو درکنار دعوے بھی کرسکے کہ اُس نے ہر قسم کے باہمی تمائز کو یک قلم اُٹھادیا۔

وہ اوصاف جو انسانی قدرت سے بالاتر ہیں اُن میں تو البتہ تمائز رہا (کیونکہ خود طبیعت اسی کی مقتضی تھی) ورنہ اسکے علاوہ بڑے سے بڑے تفاوت میں بھی اسلام سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔

ذہانت، ذکاوت، طباعی، علم، تقویٰ، پرہیزگاری، اعمال صالحہ ان اوصاف میں چونکہ انسانی دخل نہ تھا اس لیے فطرت نے بھی انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم[1] اور لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی[2] کے دستور العمل سے اس تمائز کو قائم کردیا ورنہ اسلام کے پیشوا نے اپنی لخت جگر بیٹی کے لیے واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد[3]

---

[1] خدا کے نزدیک تم میں بزرگ ترین وہ شخص ہے جو سب سے زائد پرہیزگار ہو۔

[2] کسی عربی النسل کو کسی عجمی النسل شخص پر بجز تقویٰ و پرہیزگاری کے اور کوئی فضیلت نہیں۔

[3] خدا کی قسم اگر محمد صلعم کی بیٹی (میری بیٹی) فاطمہ علیہما السلام چوری کریں تو میں اُنکے بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔

سرقت لقعت یداھا کا حکم جاری کرکے بخدا فطری مساوات کو اُس کمال تک
پہنچا دیا کہ جس کے بعد بجز انحطاط کے ترقی کی گنجائش ہی نہیں۔

یہ روشن اصول مساوات ہیں کہ جن کو خیال کرکے کلیجہ پھٹا جاتا ہے اور یہی وہ ستودا ہے جس کی قربانگاہ پر چڑھنے کے لیے ہر سچے مسلمان کا دل شوخی کرتا ہے۔

ایک بطلِ اسلامی سنن اسلامی کے منتشر اجزا کو یکجا کرکے جب حبل المتین کی مثال قائم کرنا چاہتا ہے تو یوں ارشاد فرماتا ہے ایھا الناس قد ولیت علیکم ولست بخیرکم[۱] فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقومونی الضعیف فیکم قوی عندی حتی اخذ له حقه والقوی ضعیف عندی حتی اخذ منه الحق اطیعونی ما اطعت الله ورسوله فان عصیتهما فلا طاعة لی علیکم

اس ملکوتی صفات ذات نے ایسا کیوں کیا محض اس وجہ سے کہ اسلامی خوبیاں اُسکے دل پر اثر کر چکی تھیں اُس کے محاسن اُسکے رگ و پے میں سرایت کر گئے تھے اور اُسکے اصول اُس پر مستولی ہو چکے تھے۔

جب کہ ایک مذہب کا دستور العمل ہی ان ہی اصول عدل و مساوات اور اُن اُمور پر مبنی ہو کہ جن سے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود متصور ہو تو پھر کیوں نہ ایسی ملت کے ایک شیدائی کے خیالات اس قسم کے اصول میں ڈوبے ہوئے نظر آئیں۔

اسلام دیگر مذاہب کی طرح وہ جھوٹے شیدائی نہیں پیدا کرتا جو مذہب کی آڑ میں خود اُسی کو اپنی قربانگاہ پر چڑھا کر اُن تمام افعال شنیعہ کو جائز اور مستحسن کریں کہ جن کی

---

[۱] حضرات میں آپ کا حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں آپ سے افضل نہیں ہوں اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کیجیے گا اور اگر برے کام کروں تو میری اصلاح کیجیے گا آپ میں جو شخص ضعیف ہوگا وہ میری نظروں میں قوی رہے گا تاوقتیکہ میں اسکا حق اُس کو نہ دلوا دوں اور جو قوی ہوگا اُس کو میں اُس وقت تک ضعیف سمجھوں گا جب تک کہ میں کمزور کا حق اس سے چھین نہ لوں آپ لوگ میری پیروی کیجیے جب تک کہ میں خدا اور اُسکے رسول کی اتباع کروں اور جب میں اُنکی نافرمانی کروں تو آپ لوگوں کو ہرگز میری اطاعت نہ کرنا چاہیے۔

تائید کسی فطری مذہب کی طرف سے ممکن ہی نہیں۔ اسلام ہی اکیلا وہ مذہب ہے جس نے اپنے انوار ساطعہ اور تعلیمات صحیحہ کے باعث انسان کو اُن گمراہیوں اور توہمات سے نکالا جو اُن کی قومیت اور مذہبیت کو دیمک کی طرح چاٹے جاتے تھے بتوں کو مٹا کر وحدانیت کاملہ کی تعلیم دی، تعدد آلہہ کو حرام کر کے تعدد ازدواج کو ترقی دی، اخلاق سیئہ کا تخلیہ کر کے اخلاق حسنہ سے آراستہ کیا، اوہام پرستی سے ہٹا کر عبادات و قیام پر قائم کیا غرض کہ سالہا سال کی ظلمانیت کو دور کر کے اپنے انوار ساطعہ کو اُن کے قلوب پر منعکس کیا کہ جس کی بدولت وہ اپنی حیوانی اور ہیولانی زندگی سے نکل کر آج اس انسانیت کاملہ کی معراج پر نظر آتے ہیں۔

وہی قومیں جو پہلے جنگلی اور وحشی تھیں اسلام کی تعلیم پا کر مہذب اور پاکیزہ بن گئیں اصلاح عقائد کی بدولت اُن میں ہدایت اور مہربانی نمودار ہو گئی کہ جس سے نور ہدایت کی جھلک اُن میں پائی جانے لگی۔ اُن کی وہ کُند اور بیکار عقلیں جن پر برے اخلاق خراب تربیت اور توہمات پرستی کا زنگ لگ گیا تھا اسی مستقل اور عام مذہب کی حقانیت کے صیقل سے صاف اور کارآمد ہو گئیں۔ ناحق شناس یورپ کو اسلام کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ اسلام ہی اُن کو اُس جہالت اور تاریکی سے نکالنے کا باعث ہوا ہے کہ جس میں وہ صلیبی جنگوں کے قبل تک پھنسے ہوئے تھے۔ یورپ کی اُس جہالت کے تاریک سمندر میں اسلام نے لائٹ ہوس کا کام دیا اور اُن کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو اس زور سے ٹھوکر لگائی کہ وہ کنارے جا لگی کہ جس سے اُن کی اکھڑی ہوئی سانس منضبط اور باقاعدہ ہو کر چلنے لگی اور آخر میں اُن کی حیات اور روحانیت کا باعث ثابت ہوئی۔ اسلام کا سا معلم اُن کو ملا جس نے اُن ایسے وحشی اور غیر مہذب متعلم کو اپنی تربیت میں لے کر اپنے علوم و حقائق سے مستفید کر کے ایک کامل اور شائستہ انسان بنا دیا۔

اگر اسلام کی روشنی اہل یورپ تک نہ پہنچتی تو یقیناً اُن کی ہستی کی وہ ڈگمگاتی ہوئی کشتی اسی تاریکی کے سمندر میں کبھی کی غرق ہو گئی ہوتی وہ اپنی قومیت کو بالکل فنا

کر چکے ہوتے اور اُن کی جگہ پر اس وقت ہم کو کوئی دوسری نئی قوم ایکٹ کرتی ہوئی نظر آتی۔

ہمارے علوم وفنون سے یورپ کا ابتدائی اکتساب اس امر پر کافی روشنی ڈالتا ہے کہ اسلامی علمار وفلاسفر کو ہر امر میں یورپ پر سبقت حاصل ہے اور اُس کے مہذب و متمدن بنانے میں ایک بڑا حصہ اسلام کا ہے۔ پھر اخلاقی سیاسی ادبی تالیفات اسلامی کی طرف اُن کی موجودہ احتیاج اور بھی ہمارے دعوے کو مستحکم کرتی ہے۔

ساتھ ہی اس کے ہم یہ اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ جہاں اُنھوں نے اس قسم کے فوائد اسلام سے حاصل کیے وہاں علوم اسلامیہ کی اُسی حد تک اصلاح بھی کی کہ جس کا استعداد زمانہ مقتضی تھا چنانچہ یورپ کے علمار نے جب سالہا سال کی تاریکی سے سر نکالا تو اُن کو فضائے عالم میں ایک روشنی نظر آئی جو اسلام کی روشنی تھی کہ جس کو انھوں نے غنیمت سمجھکر اُس سے پوری طرح فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ اسلامی علوم کو حاصل کرکے اپنی ملکی زبانوں میں اُن کے ترجمے کیے اور جب کل علوم وفنون اور موجودہ اکتشافات میں پوری ترقی کر چکے تو اُن اسلامی اصول کی اصلاح کی جو تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف تھے۔

اسلام اور اُس کے پیرو متعصب اور احسان فراموش نہیں ہیں کہ وہ یورپ کی اس اصلاحی فضیلت کا انکار کریں بلکہ ہم نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہتے ہیں کہ اُس اسلامی جہالت اور استبداد کے زمانہ میں اگر یورپ ہمارے علوم وفنون کو نہ سنبھالتا تو تمام اسلامی علوم سدرس ہو جاتے اور اُن پر جہالت غالب آجاتی۔ مغربی علمار نے اُس وقت ہمارے علوم کو سنبھالا اُن کو ضائع ہونے سے بچایا اور اس طرح جہاں اُنھوں نے ہم سے صدہا فوائد حاصل کیے وہاں اس اصلاح ومحافظت سے ہم کو بھی مستفید کیا۔

بہر حال وہ ہر طرح سے ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں اور اس لیے ہم اس اصلاح کے بعد سے ہر موقع پر اُن کا شکریہ ادا بھی کرتے رہتے ہیں۔

یورپ کے پاؤں سے جہالت کی بیڑیاں کس نے کاٹیں اُس کی گردن سے تقلید کا

قلادہ کس نے دور کیا کیا اس کا سبب اسلام کے پاکباز پیشرو اور اس کی سچی کتاب کے علاوہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ اخلاقی انحطاط اور مادی تنزل کے باعث جو پردے اہلِ مغرب کی آنکھوں پر پڑ گئے تھے کیا اُن کا اُٹھانے والا اسلام کے علاوہ کوئی اور تھا۔

ہم اپنے گذشتہ بیان سے اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ اسلام ہر ملک کے تمدّن کی روح ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ جس میں کوئی ملک بھی اس سے بہتر تمدّن پیش کر سکا ہو اور نہ آئندہ اس کی اُمید ہے۔

میرے ان خیالات کو کوئی شخص میرے مذہبی تعصب پر محمول نہ کرے کیونکہ کتب تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے یہ دعاوی روز روشن کی طرح صاف اور نمایاں نظر آتے ہیں اور یہی نہیں کہ صرف ہماری ہی تاریخیں اس کی شہادت دیتی ہوں بلکہ خود اہل مغرب کی تاریخیں اور اُن کے بیانات بھی کافی طور سے ان مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔
اگر تفکرات زمانہ نے مہلت دی تو میں آئندہ کسی موقع پر مغربی حکمار کے نقطۂ نظر سے اسلام کو پیش کروں گا اور بتاؤں گا کہ وہ اسلام کے متعلق کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں

الیاس قریشی

غزل

کوئی فریاد رس مظلوم کا ہوتا تو کیا ہوتا
جو ظالم کچھ مرا بھی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا

جب اتنی نارسائی پر فلک کا دل ہلاتا ہے
کہیں نالہ اگر میرا رسا ہوتا تو کیا ہوتا

تم اٹھلاتے ہو رفتار سے دشمن کے گھر پہنچے
اگر اک حشر برپا ہو گیا ہوتا تو کیا ہوتا

لحد پر بیٹھ کر میری عبث تم رنج کرتے ہو
ذرا سوچو کہ میں جیتا رہا ہوتا تو کیا ہوتا

جب اس حالت میں جینا کر دیا دو بھر خدائی کا
خدا ہی جانے وہ بت گر خدا ہوتا تو کیا ہوتا

جب اتنے پاس ہونے پر بھی اسکو ڈھونڈتے ہیں ہم
خدا جانے اگر کچھ فاصلا ہوتا تو کیا ہوتا

تصور میں کسی کے محو تھے ہم رات دن افسر
اگر ایسے میں کوئی آ گیا ہوتا تو کیا ہوتا

افسر میرٹھی

عورت کا ضعف

عورت ابتدا سے خلقت سے مردوں کے زیر اثر رہی مردوں نے جس وقت جس طرح جس طرف چاہا۔متوجہ کر دیا۔اور وہ متوجہ ہوگئیں۔جیسا چاہا حکم دیدیا تعمیل کرنے لگیں مگر یہ کیوں۔اس وجہ سے کہ وہ ضعیف ہیں؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہزاروں تالیفات جو مرد کے قوت و جبروت کی معترف اور قائل ہیں کیوں اس بات کو تسلیم کرتیں۔

بیشک مرد قوی اور غالب ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ عورتوں نے کبھی اپنی قوت مدافع سے مرد کے مقابلہ میں کام نہیں لیا۔اگر وہ برابر ہوتیں تو ضرور ایک نہ ایک دن ایسا کرتیں۔جیسا کہ دو متساوی القوت عامل کی شان ہے۔

یورپ کی عورتیں اس قدر آزاد ہیں۔لیکن اُن کی آزادی کا سبب کون ہوا؟ مرد اگر یہ نہ چاہتے تو وہ کبھی نہیں آزاد ہوسکتی تھیں۔ایک قوی اپنے ضعیف پر جس طرح چاہے حکم کرسکتا ہے اور جب چاہے اُن کا بار ہلکا کر دے۔

وہ جسماً ضعیف ہیں۔لیکن کہا جاتا ہے۔کہ مردوں کے جبر نے ایسا کر دیا۔

انسان کو چھوڑیے۔حیوانوں کو دیکھیے۔نر اور مادہ میں کیا فرق ہے۔کیا مردوں کی طرح نر حیوانوں نے ان پر سختی کی۔نہیں خود خالق عزوجل نے یہ تفریق کردی ہے اُن کے ضعف کے مناسب اُن کا فرض جدا۔اور اُن کے ضعف کے موافق اُن کا [illegible] مقرر کر دیا ہے۔

لیکن ہمارا یہ ثابت کرنا کہ مرد جسماً قوی ہیں۔اس بات کی تفسیر نہیں کرتا کہ قوت میں کمزور ہونا پستی کی دلیل ہے۔نہیں۔اگر ایسا ہوتا تو [illegible] انسان [illegible] پایا جاتا اور یقیناً اُس کے وجود کو دنیا سے نیست و نابود کر دیتے۔

دنیا میں ایسی قسم بھی ہیں جو [illegible] سے قوی ہیں لیکن باوجود اس کے نوع انسان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں [illegible] اس کا سبب یہ ہے کہ مرد اپنے [illegible]

تفکر و ادراک سے غالب رہا۔ لیکن اب ہم کو اُن کی ادراکی حیثیت کا مقابلہ کرنا پڑا کیا عورت مردوں سے ادراکاً ضعیف ہے؟ ہاں ضعیف ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید موجودہ، گذشتہ زمانہ کرتا ہے۔ شواہد عینی شاہد ہیں۔ کہ جتنے بڑے بڑے کام ہوئے۔ مردوں کے ہاتھوں سے کسی عورت نے حصہ نہیں لیا۔ اور اگر کوئی کام کیا۔ تو معمولی جس کی کوئی وقعت نہیں۔ نہ اُن کی کوئی اہمیت ہے اگر کوئی شخص کہے کہ یہ واقعہ ہے لیکن ہم اسکو نہ بھول جائیں گے کہ ہمارے ظلم نے ایسا کیا کہ اُن کو تعلیم سے محروم رکھا۔ اُن کو دقائق امور پر غور و خوض کرنے کا موقع نہ دیا لیکن خط مستقیم اس قول کا متعارض ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مدنیت انسانیہ مبادی علوم اساسیہ کی تعلیم پر موقوف ہیں۔ اس کے لیے اس کے ساتھ عمل اور کوشش اور مادہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تمام باتوں سے قطع تعلق کر لیا جائے اور صرف اسی کا ہو کر رہے

مگر کیا عورتیں مردوں کی طرح ہر کام میں دخیل ہو سکتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اُن کی زندگی کا تمام دور اُن کے راستہ میں ایک رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ مرد۔ مدرسہ سے لے کر عمل کی حالت تک پھر معاملت، تجارت۔ صناعت، وغیرہ میں اپنے معلومات کو وسیع کرتا رہتا ہے بخلاف عورت کے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اُن کا زمانہ حمل۔ وضع، ارضاع، تربیت تدبیر منزل اُن پر جبر کرتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے بڑے حصے کو اس کام کے لیے وقف کر دیں اور حصول معاش کی فکر سے دور رہیں اس بنا پر یہ محال ہے کہ وہ مردوں کی طرح اپنی معلومات وسیع کریں اگر ہم اسے تسلیم کر لیں۔ کہ اُن میں اور مردوں میں معلومات کے قبول کرنے کی استعداد برابر برابر ہے اور وہ مردوں کی طرح سب کر سکتی ہیں اگرچہ درحقیقت مردوں کی زندگی میں اُن کی شرکت مردوں کو کس قدر فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ اگر ہمیں ان رسالوں نے دھوکا نہیں دیا جو یورپ اور امریکہ کی عورتوں کی طبعی اور فلکی عالم میں عروج کمال پر پہنچ جانا بتلاتے ہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُن کے اس درجہ پر پہنچ جانے سے ہمیں کیا فائدہ ہوا۔

اُنھوں نے اپنی حالت پر سخت ظلم کیا۔ کہ قانون قدرت کے خلاف شادی کرنے سے اپنی عمر کے ایک بڑے حصے بلکہ موجودہ عمروں کے لحاظ سے آخری حصے تک انکار کر دیا۔ اُنھوں نے اپنے وطن کو کوئی نفع نہیں پہنچایا بلکہ اپنی صالحہ ذریات سے محروم کر دیا۔ اگر وہ تعلیم کے حصول میں اس درجہ منہمک نہ ہوتیں۔ اور جوانی کی عمر میں شادی کر لیتیں تو وہ پانچ عالم ایسے پیدا کر سکتی تھیں جو اُن سے دونا فائدہ اپنی قوم اور ملک کو پہنچاتے اور قوم اُن کا شکریہ ادا کرتی۔

اس لحاظ سے متمدن عالم کی وہ سالہ جس نے اپنے طبعی فرائض کو چھوڑ کر جس کے لیے پیدا کی گئی تھی دوسرا کام اپنی شان سے بعید اور مطالب سے دور اختیار کر لیا ایک عالم کی نظر میں وہ سخت گناہ گار بن گئی۔

اب رہا یہ امر کہ پینتالیس ۴۵ برس کے بعد جب اپنے علم کی تکمیل کر چکیں تب شادی کی۔ اس کے متعلق فرانس کا ایک رسالہ لکھتا ہے۔ کہ کیا ایسی امید رکھی جائے گی کہ وہ اس سن میں کوئی بچہ پیدا کر سکینگی نہیں اُن میں تو یہ صلاحیت ہی نہیں رہی۔

اب غور کیجیے کہ طبعی یا سیاسی علوم کے اندر پڑ کر اُنھوں نے اپنے وطن پر کس قدر ظلم کیا اور بجائے اسکے کہ وہ کوئی فائدہ پہنچاتیں نقصان پہنچا دیا۔ یعنی ممکن تھا۔ اُن سے کوئی بچہ ایسا پیدا ہوتا۔ جو فلسفہ میں جون لیمان کی طرح۔ طبیعات میں ہکسلے کی طرح عمرانی میں اسپنسر کی طرح ہوتا جس سے حقیقتہً ملک کو فائدہ پہنچتا۔ مغربی مرد شکایت کرتے ہیں کہ وہ ایسے کام میں شریک ہوگئیں۔ جن سے دور رہنا چاہیے تھا۔

فلسفہ کا جید عالم جون لیمان کہتا ہے کہ ہم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ ہماری بیوی ڈاکٹر ہے۔ ہم کو خوشی اس سے ہوتی ہے کہ وہ عورت۔ عورت کی طرح ہے۔ اُسکی ڈاکٹری ہمکو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

سحبان۔

تاثرات

عبرت کی کس مپرسی ہے محو داد خواہی — اے چشم خوش تماشا تو اور غلط نگاہی؟

محشر سے پہلے اکدن برپا کرے گی محشر — تیری جفا نوازی میری وفا پناہی

بس منہ کہیں چھپائے رنگ سفید کاری — اظہار سرخروئی ہے وجہ روسیاہی

بالیدہ روح کو کرا ے غم کی گرم جوشی — افسردگی فزا ہے راحت کی عمر کاہی

وہ چشم نشہ آگین کب بات پوچھتی ہے — ساقی کا منہ بہ حسرت دیکھا کرے جاہی

اک مدعی کی کشتی راحت نصیب ساحل — اور اک مرا سفینہ پروردۂ تباہی

اے شیوۂ ستم کیوں رنج بہانہ جوئی — خود معترف ہے مجرم کیا حاجت گواہی

ہمسا بھی کوئی ہوگا محروم دین و دنیا — رد کردۂ اوامر حسرت کش مناہی

رہن ہوس فروشی وقف محال سنجی — سر ہے کہ عین سودا دل ہے کہ محض واہی

شوخی مجاز کی خود پردہ اٹھا رہی ہے — جلوے کی اب حقیقت کھلنے کو ہے کماہی

گلچیں سمجھ خدارا راز نسیم و شبنم — یہ گریۂ شبی ہے وہ آہ صبح گاہی

جو ظلم ہو بجا ہے میری یہی سزا ہے — اک عیب جاں نثاری اک جرم بیگناہی

اے بخت خفتہ دیکھا اک خواب کا سماں تھا — وہ اقتدار شاہی وہ شان کج کلاہی

وقتی کرشمہ نکلا نیرنگ آسماں کا — جمشید بارگاہی افراسیاب جاہی

اے دور گریۂ خوں اب بھی کہیں ہیں پیدا — وہ بزم کے رنگیلے وہ رزم کے سپاہی

میرا فسانۂ غم مصداق ناتمامی — میری شب مصیبت مفہوم لاتناہی

کچھ صحت آفریں ہے آب و ہوائے دوراں
آزار رعب کی بھی تدبیر اب الٰہی!

ابو الصواب رعب قریشی انصاری

آرزوئے خام یا عشق ناکام

محبت کے فدائی۔ الفت کے شیدائی۔ عشق کے بندہ، اسیر دل فریبی بہر وقت آمادہ، نصرت نے آخر والدین کے اصرار اور اُن کے احکامات پر طوعاً کرہاً گردنِ اطاعت خم کردی، بلبل آزاد پر نغمہ بلبل کو تاہل کے دام میں پھنسا دیا لیکن دل میں پُرسوز پُرارمان دل میں یہ خلش پنہاں ہمیشہ کہ زندگی آنے والی زندگی میں کبھی نہ کبھی اس قید تاہل سے سبکدوش ہو اور کسی کا ہو رہے یا کسی کو اپنا کر رکھے۔ آنے والی مسرت خیز ساعتیں ایسی ہوں کہ انتخاب کا سہرہ اپنے ہی سر رہے۔ یہ ایک ایسی خواہش تھی۔ اور جذبات امید افزا تھے کہ بعض اوقات اپنے بس میں نہیں رہتا۔ اسی ہجوم جذبات انھیں آلام و افکار میں اسقدر منہمک کہ مہینوں اپنے شریک حیات۔ نشاط زندگی سے غافل کہ گھر میں گویا کوئی اُس کا منتظر اُس کا ہمدرد، اُسکا چارہ ساز دل بیقرار رہا ہی نہیں، رات دن اسی دیوانہ سری اسی تلاشِ عبث میں کوئی گوشہ کوئی کونہ ایسا نہ ہوگا کہ جہاں اس نے اپنی دریوزہ گری کے ثبوت میں نقشِ قدم نہ چھوڑے ہوں، لیکن منزل مقصود کا پتہ نہیں ساحل مراد کو کوسوں دور پاتا۔ کیونکہ اس کا مطمح نظر کوئی ایسا کام تو نہ تھا۔ کہ وہ فوراً اپنے مقصد حیات میں شاد کام ہوتا لیکن نصرت نے اپنی سعی تلاش محبت میں برابر جاری رکھی اور یہ سمجھکر کہ وہ جس محبت آمیز الفت ریز زندگی کا خواہاں رہے ایک نہ ایک دن ملے گی ضرور ملیگی۔

ایک دن جبکہ اپنی مدت کی صحرا نوردی سے تنگ آکر آبلہ پائی کی تنقیح کرنے بیٹھا تو اُسکا دل نہایت پُریاس تھا کہ آہ ہنوز وہ کسی کے زلف شبگوں کا اسیر نہیں ہوا۔

محبت کی داستانیں پڑھتا۔ حُسن و عشق کی کہانیاں سُنتا۔ اور اُس میں اسقدر محو ہوجاتا اور سمجھتا کہ شاید ان ہی قصوں ان ہی افسانوں میں اُس کا مطلوب۔ محبوب، چھپا ہو۔ عجب نہیں کہ پردہ مستور سے نکل آئے اور جمال جہاں آرا سے دیدہ دیدار طلب کو تسکین پہنچائے۔ وہ گھنٹوں اسی انتظار میں رہتا دیکھتا کہ جلوہ لیلےٰ کا پتہ نہیں تو اس محویت

بیدھ ہوتا اور ایک آہ پُر درد سینۂ محزون سے کھینچتا، اور اپنی حسرت و مایوسی پر زار زار روتا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی تصویر کو جو اپنے لیے جاذب نظر سمجھتا اُٹھا لیتا اور ایک پرستش طویل ایک سکون منجمد سے پرستش کرتا اسقدر پرستش کرتا کہ وہ تصویر اُسکی نظروں میں حرکت کرتی اور بولتی دکھائی دیتی اور وہ اُس سے اپنے اوہام باطلۂ اپنے تخئیلات نادرہ کا نغمہ غایت الحاح نہایت تضرع قلب سے اُن الفاظ میں کہ جنہیں کسی کے تسخیر کرنے کا اثر پاتا چھیڑتا۔ یہ استغراقی کیفیت اسوقت تک مستولی رہتی جب تصویر ہاتھ سے گر ایک ہلکی سی صدا سے اُسے بیدار کرتی اور وہ سمجھتا کہ آہ یہ بھی میرے تخیل کا ایک ادنی سا کرشمہ تھا، پر وہ نہایت ہی متالم اور المناک ہوتا یہ ضرب اُسکے دلِ حزیں کے لیے بُری ہوتی اور ایک ہلکی سی چیخ سے دل ہی دل میں مقید رہنے والی آہوں کو آزاد کرتا۔

اگرچہ نصرت کا سرمایۂ ہستی، مونسِ تنہائی اس قابل تھا کہ دنیائے محبت و الفت کا پُتلہ وفا ہمدردی کا مرقع۔ لیکن نصرت اُسکی طرف مطلق التفات نہیں کرتا، اُسکی سچی محبت کو نفرت کی نظر سے دیکھتا۔ اُسکے جذبات کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا۔ مگر وہ وفائے عہد کا نمونہ کبھی اپنی خدمت گذاریوں میں کوتاہی نہ کرتا۔

ایک دن نصرت کے یہاں کچھ تقریب تھی اور احباب عزیز و اقارب کا اچھا خاصہ مجمع تھا نصرت موقع کا طالب کہ آج کسی نہ کسی کو اپنا دل نذر کردے۔ اسکا جنون اسقدر ترقی پذیر ہوا کہ بغیر سوچے سمجھے خواہ مخواہ اسیرِ الفت ہوگیا، اور آئندہ کامیابی کی دلخوش کن تدابیر میں مصروف۔ قسمت کہیے یا اتفاق وقت کہ وہ بھی کسی قدر اسکی جانب مائل دکھائی دیا۔ یہ ایسا امید افزا مسرت انگیز سین تھا کہ دل پر گہرا مرتسم ہو کر رہا۔

اب فکر یہ لاحق ہوئی کہ مجمع تو دو ایک روز میں پریشان ہو جائیگا نمعلوم کہ آئندہ کن کن مصائب سے دست و گریباں ہونا پڑے، در بدر یا زمیں کہاں کہاں کی ٹھوکریں نصیب ہوں عشق کے کرتب مشہور ہیں یا عشق میں اثر کیمیائی ضرور۔ مجمع تو پریشان ہوگیا لیکن نصرت کا گل سر سبد نصرت کے نخچیر لاغر جیدے نصرت کا ادھمان رکگیا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر نصرت نے اپنی بے سود کوششیں شروع کیں کہ آہوئے رم خوردہ رام ہو، اگرچہ وہ تغافل شعاریاں جو جنس لطیف کی جان ہیں

دیکھتا لیکن رہ گم کردۂ محبت، نصرت اسی کو مدعائے کامیابی خیال کرکے برابر وصال کی شوق افزا
تمناؤں میں محو رہنے لگا، آئندہ زندگی کی خیالی خوشنما عمارتیں بنانے میں وہ ایک فرد تھا۔ آخر
کب تک وہ بھی کہ جس پر نصرت مٹا ہوا تھا دوسرے کا شریک حیات تھا اپنے گھر چل دیا۔ اگرچہ یہ
صدمہ نہایت سنگین۔ دل شکن ضرور تھا لیکن فریب خوردۂ امید نے ضبط سے کام لیا۔ روزانہ
دیدار دوست میں کوئے جاناں کے چکر اپنا وسیلۂ کامیابی سمجھا۔ مگر اتنا ضرور ہوا کہ روزانہ کی
آمد و رفت سے نصرت پہروں خریدار دل کے کاشانہ کے سلے میں گھٹنوں بیٹھکر اپنے رفیق کیسے ایما حفظ
حسن و عشق سے گپ شپ کیا کرتا لیکن جب کبھی غور کرتا تو ساحل مراد کو اپنے سے دور پاتا۔ مگر بندۂ
امید نے مایوسی کو کبھی اپنے دل میں بھولے سے بھی جگہ نہیں دی اور دل کو یہی کہہ کر سمجھایا کہ ایک نہ
ایک دن شاہد مقصود کنار تمنا میں ضرور جلوہ افروز ہوگا۔ اور ہمارے دل بیتاب سے مست الست
بنائے گا۔ نصرت کی جنون خیزی خبط کے انتہائی نکتہ پر نظر آنے لگی بعض اوقات اسکی زبان سے
ایسے الفاظ نکل جاتے کہ جن میں اپنے آلام عاشقانہ اپنی حیات معاشقہ کا پہلو نمایاں طور پر
دکھائی دیتا۔ نصرت جو بخت برگشتہ کا مترادف یا ہم جنس ہے عین اس عالم میں جب کہ
اسکے داعیات روحی اسکے لیے بزعم خود پیام آور قلب محزوں تھے نصرت کے رقیب کو
شبہ سا ہوا اور اس نے ایک دن صاف صاف کہدیا۔ بہتر ہوتا کہ آپ اپنے پائے
طلب کو کوتاہ کرتے۔ عنان ہمت کو موڑتے، فرس محبت کو لگام دیتے۔ نہایت غمناک تھا
وہ نظارہ نہایت اندوہناک تھا وہ سین جب کہ غریب نصرت لاچار نصرت لاعلاج ہوکر سرد
آہیں بھرتا ہوا با دل ناخواستہ "بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے" کہتا ہوا واپس ہوا
ادھر نصرت کا سرمایہ انتہائی جبکہ اسنے نصرت کی بے التفاتیاں حد سے زیادہ گذرتی ہوئی
دیکھیں تو اپنے والدین کے گھر چلا گیا۔ یہ جانا ایسا تھا کہ جس میں تمنائے واپسی
نقش بر آب۔ یا عمارت ہوائی۔

بیچارہ نصرت گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے"
کہکر مایوسانہ زندگی میں اپنے بقیہ حیات کے دن بسر کرنے شروع کیے۔

محمد عبد الرزاق بسمل حیدرآبادی
(دار العلوم)

ذرۂ زمین پر کھڑا ہو کر اپنی ننھی ننھی آنکھوں سے اجرام فلکی اور دیگر سیاروں کی سیر ہی نہیں کرتا بلکہ ان کی پیمائش کرتا ہے' ان کو اپنے دماغ کی لیبوریٹری (کیمیا خانے) میں لے جا کر وزن کرتا ہے' ان کے اجزا کو الگ الگ کر دیتا ہے۔

جوں جوں انسان کے دائرۂ خیالات میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے توں توں اسکو گھر کی زندگی ایک نقطہ سی معلوم ہونے لگتی ہے' جو پہلے کئی طویل سالوں سے مرکب نظر آتی تھی' اس کا دائرۂ معلومات اسقدر وسیع ہو جاتا ہے کہ وہ کرۂ زمین کو قدرت کے سلسلوں میں شبنم کا ایک قطرہ سمجھتا ہے تب کہیں جا کر اس راز کا انکشاف ہوتا ہے' کہ یہ مٹی اور پتھر کے گھر بہت ہی عارضی اور ناپائدار ہیں' یہ رہنے کے گھر جسم کے گھر ہیں' جسم اور گھر دونوں ناپائدار اور فانی ہیں' لیکن روح غیر فانی ہے اسطرح انسان گھر میں بیٹھا ہوا بھی بے گھر ہو جاتا ہے' وہ جانتا ہے کہ یہ گھر میرا نہیں یہ رین بسیرا ہے' ؂

بھروسا کیا کروں دنیا کا میں اک شب کا مہماں ہوں
مسافر میں ہوں اور یہ ہے سرائے عالم فانی (قمر)

(۵)

سچا گھر تو وہی ہے جہاں ہمیشہ قیام' قرار اور امن ہے' مٹی کے گھر کا اور رہنا چند روزہ حالت ہے' آخر کوچ ہے' اسی طرح ذہنی اور خیالی گھر بھی پائدار نہیں' ان گھروں میں بھی ہم صدا نہیں رہ سکتے۔ گہری نیند کا ایک جھونکا ہمیں ان گھروں سے باہر نکال دیتا ہے' جس طرح جسم کے سبب ہمارا مٹی کے گھروں سے تعلق ہے اسی طرح ذہن کے ذریعہ سے ہمارا خیالی گھروں کے ساتھ رابطہ و واسطہ ہے' جب ذہن حالت خوابیدگی میں چلا جاتا ہے یا تھک جاتا ہے' یا کسی صدمہ کے باعث اپنی طاقت کھو بیٹھتا ہے تو ہم فوراً خیالی دنیا سے خارج ہو کر بے گھر ہو جاتے ہیں۔

ان خالی گھروں سے جب انسان کی تسکین نہیں ہوئی تو وہ اس گھر کی طرف منعطف ہوتا ہے جو اس کا وطن حقیقی اور مرجع اصلی ہے، جو ہمیشہ سے لگا رہا ہے جس سے ہم باہر نہیں نکالے جاتے، جہاں سہ امن، قرار، قیام اور حفاظت ہے۔

یہ سچا گھر "روحانی گھر" ہے، میرا اصلی گھر ہے، یہ صرف میری واحد ملکیت نہیں بلکہ ساری کائنات کا گھر ہے، سب ارواح اسی گھر کے اراکین ہیں جو زمانہ کی بندش مربع مستطیل اور سطح کی صورت سے معرا، گرمی سردی خزاں اور باد و باراں کے خوف و خطر سے محفوظ، گویا تمام مادی قفس کے عارضی دھندوں سے پاک ہے یہ گھر نور ہے۔ سُرور ہے۔ آبِ حیات ہے۔ اطمینان ہے۔ پاکیزگی ہے۔ ابدی ہے۔ ازلی ہے یہاں فنا کا خوف نہیں، موجِ حوادث کے خوفناک تھپیڑوں کا ڈر نہیں، شک و شبہ کا خدشہ نہیں، پراگندہ خیالات کا کھٹکا نہیں، جس نے اس گھر کو تلاش کر لیا وہ اصلی مسرت سے فائز المرام ہو گیا۔

شہریار (امرتسر)

غزل

شکریہ آپ نے تصویر جو بھجوائی ہے　　دل کے بہلانے کی صورت تو نکل آئی ہے
نہ کسی نے تجھے دیکھا نہ شناسائی ہے　　جس کو دیکھو وہ ترے نام کا شیدائی ہے
حق تو یہ ہے مری آنکھوں پہ نہیں کچھ موقوف　　ذرہ ذرہ تری قدرت کا تماشائی ہے
یاد آیا ہے عدم میں وہ مسیحا مجھ کو　　راہ مرقد سے نکلنے کی نکل آئی ہے
بتکدہ دیکھ لیا اب تو پہنچ جاؤں گا　　کعبہ جانے کے لیے راہ نکل آئی ہے

اے وفا آئینہ رہتا ہے مقابل اس کے
اچھی صورت بت کافر کو پسند آئی ہے

وفا صدیقی

حضرات' اسکول' اور کالج کی زندگی' جیسی کچھ بھی ہے' بس ہے' یہاں اس پر رد وقدح کی ضرورت نہیں' لیکن اس میں شک نہیں کہ روحانی جذبات سے تو بلاشک یکسر خالی ہوتی ہے'

حالانکہ ہم مسلمانوں میں اگر خصوصیت تھی تو صرف یہی تھی کہ غیر مادی ورروحانی قوا کبھی مادیات سے مغلوب ومقہور نہ ہونے پاتے تھے' غیر زبانوں اور اجنبی علوم کو بھی حاصل کرتے تھے۔ تو اس سے بھی تکمیل مدنیت کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوتی تھی'

آج کل یہ خیالات آنی والی نسلوں میں اگر ہیں تو خال۔خال۔ حالانکہ ساری قوم کو اسی مذاق ورنگ میں سرابور ہونا چاہئے تھا۔

بات یہ ہے کہ پہلے روحانی بزرگوں کی صحبتیں عام تھیں۔علوم دینیہ کا ہر مسلم گھر ایک مدرسہ تھا' اب یہ بات نصیب نہیں جسقدر روحانی صحبتیں عہد حاضر میں ہیں انمیں بھی سلف کے آثار تصرف وفیوض نادر ہیں

پس اس کمی کو دیکھکر میرے محترم دوست سید ظفر حسن علوی نے آئندہ نسلوں کو صالحین سلف کی صحبتوں سے قریب تر کرنے کیلئے جدید مذاق کے موافق سید ابو صالح عبد القادر جیلی کے حالات کو مختصراً جامع طریقہ سے پیش کیا ہے اور ان حالات کو چھوڑ دیا ہے جنکا تعلق خرق عادات سے تھا' قابل مولف کی یہ سعی جمیل لایق تشکر وتبریک ہے' طالب علم جماعت کی جانب سے میں مولف کا شکر گذار ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ جواہر ریزوں کو جمع کرکے ایک درجہ یاقوت بنانا کسقدر محنت کا کام ہے۔ وہ جو اس مختصر تحریر کو پڑھیں گے سمجھیں گے کہ اس کوزہ میں کسقدر بڑے بڑے سمندر متموج ہیں' ابو المعالی خلیقی دہلوی

ان خالی گھروں سے جب انسان کی تسکین نہیں ہوئی تو وہ اس گھر کی طرف منعطف ہوتا ہے جو اس کا وطن حقیقی اور مرجع اصلی ہے، جو ہمیشہ سے لگا ہوا ہے جس سے ہم باہر نہیں نکالے جاتے، جہاں سدا امن، قرار، قیام اور حفاظت ہے۔

یہ سچا گھر "روحانی گھر" ہے، میرا اصلی گھر ہے، یہ صرف میری واحد ملکیت نہیں بلکہ ساری کائنات کا گھر ہے، سب ارواح اسی گھر کے اراکین ہیں جو زمانہ کی بندش مربع مستطیل اور سطح کی صورت سے معرّا، گرمی سردی خزاں اور باد و باراں کے خوف و خطر سے محفوظ، گویا تمام مادّی قفس کے عارضی دھندوں سے پاک ہے یہ گھر نور ہے۔ سُرور ہے۔ آبِ حیات ہے۔ اطمینان ہے۔ پاکیزگی ہے۔ ابدی ہے۔ ازلی ہے یہاں فنا کا خوف نہیں، موجِ حوادث کے خوفناک تھپیڑوں کا ڈر نہیں، شک و شبہ کا خدشہ نہیں، پراگندہ خیالات کا کھٹکا نہیں، جس نے اس گھر کو تلاش کر لیا وہ اصلی مسرت سے فائز المرام ہو گیا۔

شہید (امرتسر)

غزل

شکریہ آپ نے تصویر جو بھجوائی ہے
دل کے بہلانے کی صورت تو نکل آئی ہے

نہ کسی نے تجھے دیکھا نہ شناسائی ہے
جس کو دیکھو وہ ترے نام کا شیدائی ہے

حق تو یہ ہے مری آنکھوں پہ نہیں کچھ موقوف
ذرہ ذرہ تری قدرت کا تماشائی ہے

یاد آیا ہے عدم میں وہ مسیحا مجھ کو
راہ مرقد سے نکلنے کی نکل آئی ہے

بتکدہ دیکھ لیا اب کہ پہنچ جاؤں گا
کعبہ جانے کے لیے راہ نکل آئی ہے

اے وفاؔ آئینہ رہتا ہے مقابل اُسکے
اچھی صورت بت کافر کو پسند آئی ہے

وفا صدیقی

حضرات "اسکول" اور کالج کی زندگی جیسی کچھ بھی ہے بس ہے، یہاں اس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ روحانی جذبات سے تو بلا شک یکسر خالی ہوتی ہے۔

حالانکہ ہم مسلمانوں میں اگر خصوصیت تھی تو صرف یہی تھی کہ غیر مادی و روحانی قوا کبھی مادیات سے مغلوب و مقہور نہ ہونے پاتے تھے، غیر زبانوں اور اجنبی علوم کو بھی حاصل کرتے تھے۔ تو اس سے بھی تکمیل مذہبیت کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوتی تھی۔

آج کل یہ خیالات آنے والی نسلوں میں اگر ہیں تو خال خال۔ حالانکہ ساری قوم کو اسی مذاق و رنگ میں سرا بور ہونا چاہیے تھا۔

بات یہ ہے کہ پہلے روحانی بزرگوں کی صحبتیں عام تھیں۔ علوم دینیہ کا ہر مسلم گھر ایک مدرسہ تھا اب یہ بات نصیب نہیں جسقدر روحانی صحبتیں عہد حاضر میں ہیں انہیں بھی سلف کے آثار تصرف و فیوض ندارد ہیں۔

پس اس کمی کو دیکھکر میرے محترم دوست سید ظفر حسن صاحب نے آئندہ نسلوں کو صالحین سلف کی صحبتوں سے قریب تر کرنے کیلئے جدید مذاق کے موافق سید ابو صالح عبد القادر جیلی رح کے حالات کو مختصر مگر جامع طریقہ سے پیش کیا ہے اور ان حالات کو چھوڑ دیا ہے جنکا تعلق خرق عادات سے تھا۔ قابل مولف کی یہ سعی جمیل لائق تشکر و تبریک ہے طالب علم جماعت کی جانب سے میں مولف کا شکرگذار ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ جواہر ریزوں کو جمع کر کے ایک درجہ یاقوت بنانا کسقدر محنت کا کام ہے۔ دوستو اس مختصر تحریر کو پڑھو اور دیکھو کہ اس کوزہ میں کسقدر بڑے بڑے سمندر موجزن ہیں۔ ابو المعالی خلیقی دہلوی

اذا رأیت بی طالبا فکن لہ خادما

مقدمہ

برادران ملت! کتب بینی نہایت شریف و حکیمانہ مشغلہ ہے، جمیع علوم و فنون مطالعۂ کتب سے وابستہ ہیں۔ خیالات میں روشنی اور علم و عقل میں بلندی اسی ایک شغل سے پیدا ہوتی ہے لیکن روح کو غذا پہنچانے والا عادت کو درست کرنے والا غیر محسوس اور یقینی طور پر شرافت نفس تک پہنچانے والا، صرف ایک علم تصوف ہے۔ اس علم میں جس قدر غور و خوض کیجئے اسیقدر عجیب و غریب اسرار منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس فن کی ابتدا صوفیائے عظام کے حالات و کلمات سے ہوتی ہے۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے "وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک" (ہم پیغمبروں کے حالات اور قصے تم کو سناتے ہیں کہ انکے حالات سے واقف ہو کر تمہارے دل میں ثابت قدمی و تقویت پیدا ہو) پس اس خیال سے میں نے نوجوان طلبا کے دلوں میں اللہ کی محبت کا شوق پیدا کرنے کے لئے انہیں کے مذاق تخیل کے موافق سیدی ابو صالح سید القادر [illegible] کے [illegible] اختصار کے ساتھ [illegible] کو [illegible] (۴۲) مواعظ کا خلاصہ [illegible] درج کیا ہے۔ اور سوانح نویسی کے اس طرز کو [illegible] بزرگان دین کے حالات لکھنے میں [illegible] برتا ہے کیونکہ [illegible] طبائع [illegible] قدیم طرز کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔

اگر یہ کتاب کارخ لائق رکھنے والوں کے سینوں تک پہنچ گئی تو بدوں اثر چھوڑے نہ رہے گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو میری خوش نصیبی ہے۔

سید ظفر احسن علوی

ابو صالح

فان لم تکن منہم فتشبہ بہم ... [illegible]

(اگر تو ان میں سے نہیں ہو تو ان کی محبت میں ان جیسا بن اور اس طبقہ کو جان و دل سے دوست رکھ)

شجرۂ نسب ولادت و وفات مزار

[illegible]

عبدالقادر جیلی کنیت ابو صالح سنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے ۵۶۱ سنہ ہجری میں انکا وصال ہوا، بغداد میں آسودہ ہیں مزار زیارت گاہ عالم ہے۔

(۲)

ایام رضاعت میں روزہ

ان کی والدہ کا بیان

آپ کی ولادت رمضان المبارک سنہ ۱ھ ہجری میں ہوئی، قدرتاً آپ دن بھر دودھ کو منہ نہ لگاتے تھے، جب افطار کا وقت ہوتا تب خود ہی پیتے تھے، یہ بات شہر اور برادری میں عام طور پر مشہور ہو گئی تھی کہ سیدوں میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو دن بھر دودھ نہیں پیتا، افطار کے وقت جب سب لوگ روزہ افطار کرتے ہیں تو وہ بھی پیتا ہے، اکثر عورتیں انکو دیکھنے آتی تھیں،

دوسرے سال

عجیب اتفاق ہوا، ابر آسمان پر محیط تھا، اہل شہر رمضان کا چاند دیکھنے نکلے بہت کوشش کی کہیں نظر نہ آیا، سب کو تردد تھا کہ کل روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں شب کو کوئی فیصلہ نہ ہوا اور نہ کہیں دوسرے مقام سے رویت ہلال کے

متعلق خبر آئی صبح کو بھی یہی تردد رہا اور شام تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا،
غروب سے قبل کچھ لوگ میرے پاس آئے کہ تم اپنے بچہ کا حال سناؤ
میں نے کہا کہ اس قدر تو کہہ سکتی ہوں کہ آج عبدالقادر نے، لیکن پہر
رات سے دودھ نہیں پیا، سننے والوں نے اظہار تعجب کیا بعد کو حالات معلوم
ہوئے کہ واقعی اس روز اور مقامات پر رویت ہلال کی بنا پر روزہ ہوا،

(۳)

مدرسہ

علمی بزرگی اور اشتغال

مختلف علوم میں ید طولےٰ حاصل تھا، اپنے قائم کردہ مدرسہ میں صبح سے
دوپہر تک، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام کا طالب علموں کو مروجہ طریق پر
درس دیا کرتے تھے، دوپہر کے بعد تفسیر حدیث، فقہ، کلام کے علاوہ
اصول، نحو، قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے،
فرمایا کرتے تھے کہ جو مسلمان مرد میرے مدرسہ کے دروازہ میں ایک دفعہ
داخل ہو جائیگا، امید ہے کہ خدا قیامت میں معاملہ کے اندر نرمی برتے،
امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مذہب پر فتوے
دیا کرتے تھے،

معاصرین پر تفوق

علمائے عراق کی یہ حالت تھی جب ان کے فتاوے پیش ہوتے تو وہ حسن
فہم اور پہلوئے استناد و قوت استدلال و فیصلہ پر حیران رہجاتے تھے،

ایک دفعہ

ان کے پاس ایک سوال آیا کہ ایک شخص نے تین طلاق کی قسم کھائی ہے
کہ اس کو ایسی عبادت کرنا ضرور ہے یا وہ ایسی عبادت کریگا کہ جس وقت

وہ عبادت کرے تو اس وقت دنیا کا کوئی شخص بھی وہ عبادت نہ کرتا ہو،
پس جواب میں بتلایا جائے کہ وہ کون سی عبادت کرے،
اکثر کیا قریب قریب تمام معاصرین اس کے جواب سے اپنے آپ کو عاجز
پاتے تھے، عبادت کا تعین نہیں کر سکتے تھے، انہوں نے جواب لکھدیا،
وہ شخص کہ معظمہ چلا جائے، اور اپنے لیے طواف کی جگہ کو خالی کرائے
اور تنہا سات طواف کرے، قسم اتر جائیگی

عبادت کا تعین

اس فرزانہ جواب پر اہل علم حیران رہ گئے، واقعی قسم کی شرط سن لینے کے
بعد ذہن خاموش ہو جاتا ہے، تاوقتیکہ خاص طور پر ذہن کو منتقل ہو جانے
کا ملکہ نہ ہو، خیال آسانی سے ادھر رجوع ہی نہیں ہوتا، (فوائد فضل ربی)

(۴)
ابتدائی حالات
(۱)

مجاہدات

خود انہیں حضرت کا بیان ہے،
کہ ابتدا میں مجھ پر بڑی بڑی کڑیاں پڑی ہیں، اور اس قدر بھاری
بھاری بوجھ ڈالے گئے ہیں، اگر پہاڑ ان پر ان کو ڈالا جاتا تو وہ پھٹ
جاتے، جب میں از زیادہ ماندہ ہوتا تھا تو پہلو کے بل زمین پر پڑجاتا تھا
اور فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا " پڑھا کرتا تھا تھوڑی
مشکل کے ساتھ آسانی ہو بلاشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے دیر میں جب سر اٹھاتا تھا
تو اپنے رب کا فضل شامل حال پاتا تھا، جو مشکل ہوتی تھی وہ باقی نہ رہتی
تھی، اب تک بھی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے،

(۲)

کوئی دکھ اور مصیبت ایسی نہیں جس کا میں مہمان نہ ہوا ہوں،

(۳)

ایک اون کا جبہ اور سر پر چھوٹا سا خرقہ اوڑھے رہتے تھے، پاؤں بھی برہنہ رہتے تھے، جن کی تراضح ہمیشہ کانٹے اور نوک دار پتھر کرتے رہتے تھے جب بھوک معلوم ہوتی تھی، تو تھوڑا سا سوکھے ساگ پات، اور ندی کنارے کی گھاس میرے لئے کافی ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالے کی جانب سے میرا حال درست کیا گیا،

(۴)

کبھی کبھی یہ حالت بھی وارد ہوتی تھی، کہ میں بے تاب ہو کر چلاتا اور غل شور مچاتا تھا، اور جدھر منہ اٹھ جاتا تھا ناک کی سیدھ بھاگتا پھرتا تھا

(۵)

مجھ کو ضرورت کبھی کبھی ننگا کر دیتی تھی، کبھی یہ ہوا، لوگ مجھ کو پکڑ کر شفاخانہ میں لے جاتے تھے، میں دیوانوں کی طرح رہتا تھا۔

(۶)

ایک دفعہ

ایسی حالت وارد ہوئی کہ لوگوں نے مجھ کو مردہ یقین کر لیا، غسال اور کفن آ گیا، غسل کے لئے مجھکو تختہ پر لٹا دیا گیا، کہ دفعۃً مجھکو ہوش آیا، اور میں اٹھ بیٹھا،

(۷)

ایک مرتبہ کئی دن سے کچھ کھانے پینے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، ایک شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے مجھکو ایک تھیلی دی، اس میں چند درہم تھے، میں نے وہ لے لی اور فوراً چند میدہ کی روٹیاں اور کھجور روغن کا حلوہ خریدا، اور کھانے

بیٹھا ہی تھا ننہ تک اٹھنے نہ گیا تھا کہ ہوا سے ایک پرچہ اڑتا ہوا میرے آگے آ پڑا، اسمیں یہ تنبیہہ تحریر تھی

تنبیہی تحریر

اللہ تعالی نے اپنی بعض آسمانی کتابوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ خواہشیں تو میں نے اپنے مخلوق میں کمزوروں کیلئے بنائی تاکہ طاعتوں میں اُن سے مدد لیں، جو زبردست ہیں، ان کو خواہشوں سے کیا واسطہ، چنانچہ میں کھانے سے دست بردار ہو گیا۔

(۸)

عراق کے میدان اور کھنڈر

انہی کا بیان ہے کہ پچیس سال تک جنگلوں اور غیر آباد مقامات ویرانوں میں پھرا ہوں، نہ مجھے کوئی خبر ہوتا تھا نہ میں کسی سے واقف ہوتا تھا مردانِ غیب اور جنوں سے ملاقات ہوتی تھی، جب میں پہلے پہل عراق کے میدانوں میں پہنچا تو خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، میں ان کو پہچانتا نہ تھا، موافقت اس بات پر ٹھہری کہ میں ان کی مخالفت نہ کروں میں نے اقرار کرلیا، ایک جگہ مجھکو بٹھلا گئے، اور یہ کہہ گئے کہ میں جبتک نہ آؤں یہاں سے نہ اٹھنا، چنانچہ میں سال بھر تک وہیں بیٹھا اور حاضر رہا۔ حضرت ایک سال بعد تشریف لائے، میں نے کہا کہ آپ بہت جلد آ گئے، چنانچہ وہ سال میں ایک دفعہ اسی مقام پر آیا کرتے تھے، اور ہر دفعہ یہ کہہ جاتے تھے، کہ جب تک ہم نہ آئیں یہاں سے نہ اٹھنا، اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا، چنانچہ پورے تین سال اسی حال میں مجھکو وہیں گذر گئے

(۹)

مداین کے کھنڈروں میں تین سال

انہیں کا بیان ہے، ایک سال مداین کے کھنڈروں میں مجاہدات سے اپنے نفس کو درست کرتا رہا، اور اس سال بنیاد کی سبزی کھائی پانی ترک کر رکھا تھا۔

دوسرے سال صرف پانی پیتا تھا اور کچھ نہ کھاتا تھا'
تیسرے سال نہ کچھ کھاتا تھا نہ پیتا تھا'

۱۰

موسم سرما کی ایک رات

خدا جانے کس تقریب اور کس وقت ایک دفعہ آپ ایک امیر کے محل میں شب باش ہوئے' احتلام ہو گیا آپ اٹھے اور دریا پر غسل کرائے پھر وہیں آئے اور سو گئے' پھر وہ خوابی ہوئی پھر اٹھے اور نہا آئے' یہاں تک کر پورے چالیس دفعہ یہی واقعہ گذرا' پریشان ہو گئے' کہ الٰہی یہ کیا غضب ہے آخر فرط خوف سے مکان کی چھت پر بقیہ رات ٹہلتے رہے'

(۱۱)

کثرت عبادت

ابوالفتح ہروی رح

کا بیان ہے کہ میں ۴۰ سال تک شیخ عبدالقادر جیلی کی خدمت میں رہا' ہمیشہ یہی دیکھا کہ برابر عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے' یہ بات عادت میں داخل تھی کہ جب وضو ساقط ہوتا' فوراً اس کو قائم کر لیتے تھے اور دو دو رکعتیں صلاۃ الوضو پڑھا کرتے تھے' عشا کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی خلوت میں چلے جاتے تھے صبح نمود ہوتی تو جماعت کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے' ایک دفعہ مجکو ان کی خلوت میں حاضر رہنے کی عزت حاصل ہوئی میں نے دیکھا کہ اول حصہ میں نفل نماز پڑھتے تھے' تہائی رات گذرنے کے بعد ذکر میں مشغول رہتے تھے جب رات کا دوسرا ثلث شروع ہو جاتا تو نماز میں قرآن کی تلاوت کرتے' اور سجدے بہت طویل کیا کرتے تھے گھنٹوں سر نہ اٹھاتے تھے' پھر تیسری ثلث میں صبح تک مشاہدہ و مراقبہ میں مصروف رہا کرتے تھے' دعا میں بہت ہی عاجزی کرتے تھے' بے حد گڑگڑایا کرتے تھے

(سلسلے کے لیے اکتوبر نمبر ملاحظہ ہو)

بلقیس:- جب تم ہر بات کا اسقدر اثر لینے کے لیے تیار ہو تو اس سے بدتر حالت ہو گی۔ آخر ہے کیا تمھارے لیے ہر چیز آفت کیوں ہو جاتی ہے۔

حسینہ:- میں کیا جانوں۔ یہی تو میں کہتی ہوں کہ ہر چیز میرے لیے مصیبت کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔

بلقیس:- جس چیز کو آدمی چاہے مصیبت سمجھ لے۔ ورنہ مصیبت کی کون سی بات ہے۔

حسینہ:- پیٹ بھرا بھوک کی تکلیف کیا جانے۔ تم پر میری ایسی گذرتی تو تم کو معلوم ہوتا۔

بلقیس:- ایک بھوک کی تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرے ندیدہ پن کی کہ جو چیز سامنے آئی اُس کو دل چاہنے لگا اور تڑپنے لگے۔ میں ہمیشہ سے کہتی ہوں کہ تمھیں عیش کی بے انتہا خواہش ہے اسی لیے اس کے نہ حاصل ہونے سے اسقدر تکلیف ہے۔ جس قدر عیش کی تلاش کم کرو گی اسی قدر تکلیف کم ہو گی۔

حسینہ:- یہ خوب کہا۔ زیادتی کمی کا تو اُس وقت ذکر ہو جب کوئی شے موجود ہو جب میرے سے وہ ہے ہی نہیں تو پھر اس کا کیا کہنا۔ زندگی بھر میں کون گھڑی میری عیش سے گذری۔ میرا دل یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالی ہے۔ مجھے نہیں معلوم میں کیا چاہتی ہوں عیش یا مصیبت۔

بلقیس:- اچھا جو کچھ ہو اپنے دل کی خالی جگہ ان خیالات سے نہ بھرو تمھیں یاد نہیں کہ چچا جان سے تم نے کہا تھا کہ مردوں کے ظلم کا میں مقابلہ کروں گی کیا مقابلہ اسی طرح کرو گی ایک کی لونڈی نہ بنیں دوسرے کی بن جاؤ گی۔

حسینہ:- دوسرے کی کس کی؟

بلقیس:- جن کے واسطے بیتاب ہو رہی ہو۔ یہی تو ہم عورتوں کی کمزوری ہے کہ مرد کا

ذرا رجحان اور محبت کی نگاہ دیکھی اور ہم بیتاب ہوگئے۔

حسینہ:- مرد تو عورت کا رجحان نہیں بھی دیکھتے جب بھی بیقرار ہو جاتے ہیں۔ آخر انھوں نے میرا کیا رجحان دیکھا۔

بلقیس:- تم پر تو عشق کا بھوت چڑھا ہوا ہے۔ تم سے کون تقریر کرے۔ اگر یہی بات ہے تو مقابلہ کرنے کا نام اب نہ لینا۔

حسینہ:- عشق وشق نہیں میں یہ سوچتی ہوں کہ بڑے میاں سے طلاق ہو جائے تو وقار سے میں شادی کرلوں۔ یہ مجھے چاہتے بھی ہیں خوب چین سے گذرے گی۔

بلقیس:- یہی تو میں کہتی ہوں کہ چین عیش پر تمھاری اسقدر کیوں رال ٹپکتی ہے اسکے پیچھے کیوں مری جاتی ہو۔ اور پھر کوئی بات دل میں نہیں رکھ سکتیں منہ سے کہہ دینا ضرور ہے۔

حسینہ:- پھر ایسے [illegible] کیوں چھیڑتی ہو۔ تم جانتی ہو جو میرے دل میں آتا ہے وہ بغیر کہے نہیں رہ سکتی۔

بلقیس:- اچھا تمھارا دل ہے۔

حسینہ:- تو [illegible] میں کیا کروں۔ کیا تمھارے دل میں کوئی ایسی باتیں ہیں جو تم نے کسی سے نہیں کہیں۔

بلقیس:- سیکڑوں ہزاروں ایسی باتیں ہیں۔ دل اپنے قابو میں ہے یا ہم دل کے قابو میں۔

حسینہ:- اچھا جو حالت آج کل میری ہے ایسی تمھاری حالت کبھی ہوئی تھی؟

بلقیس:- [illegible] دیئے ہیں میری یہ حالت کیوں ہونے لگی تھی۔

حسینہ:- تمھیں [illegible] آج تک [illegible] ہوئی؟

بلقیس:- [illegible] کرو۔ اچھا حسرت کی وہ غزل تو گاؤ۔

ہم پر [illegible] ہو [illegible] جب تو اچھا [illegible] بد ظن ہونے لگا

حسینہ نے اس غزل کے دو تین شعر قوالی کی دُھن میں گائے۔ اس کا گلا نور کا بنا ہوا تھا۔ جو چیز گاتی تھی کلیجہ معلوم ہوتا تھا کھینچے لیتی ہے۔ اپنی عادت کے موافق یکایک گانا چھوڑ کے کہنے لگی "مَیں حسرت کی عاشق ہوں۔

بلقیس:۔ اگر حسرت کی عاشق ہو تو اُن کی جاں فروشی اور ایثار بھی تو سیکھو۔ اس تعلق دُھن کا پکا کون ہوگا کہ صرف اپنے ایک خیال کے پیچھے قید کی سختیاں برداشت کر رہے ہیں۔ تم تو فقط مُنھ سے کہتی ہو مَیں بیشک حسرت پر عاشق ہوں مجھے اُس عورت پر رشک آتا ہے جو اُس کی بیوی ہے۔

حسینہ:۔ تمھارے میاں تو حسرت کے بہت خلاف ہیں۔

بلقیس:۔ وہ تو اس لیے خلاف ہیں کہ اُس کو انگریزیت ناپسند ہے اور آزاد طبیعت رکھتا ہے۔ تمھارے شوہر صاحب تو انگریزیت کے دلدادہ ہیں وہی اُن کا قبلہ ہے اور وہی اُن کا کعبہ اس کے سوا نہ اُن کا کوئی اُصول ہے اور نہ کوئی دین و مذہب۔

باتیں کرتے کرتے دونوں عورتیں کچھ چُپ ہوئیں بلقیس کو اپنے میاں کا خیال آیا اس کی حرکتوں پر غور کرنے لگی۔ حسینہ کے دل میں کوئی خیال نہ تھا وہ تھک کے خاموش ہوئی تھی۔ جذبات کی گرمی بھی انسان کو تھکا دیتی ہے دس پانچ منٹ تک کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اسی حالت میں دونوں بیٹھی تھیں کہ یکایک اکبر اندر آئے آتے کے ساتھ ہی اپنے کپڑوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ بلقیس کو بیگم کہا کرتے تھے بولے "بیگم تم آدمیوں سے اچھی طرح کام نہیں لیتیں۔ مسز ریڈ کو دیکھو ان کے آدمی اشارے پر کام کرتے ہیں۔ مہینہ بھر ہو گیا میرے کپڑوں کو ہوا نہیں دی گئی۔ ڈریسنگ گاؤن معلوم نہیں کس طرح رکھا ہے۔ اسموکنگ جیکٹ پر برش مَیں نے دیکھا تھا نہیں کیا گیا۔ یہ کلام پورا ختم بھی نہیں ہوا تھا اور مخاطب جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ یکایک زور سے آواز دی "بوائے" باہر سے جواب آیا "صاحب" (انگریزی لہجہ میں) دیکھو ایسی غلطی مت کیا کرو یہ پہلی خطا تھی اس لیے معاف کر دی گئی۔ پھر ایسی غلطی ہوئی تو سخت سزا دی جائیگی۔

بلقیس:۔ کیوں کیا ہوا۔ آج بیرا پر عتاب کیوں ہے۔

اکبر:- آج اُس نے غضب کیا۔ مسٹر ریڈ مجھ سے ملنے آئے۔ سگار میں نے جو مانگا تو مدراس کے لغو سگار لا کر سامنے رکھدیے۔ ایک بکس ان سگاروں کا منگوا لیتا ہوں کہ ہندوستانی آدمی آتے جاتے ہیں ان کو دیا کروں۔ یہ کمبخت انگریز کے سامنے وہی لے کر چلا آیا حالانکہ بلیک ہیوانہ اور اسپانڈ ڈاگ کثرت سے رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے سخت ذلت ہوئی۔

بلقیس کا دل جل کے خاک ہو گیا۔ چونکہ ابھی اسی قسم کا ذکر ہو رہا تھا اور اکبر کے چھچھورے پن پر وہ غور کر رہی تھی اس لیے بلقیس کے دل پر اس گفتگو نے خاص طور پر بُرا اثر پیدا کیا۔ کہنے لگی "تمھارا بس نہیں ہے نہیں تو تم اپنا نام اور اپنی ولدیت تک بدل دیتے اور یوروپین بن بیٹھتے۔ اس ذلت کی کوئی انتہا ہے کہ خود اپنے آپ کو کوئی ذلیل سمجھے۔

اکبر:- یہ کیا معنے۔

بلقیس:- تم ہندوستانی کو ذلیل سمجھتے ہو حالانکہ خود ہندوستانی ہو۔ تمھارے ذلیل سمجھنے سے ہندوستانی تو ذلیل نہ ہو گا البتہ اپنی ذلت کا تم اقرار کر لیتے ہو۔ تمھاری ان باتوں سے مجھے سخت نفرت ہوتی ہے۔ خدا کے واسطے میرے سامنے آکر تو ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ دیکھو تمھاری ضد میں میں میموں سے ملنا جلنا ترک کر دوں گی۔ تمھیں معلوم ہے میرا قصد ہے کہ دیسی چیزوں کے سوا کوئی غیر ملکی چیز جہاں تک ممکن ہو نہ استعمال کروں۔

اکبر:- یہ بیہودہ خیال تمھارے دماغ میں کس نے بھر دیے۔ خیر میں تم سے پالیٹکس پر بحث کرنے نہیں آیا تھا۔ میں دو دن کے لیے باہر جا رہا ہوں شکار کے واسطے۔ میری چیزیں درست کر دو۔

اکبر اس قسم کی باتوں کو ہمیشہ پالیٹکس کہا کرتے تھے۔ اور کبھی انگریزی کی بُرائی کو لغو داستاں سمجھتے تھے۔

جب اکبر چلے گئے تو حسینہ نے بلقیس سے کہا "تم اپنے میاں کو سخت سست کہہ لیتی ہو مگر وہ تمھیں اتنا چاہتے ہیں کہ بُرا نہیں مانتے جواب تک نہیں دیتے"

بلقیس (ہنس کر جھلا کے) ان کو اپنے چاہنے سے کب فرصت ہے کہ دوسرے کو چاہیں گے۔

حسینہ :۔ مجھے تو ان کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ خود چین سے رہتے ہیں بیوی کو چین کراتے ہیں۔ سب سے ملنا جلنا۔ بیوی کو ملانا۔ سیر تفریح کرانا۔ ہر طرح کا لطف اور عیش یہ ہی زندگی کا مزا ہے۔

بلقیس :۔ بالکل تمہاری ایسی طبیعت ہے تمہیں کیوں نہ اچھے لگیں گے تم ان کی بیوی ہوتیں تو تم سے خوب بنتی۔ اچھا اب مجھے خوب یاد آیا تم کو وقار بھائی سے جو محبت ہے اس کو اپنے دل سے نکال ڈالو وہ اس منش کے آدمی نہیں ہیں عشق پرستی تو ان میں چھو کو نہیں گئی ہے میں جانتی ہوں کہ وہ دھوکے میں ہیں تمہارے سمجھنے میں انہوں نے غلطی کی۔ تم کو وہ اگر جان جائیں تو تمہاری طرف رُخ بھی نہ کریں۔

حسینہ :۔ تو میری قسمت سے وہ بھی بڑے میاں کے ایسے ہیں نہیں وہ ایسے نہوں گے۔

بلقیس :۔ اچھا اُنھیں آ لینے دو۔ میں اس معاملہ کو صاف کر دوں گی۔

(۱۰)

وقار حسینہ کی صورت ہی پر عاشق تھا۔ اس کے مزاج اور طبیعت سے اس کو بالکل واقفیت نہ تھی۔ حسینہ کے حُسن اور دل آویز شوخی نے اُس کے دل پر غیر معمولی اثر پیدا کیا تھا۔ وہ اپنے اصلی رجحان طبیعت کو بھول گیا تھا۔ وہ محبت میں گرفتار نہ تھا بلکہ از خود رفتہ سا ہو گیا تھا حُسن کی چمک دمک نے اس کی آنکھوں کو اس درجہ چکا چوند میں ڈال دیا تھا کہ وہ کچھ دیکھ نہ سکا۔ اس اثر کے زائل ہونے سے قبل چونکہ وہ چلا آیا تھا اس لیے نقش دل پر وہی قائم رہا اور یہ ہی اُسے بے چین کیے ہوے تھا۔ وہ صرف یہ ہی جانتا تھا کہ حسینہ ایک حسین عورت ہے اس کی ذات کا وہ شیدا نہ تھا صرف حُسن کا شیدا تھا۔ دو مہینے بےچینی سے اُس نے بمبئی میں کاٹے رخصت ختم ہونے پر وطن واپس آیا۔ بلقیس کے گھر بلقیس سے مجھو یا حسینہ سے ملنے گیا۔ اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اکبر کا ذکر آیا۔ اُن کے انداز اور طریقوں سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ کسی عورت کا ذکر بلقیس نے کیا جس کی عادتیں ہو بہو وہی تھیں جو حسینہ کی تھیں۔ وقار نے سخت ناپسندیدگی ظاہر کی۔ بلقیس نے یہ ذکر حسینہ کو سُنانے کے لیے کیے تھے کہ وقار کی طبیعت کو اچھی طرح

وہ جانچ رہے بلقیس کو تعجب ہوا۔ کہ حسینہ کی طبیعت ان باتوں سے ہٹی نہیں بلکہ برخلاف اس کے اس نے یہ اندازہ کیا کہ حسینہ کے دل میں وقار کی عزت کچھ زیادہ ہو گئی۔

دو تین روز بعد وقار سے تنہائی میں بلقیس نے حسینہ کے سب حالات بیان کیے اس کے مزاج کی کیفیت اس کی خواہشات رجحان طبیعت وغیرہ کوئی بات اس نے چھپائی نہیں من وعن کہہ دی۔ کہنے کے بعد اس نے جانچنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔ حسینہ کے نام سے وہ ہی بحالی اور بشاشی اس کے چہرہ پر آیا کی۔ گفتگو ختم ہونے کے بہت دیر بعد اس نے بلقیس سے کہا "مجھے ایک بات یہ بتادو کہ میرے ساتھ حسینہ کو کچھ اُنس ہے"

بلقیس :۔ اُنس تو ضرور ہے بلکہ مجھے تعجب ہے تمھاری طبیعت کی کیفیت سن کے بھی وہ کچھ گھبرائی نہیں حالانکہ تمھاری طبیعت اسکے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔

وقار :۔ وہ محبت کی بھوکی ہے جو کچھ برائیاں اس میں ہیں وہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ اس کا کوئی چاہنے والا نہ تھا اور وہ کسی کو نہیں چاہتی تھی۔ محبت جانور کو آدمی بنا دیتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی حسین عورت بری کیونکر ہو سکتی ہے۔

بلقیس :۔ خیر یہ تو تمھاری حماقت کی باتیں ہیں حسن سے اور مزاج وطبیعت سے کیا تعلق ہاں محبت کو جو کہا اسکو میں نہیں جانتی ممکن ہے ایسا ہی ہوتا ہو۔

آٹھ دس روز کے اندر حسینہ کی حالت میں ایسا تغیر ہوا کہ کوئی دیکھتا تو کبھی نہ کہہ سکتا کہ یہ وہی شخص ہے۔ نہ اس میں وہ شوخی اور تیزی باقی رہی تھی نہ بیباکی۔ یکایک ایک سنجیدہ اور بردبار عورت ہو گئی۔ جسم کی آراستگی کی پرواہ اسی وقت ہوتی تھی جب وقار آتا تھا وہ بھی اسی قدر کہ اگر وقار کی نظر پڑے تو صورت بھیانک نہ معلوم ہو اب وہ پہلے کی طرح دروازہ کے پاس آکر اس سے گفتگو بھی نہ کرتی تھی البتہ یہ ضرور کرتی تھی کہ اپنی صورت وقار کو کسی نہ کسی طرح دکھلا دیتی تھی یہ بھی اس وجہ سے کہ جس دن وقار اس کو نہ دیکھتا تھا تو بہت ملول واپس جاتا اور اس کو ناخوش کرنا وہ گوارا نہ کر سکتی تھی دوسرے

یہ کہ خود بھی دل چاہتا تھا کہ اپنے چاہنے والے سے آنکھیں دو چار کر لیا کرے۔

وقار کو یہ معلوم کر کے کہ حسینہ کے مزاج میں تغیر ہوا ہے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کو میرے ساتھ محبت ہے۔ کیونکہ وہ بلقیس سے کہہ چکا تھا کہ محبت جانور کو آدمی بنا دیتی ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے۔ اس کو اب حقیقی طور پر حسینہ سے محبت ہو گئی جس طرح دنیا کی ہر حقیقت کی توضیح کرنا ایک امر ناممکن سا ہے اسی طرح اس بات کی وجہ بتانا کہ فلاں شخص کو فلاں کے ساتھ کیوں محبت ہو گئی سخت دشوار ہے کہنے کو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقار حسینہ کے حُسن پر فریفتہ ہوا اس لیے محبت ہو گئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیوں فریفتہ ہوا بہت سے اس کے عزیزوں نے اس کو دیکھا تھا۔ بہتوں کی صورت اچھی بھی معلوم ہوئی ہو گی مگر کوئی از خود رفتہ نہ ہو گیا۔ اس کے حواس کیوں جاتے رہے حالانکہ یہ پڑھا لکھا سمجھدار دنیا کی اونچ نیچ دیکھنے والا اوروں سے زیادہ تھا۔ علم النفس کے ماہرین نے سب کچھ کیا مگر یہ راز اسی طرح اب بھی سربستہ ہے جیسے پہلے تھا۔ وقار کی یہ حالت ہے کہ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ حسینہ کا نام آ جاتا ہے تو قلب کی حرکت دوگنی ہو جاتی ہے۔ چہرہ بشاش ہو جاتا ہے۔ دن بھر اس کے خیال میں ہزارہا منصوبے باندھتا ہے۔ کمرہ میں اکیلا لیٹا ہے سوچنا شروع کیا فوراً حسینہ کی صورت سامنے آ گئی۔ اُس سے عالم خیال میں کہا "کیا میری زندگی اسی طرح کٹے گی تو میری نہ ہو گی" وہ شرما گئی۔ بار بار پوچھا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ خفا ہو کر مُنھ پھیر لیا۔ یہ اُس پر گراں ہوا بے اختیاراً اس نے گلے میں ہاتھ ڈال دیے اور ایک رُخ سے چہرہ سینہ پر رکھ دیا۔ آنکھیں چار نہ کیں۔ اور جواب اب تک نہ دیا۔ پھر اصرار سے پوچھا جھنجھلا کے بولی آخر کیا چاہتے ہو اور کس طرح تمھاری ہو جاؤں۔ اسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے پھر دوسرا خیال بندھتا ہے۔ اسی طرح تیسرا چوتھا غرض کہ ایک سلسلہ لا متناہی ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔

غور سے دیکھو تو یہ بھی ایک عجیب تماشا ہے بابا وجہ ایک اچھے خاصے ذی عقل و ذی فہم شخص کو ایک دوسرے شخص کی صورت حسین معلوم ہوئی اپنی ذات کو اس پر قربان کرنے لگا یہ تو ایک بات ہوئی دوسرا تماشہ یہ کہ سلسلہ محبت قائم ہوتا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ دونوں کے

قالبوں میں بجلی کی بیٹریاں رکھ دی گئیں اور ایک دل دوسرے سے براہ راست پیام سلام کرنے لگا۔ ادھر وقار بیقرار ہوا اُدھر حسینہ کا دل بیچین ہونے لگا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ یہاں تک کہ حسینہ کی طبیعت ناساز ہوئی اس کا فوراً اثر وقار پر بھی ہوا وہ بھی بیمار ہوگیا۔ اس سے انکار کرنا مشکل ہے کہ انسانی بلکہ کہنا چاہیے حیوانی دماغ میں ایک دوسرے کے درمیان ایک رابطہ ہے جس کی تحقیق اسیقدر ضروری ہے جتنی کہ دوسری معلوم کی ہوئی قوتوں کی۔

بلقیس بھی بیٹھے بیٹھے ان تماشوں کو دیکھتی تھی وہ زیادہ متعجب اور حیران حسینہ کی کایا پلٹ سے تھی۔ منھ سے نہ بولتی تھی مگر دل ہی دل میں کہتی تھی کہ واقعی مرد کا اثر عورت پر بہت قوی ہوتا ہے شاید عورت کا اثر مرد پر اتنا زوردار نہوتا ہو ممکن ہے کہ بلقیس کا یہ خیال صحیح ہو لیکن اثر زیادہ تر اثر لینے والے کی اہلیت اور استعداد پر منحصر ہے حسینہ میں اثر قبول کرنے کی استعداد بدرجۂ کمال موجود تھی وہ بقول وقار محبت کی بھوکی تھی" شوخی بیباکی یا عیش پرستی انسانی چال چلن کا اتنا استوار جز نہیں ہے کہ بڑے بڑے اثرات کا مقابلہ کرسکے۔ دیگر جذبات کے وفور میں اس کا دب جانا یا فنا ہو جانا غیر ممکن نہیں ہے۔

کون ہے جس کو عاشقوں کی دلفتگیوں کا تماشا اچھا نہ معلوم ہوتا ہو بلقیس بھی ان عاشق معشوقوں کی کیفیات سے بیحد دلچسپی لیتی تھی۔ چونکہ حسینہ اب اپنی حالت کو چھپاتی تھی۔ اس لیے اب اس کے متعلق اس سے وہ گفتگو نہیں کرتی تھی بیٹھے بیٹھے خالی سیر دیکھتی تھی۔ ایک روز ایک نظارہ بہت پرلطف تھا۔ وقار کمرہ میں تھا حسینہ باہر صحن میں بیٹھی تھی۔ بلقیس کمرہ کے مقابل والے دالان میں تھی۔ وقار دروازے کی دراز سے دیکھ رہا تھا حسینہ کی نظر بھی اسی پر جمی ہوئی تھی ہر ایک کی نگاہ پوشیدہ آرزوؤں کا دفتر تھی۔ بلقیس کو دل لگی سوجھی پھیر کھائے کمرے میں اس طرح چپکے سے گئی کہ دونوں میں سے کسی کو خبر نہ ہوئی۔ آہستہ آہستہ دبے پاؤں جاکے وقار کے عین سر پہ کھڑی ہوگئی۔ وقار کو مطلق خبر نہ ہوئی حسینہ کا سامنا تھا اس کو اشارا کیا اس نے مسکرا کے منھ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ وقار اب بھی کچھ

نہ سمجھا۔ دو ایک منٹ اسی حالت میں گذر گئے۔ آخر حسینہ کو تاب نہ ہوئی بے اختیار ہنسنے لگی۔ اب وہ چونکے تو دیکھا بلقیس سر پہ کھڑی ہے کہنے لگی کیوں بھائی صاحب اب آپ چوروں کی طرح جھانکا کرتے ہیں۔ بے شرط کہ میں مولوی صاحب سے کہلا بھیجوں ادھر تو وقار جھینپے ادھر حسینہ بھاگی۔ بلقیس نے کہا "محبت میں آدمی بہت ذلیل ذلیل باتیں کرنے لگتا ہے" وقار اس وقت مذاق کی طرف مائل نہ تھا ممکن تھا جس طرح مذاق میں بلقیس نے کہا تھا وہ بھی اسی طرح کوئی جواب دے کے ٹال دیتا۔ بجائے اس کے وہ بالکل سنجیدہ ہو کر بجاجت سے کہنے لگا "میں کیا کروں حسینہ کو دیکھ کر میرے حواس بجا نہیں رہتے۔ میں مجبور ہوں" یہ بات اس قدر فریادی لہجے میں کہی کہ بلقیس کو ترس آگیا زیادہ اس نے نہ چھیڑا وہ بھی سنجیدہ ہو گئی اور کہنے لگی آخر آپ سوچتے نہیں کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ میں آپ دونوں کا حال دیکھ کے پریشان ہوں۔ اگر اس کی خبر مولوی صاحب کو ہو گئی تو میں سوچتی ہوں تیرے واسطے کیا ہو گا پہلے ہی مجھ پر الزام کیا کم تھا اس حالت میں تو منہ دکھانے کے لائق نہ رہونگی۔

عالت عشق میں مرد عورت سے زیادہ عاجز و مجبور ہوتا ہے وقار نے جواب دیا "تو تمھیں بتاؤ میں کیا کروں"

بلقیس:۔ تو آپ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں حسینہ کا مولوی صاحب سے طلاق لینا اور آپ سے شادی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

وقار:۔ اس میں کیا شک ہے مگر میں ہر کام کے واسطے تیار ہوں۔

بلقیس:۔ اگر آپ کسمسائے تو پھر آپ سے زیادہ ذلیل کوئی شخص نہو گا۔

وقار:۔ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے۔

بلقیس:۔ اچھا میں حسینہ کو بھی جانچ لوں اور پکا کر لوں تو آپ سے کہوں گی

آپ سمجھ لیجیے جو کچھ میں کروں گی جان پر کھیل کے کروں گی۔ اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے کچھ بھی پہلوتہی کی تو سمجھ لیجیے زندگی بھر میں صورت نہ دیکھوں گی۔

وقار: تم تو اس طرح کہہ رہی ہو کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھارا کام ہے تم میرا کام کرو گی میں یا حسینہ ایسے کمینے ہو جائیں گے کہ تمھیں پھنسا کر خود نکل جائیں گے۔

(باقی آئندہ)

عبدالوالی

غزل

نہ سمجھو رند بلا نوش و بادہ خوار مجھے — مئے محبت ساقی کا ہے خمار مجھے
ستم ہے رو کے وہ کہتے ہیں لاشِ دشمن پر — ملے گا اب نہ کوئی تجھ سا جاں نثار مجھے
پلائی پیرِ مغاں نے مئے محبتِ دوست — رہے گا حشر تک اس نشے کا خمار مجھے
نہ رکے جاؤں غمِ خلق دل میں اے ساقی — پلا شراب فقط وقتِ احتضار مجھے
برا ہو عشق کا دونوں کو کر دیا برباد — نہ صبر یار کو اب ہے نہ ہے قرار مجھے
عدو کا ہو گیا جب تو تو کیا ہنوز بھی سے لطف — اجل کا شام و سحر اب ہے انتظار مجھے
بہارِ باغ جوانی ہے تیرے حسن کی دید — دکھا دے شکل ذرا اے سمن عذار مجھے
قفس میں میں کوئی دم کا ہوں میہماں صیاد — دکھا دے آخری اس باغ کی بہار مجھے
مسیح وقت ہو آ جاؤ پرسشِ غم کو — ستا رہا ہے بہت قلب بے قرار مجھے
گلہ جو اُن سے کیا داغ دل کا یہ بولے — دکھا تو آج ذرا قلب داغدار مجھے
نہ دفن یار نے کی میری لاش قتل کے بعد — کہو کہ ڈھانک لے اب خاک روزگار مجھے

قمر خدا سے دعا ہے یہ بار بار مری
دکھا دے خواجۂ اجمیر کا مزار مجھے

قمر گیاوی

حبیب النبی خاں صاحب صولت (کلکتہ)

اُٹھا لکھتا ہوا الحمد للہ جب قلم میرا
تو گویا دستِ ربّ خود بن گیا دست رقم میرا

شکار یاس کیوں ہونے لگا کار اہم میرا
نہیں کیا دست ہمت گیر خود دستِ کرم میرا

ہے پامال تغافل آج جو نقشِ قدم میرا
دلِ عالم میں گاڑے گا یہی اک دن علَم میرا

جدا ہونے لگے گا جب یہ تنِ خاکی سے دم میرا
محبت بن کے ہر اک دل میں بس جائیگا غم میرا

فنا فی اللہ کی منزل سے بڑھ جائے قدم میرا
بقا میں مل کے خود معدوم ہو جائے عدم میرا

نمایاں جلوۂ توحید ہے ہر شعر سے اپنے
رہیں شانِ رحمانی ہے اندازِ رقم میرا

دمِ قطع منازل راہ توحید الٰہی میں
رہا منت کشِ شانِ رحیمی ہر قدم میرا

ہے مملو کی مری رشکِ شہنشاہانِ باہیبت
ہے مالک سروری بخشِ ملوکِ با حشم میرا

لبِ خاموش سعی دل کی ہر ساعت صدا یہ ہے
ترے ہی ہاتھ ہے اے چشمۂ رحمت بھرم میرا

تسلّی آکے پھر اے عاجزی دے ہمت دل کو
مقامِ صبر ہے پھر ڈگمگاتا ہے قدم میرا

بجا ہے ہر ستم خانے میں گر ہو اک ستم برپا
ستم نا آشنا کے آگے روتا ہے ستم میرا

پئے چشمِ بصیرت نقشہ ہائے عبرت افزا کا
ہے اک آئینہ ہر ہر دیدۂ نقشِ قدم میرا

منقش ہے ہو اللہ احد اخلاص کے دل پر
نفاقِ غیر سے کب رتبۂ ایماں ہو کم میرا

بنے کیونکر نہ اے قرآں ترے فیض ہدایت سے
صراطِ مستقیم سالکاں نقشِ قدم میرا

ادھر بھی اک توجہ اے عطائے شانِ رحمانی
کہ دل ظاہر پرستوں سے ہے پامالِ ستم میرا

کرم سے بابِ رزقِ خیر اے فتاح وا کر دے
کہ ظاہر میں نگاہوں میں بھی نقشہ جائے جم میرا

ڈبو دے مجھکو موجِ بحرِ رنگ کبریائی میں
نہ کبرِ غیر کے آگے الٰہی سر ہو خم میرا

ثوابِ حج اکبر کیوں نہ اب حاصل ہو گھر بیٹھے
کہ ہے لطفِ تصور سے حریمِ دل حرم میرا

کبھی جو دل مرقّع تھا تصاویرِ خیالی کا
تصور ہائے حق سے اب ہے وہ بیت الحرم میرا

حقیقت میں جفائے دوست اک ترکیب مہمل ہے
جفا کی دوست سے نسبت! یہ ایجادِ ستم میرا

کبھی پھسلا کبھی ٹھہرا کبھی جم جم کے پھر اُٹھا — صراطِ عشق میں بڑھتا گیا لیکن قدم میرا

تنگ ظرفی نے میری مجھکو رکھا دور منزل سے — رہا روزِ سفر سے ورنہ مقصد ہم قدم میرا

رہے یارب جہاں میں رہبر راہ وفا ہوکر — حفاظت میں تری رحمت کی ہر نقشِ قدم میرا

دعاے عجزِ دل اور چشمِ انصاف خداوندی — جہادِ نفس میں بس ہے یہ شمشیر دودم میرا

لیے ہوں اک جہانِ انقلاب اپنے درونِ دل — نہ کیونکر اہل دل سمجھیں غنیمت دم قدم میرا

سنبھالے کاش فتح باب رحمت آکے پھر اسکو — شکستِ دل سے پھر کچھ لڑکھڑا آتا ہے قدم میرا

لیا درسِ محبت دل نے اُس کی پاک اُلفت سے — رہے ظلِّ رحیمی میں بشیر محترم میرا

بشیر احمد[1] کہ صولت میرا اُستادِ محبت تھا

رہے گا حشر کے دن بھی خلیل محترم میرا

حکیم محمد رفیق ابراہیم صاحب رفیق لکھنوی

ہم کہ آئے تھے مے پرستی کے لیے — ہوگئے وقف بیخودی کے لیے

دل لیا تھا تو قدر بھی کرتے — یا کھلونا تھا دل لگی کے لیے

پڑ کے عشقِ بتان پرفن میں — لگ گیا روگ زندگی کے لیے

غیر کے سامنے مرا شکوہ — کیا قیامت ہے بیکسی کے لیے

رہ نہ جائے کوئی جفا باقی — تنگ ہے یہ ستم گری کے لیے

اے فلک اسقدر ستم کیتئی — رکھ اسے اور بھی کسی کے لیے

ہے تمناے رقیب وصل کی شب — چھیڑ اچھی ہے دل لگی کے لیے

ہے ازل سے دلِ حزیں اپنا — وقف تیری جفا کشی کے لیے

بعد مردن رفیق کچھ بھی نہیں

سب یہ جھگڑے ہیں زندگی کے لیے

---

[1] عزیزی بشیر احمد مبرور و مغفور کہ در عین جوانی وفات یافت۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

حکمت کا نصیحت آموز و دلچسپ رسالہ جو دنیاداری کے قواعد کا سبق دیتا ہے

(مع چند اور کے)

رسالہ امراضِ مخصوصہ مرد ماں اسکے اندر جوانی دیوانی کا پورا فوٹو کھینچا ہے۔ غلط کاریوں کے نقصانات پر مکمل بحث کی اور جماع وغیرہ کے قواعد کا بیان کیا ہے۔ اسکے اندر فوائد علاج بھی درج ہیں۔ حاجت مندوں کو مفت بھیجا جاوے گا۔

رسالہ امرت اسمیں کوی ونود وید بھوشن جناب پنڈت ٹھاکر دت شرماوید۔ کی مشہور ایجاد "امرت دھارا" کا مفصل بیان ہے۔ امرت دھارا نے اسقدر نام پایا ہے کہ اس کارخانہ کیواسطے تین لاکھ روپیہ کی لاگت کا ایک عالیشان مکان امرت دھارا بھون تیار ہوا ہے جسکی رسم افتتاح جناب ایف ڈبلیو کینوسے صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور کے مبارک ہاتھوں سے ادا ہوئی تھی۔ امرت دھارا کا کارخانہ کیواسطے ایک خاص ڈاکخانہ۔ امرت دھارا ڈاکخانہ ڈاک نے کھولا ہے۔ امرت دھارا بھون کے ساتھ کی سڑک کا نام کمیٹی نے امرت دھارا سٹرک رکھا ہے۔ امرت دھارا تقریباً کل امراض کا حکمی علاج ہے کھانے اور لگانے دونوں کام آتی ہے قیمت فی شیشی دو روپیہ آٹھ آنہ ؏ نمونہ صرف آٹھ آنے ۸؍ ایک بار ضرور آزمانا چاہیے مفصل حالات کے واسطے رسالہ امرت مفت بھیجا جاتا ہے۔

فہرست ادویات امرت دھارا اور دیش اپکارک اوشدھالیہ میں علاوہ امرت دھارا کے چار سو سے زائد ادویات اور تیار رہتی ہیں مشہور ادویہ کی فہرست مفت بھیجی جائے گی۔ اسکے علاوہ فہرست کتب بھی ہے۔ شریان کوی ونود وید بھوشن پنڈت ٹھاکر دت شرما وید دو درجن سے زائد عام فہم طبی کتب کے مصنف ہیں۔

دیش اپکارک اردو اس نام کا ایک ہفتہ وار (تھا۔ ہی پندرہ روزہ ہے) طبی اخبار شریان پنڈت جی کے قلم سے نکلتا ہے قیمت سالانہ ہے ششماہی ۸؍ سہ ماہی ۱۲؍ نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے۔

وید امرت یہ ماہوار چھوٹا سا طبی رسالہ ضروری صحت کے اصولوں کو سکھلانے والا ہے قیمت صرف ۸؍ سالانہ ہے اور نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا کل ایک ہی کارڈ سے منگوا سکتے ہیں۔

خط و کتابت و تار کا پتہ

امرت دھارا (برانچ) لاہور

جلد ۱ — دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء — نمبر ۵ — جلد ۱

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم۔ اے قاری (علیگ) خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

ماڈرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا
پبلشر محمد عباس حسین قاری — پرنٹر نواب علی
مقام اشاعت نیا گاؤں لکھنؤ
قیمت سالانہ ۲ — نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۵/

دلچسپ ناول اور افسانے

دولت عثمانیہ کے موروثی سہرے: یورپ کے جرائم پیشہ گروہ کی عیاریاں و چالبازیاں۔ تجربہ کار سراغرسانوں کا طریق ایک نہایت دلچسپ اور سنسنی خیز ناول قیمت علاوہ محصول ۱۲ر

ہاجرہ: ایک دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کے ترکی ناول کا ترجمہ قیمت ۱۲ر

جنگ جرمن و بلجیم: ۱۹۱۴ء کی مشہور جنگ کے ہولناک کارنامے ناول کے پیرایہ میں قیمت ۱۰ر

جرمن محکمہ جنگ کے اسرار: جرمن محکمہ جنگ کے اسرار کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب ہے قیمت ..... عہ

چابک سوار معشوقہ: گھوڑ دوڑ کی بدولت ایک رئیس کی تباہی و بربادی کا عبرت انگیز واقعہ قیمت ۹ر

طلسمی فانوس: انگلستان کے مشہور جادو نگار رینالڈس کے انگریزی ناول کا ترجمہ قیمت ... ۱۲ر

سرگذشت: رینالڈس کے دلچسپ و دلکش ناول میری پرائس کا ترجمہ قیمت ۱۰ر

جرمن جاسوس: جسمیں حال کی جنگ یورپ کے متعلق جرمن جاسوسوں کی ان تھک کوششوں کے تمام و کمال حالات جو دول یورپ کے خلاف کی گئیں نہایت پرلطف پیرایہ میں تفصیل وار درج ہیں وہ وہ اسرار جنگ انکشاف کے حالات پڑھکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کتاب میں حسن و عشق کے سچے جذبات بھی موجود ہیں کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے صفحات ۲۹۲ قیمت ۱۲ر

ماتر سیتن: بنگال کے جادو نگار بنکم چندر چٹرجی کی ناول بشاپرکشا کا اردو ترجمہ قیمت ۸ر

بنگالی دولہن: بنکم چندر کا مشہور بہترین ناول شوہر کی سچی محبت میں جذبات خودداری پیدا کرنے کا آلہ قیمت ۱۲ر

افسول: بالکل سچی سرگذشت اور تاریخی فسانہ غدر ۱۸۵۷ء کے ایک واقعہ کی دردناک تصویر قیمت عمر

زہرا: ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے قیمت ۱۰ر

نیرنگی دہر: مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف النسا کی کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب صفحات ۱۳۲ قیمت ۱۲ر

گودڑ کا لال: ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا طبعزاد فسانہ مصنفہ والدہ صاحبہ سید محمد فضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت .... عہ

وکرم اروسی: مہا کوی کالی داس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مترجمہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے قیمت عمر

تمنائے دید: مصنفہ محمد سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی ۱۰ر

جہاں آرا: شاہجہاں بادشاہ کی فاضل بیٹی جہاں آرا بیگم کی مفصل سوانحعمری مورخین یورپ کی نکتہ چینیوں کے جواب قیمت ۱۲ر

ایک شاعر کا انجام: حضرت نیاز فتحپوری کا مشہور اور مقبول عام ناول قیمت ۱۲ر

حاجی بغلول: مصنفہ منشی سجاد حسین صاحب مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ قیمت ۱۴ر

احمق الذین: " " " ۳ر

کایا پلٹ: " " " ۴ر

آوتیں: روحۃ الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں لکھا گیا ہے نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ: منیجر [illegible] تمدن۔ امین آباد نیا گاؤں لکھنؤ

دلچسپ ناول و فسانے

جمیلہ کی ناکامیابی بقول حسرت موہانی اس زمانہ کا بہترین ناول ہے جو کہ علیحدہ نہیں چھپا ہے۔ اسلئے جو صاحب اس لاجواب فسانے کو پڑھنا چاہیں انکو رسالہ معلومات کی مکمل پندرہ نمبروں کی جلد خریدنا پڑیگی کہ اسمیں یہ ناول چھپا ہے۔ ۔ ۔ ۔ عہ

ناولہاے قاری قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید سعادت شاہد رعنا جو دوبارہ چھپکر قدرشناسوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب ایک مجموعہ کی صورت میں چھپوالئے ہیں۔ ۔۔۳ صفحات کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی شامل ہے قیمت عہ

روح لیلیٰ یہ کتاب میری کوریلی کی مصنفہ ہے جسمیں ایک روحانی مسئلہ کو حل کرنیکی کوشش کی گئی ہے ایک شخص مردہ لڑکی کی روح کو اُسکی وفات کے وقت ایسا محبوس کر لیتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ماہر فلسفہ ہی ہے اور وقتاً فوقتاً اسکو زندہ کر کے اسکے ذریعے سے کام نکالتا ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

نادر بیان نہایت درد انگیز اور دلچسپ ناول ہے قیمت ۔ ۔ ۔ عہ

علمی ادبی و تاریخی کتب کا قابل قدر ذخیرہ

اخلاق محمدی اس کتاب میں طرز معاشرت ادب مجالس اخلاق کسب معاش ہمت و استقلال ہمدردی حقوق باہمی وغیرہ تمام صفات حسنہ کے متعلق آیات و احادیث جمع کرکے معہ اصل و ترجمہ کے طبع کی گئی ہیں علم اخلاق میں اس طرز کی کتاب آجتک طبع نہیں ہوئی مسلمانوں کیلئے اسکا مطالعہ مفید ہے قیمت ہر دو حصہ ۔ عہ

المدنیۃ والاسلام یہ کتاب ایک زبردست مصری فاضل محمد فرید وجدی کی تصنیف ہے مغربی تعلیم اور مغربی علوم و فنون کی بدولت جو شکوک اور شبہات مذہب کی طرف سے پیدا ہو رہے ہیں اور الحاد و دہریت کا جو سیلاب مغرب کی طرف سے چلا آ رہا ہے اُسکے استیصال کیلئے یہ کتاب آبحیات سے کم نہیں ہے عہ

حکمت عملی فلسفہ عملی پر مبسوط اور جامع کتاب ہے جسمیں افراد انسانی کی روحانی ارتقا کی تدابیر کے ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنیکے کے عامل بھی بیان کیے ہیں عورتوں کی تعلیم اور حقوق کی نگہداشت کا ذکر بھی موقع بموقع کیا ہے عبارت نہایت دلچسپ ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

علمی ادبی اور اخلاقی کتب کا قابل قدر ذخیرہ

مسلمان عورتوں کی بہادری نئی
اسلامی تمدن کے مبارک عہد میں جن مسلمان
عورتوں نے پالیٹکس میں حصہ لیا ہے اور
دنیا کے اوپر انتہائی شجاعت اور قومی ہمدردی
کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں انکے مفصل واقعات
اور سوانح قیمت . . . . ۲؍

تہذیب الاسلام جسمیں فلسفہ یورپ کی
تحقیقات موجودہ سائنس جدید کے انکشافات
کو اسلا[illegible] مسائل خفیہ کے ساتھ تطبیق اور
محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی
گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا
اصلی سبب بیان کیا گیا ہے . . ۸؍

چمنستان عرب غنچہ حج قرآن شریف
احادیث اور تواریخ سے حج مکہ معظمہ کعبہ مقدسہ
مدینہ منورہ اور عرب کے تاریخی جغرافیائی حالات
اس [illegible] میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج
کئے گئے ہیں [illegible] حج کی کتاب [illegible]
ہے قیمت . . . . عہ؍

آتالیق بی بی جس میں [illegible]
[illegible]

جذبات بھاشا بھاشا کے نکات قدرتی
مناظر کی تصویر کھینچنا اسکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے
خودداری حیا غرور حسن محبت و جذبات میں جنہیں
بھاشا کی شاعری کا ستون کھڑا ہے ساری آسانی
تشبیہات دلوں میں چٹکیاں لے لیتی ہیں جذبات
بھاشا میں ملک کے قابل انشا پرداز حضرت نیاز
فتحپوری نے ان دوہوں کے معنی بیان کئے ہیں ۱۲؍

مشاہیر مشائخ خاندانہائے عالیہ چشتیہ سہروردیہ
کے مشہور مشائخ کا مقدس تذکرہ . . ۸؍

انتخاب نوح دہلی کے ایک مشہور انشا پرداز
خاتون کے زور قلم کا تازہ کارنامہ آپ میں قابل
مصنف نے اپنے طبقہ کی جانب سے جنس کو رنگین دست
میں اپیل کیا ہے کہ اس غریب کی رائے کو بھی
قابل وقعت سمجھکر حاصل کر لیا جائے . . ۲؍

آثار خیر اسلامی عہد حکومت کے محکمہ پبلک ورک
مدرسوں، سڑکوں نہروں وغیرہ کے حالات عہ؍

حیاۃ النظیر مولانا حافظ نذیر احمد صاحب کے حالات ۲؍

تاریخ مذہب مذہب کی ابتدا اور ترقی کے حالات ۱؍

[illegible] [illegible] زندگی فی مبنیلہ عہد انقلاب
[illegible] فلسفہ کی سیری کا سفرنامہ عہ؍

[illegible] نیا گاؤں لکھنؤ

بیگمات کے پڑھنے کی دلچسپ کتابیں

معیشت و معاشرت انتظام خانہ داری اور روزمرہ کے اصول جو عورتوں کی صحت جسمانی قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں مصنفہ علیا حضرت فرمانروا بھوپال عہ

سبیل الجنان ایمان اسلام اور نماز روزہ زکوۃ حج پر حضور عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال عہ

تہذیب النسواں و تربیت الانسان امراض مخصوصہ نسواں کی بی احتیاطیں خانہ داری کی ضروری اور کارآمد باتیں مصنفہ بیگم صاحبہ بھوپال ۲

تعلیم اصول خانہ داری قصے اور کہانیوں میں نہایت ضروری تعلیم قیمت - ۱۲ر

ہدایات تیمارداری ڈاکٹری اصول کے مطابق تیمارداری کے ضروری طریقے ۲ر

تربیت الاطفال - - ۸ر

بچوں کی پرورش متعلق حفظان صحت عہ

عقیلہ بیگم کفایت شعار تعلیم یافتہ بیگم کے بغیر ایک بادشاہ کی سلطنت کا برباد ہونا۔ اور اسی کے انتظام کی بدولت ایک لکڑہارے کا ملک التجار بن جانا عجیب دلچسپ قصہ ہے ۳ر

[illegible] تعلیم کی ضرورت کا اظہار [illegible]

[illegible] **سوال** [illegible] **تاثیر صحبت** ۱۲ر

علمی ادبی اور تاریخی کتب کا ذخیرہ

رموز فطرت علم طبیعات علم طبقات الارض۔ جغرافیہ طبعی اور نباتات و سیارے کے ابتدائی و بنیادی اصول کی تشریح قیمت عہ

انسان انسان کی تشریح علمی رنگ میں ۸ر

گنج شائیگاں قدیم شاہان ایران سے لیکر اس وقت تک دنیا کی تمام سلطنتوں کے سکوں کی تصویریں ۱ر

رہنمائے تعلیم اصناف اور بہترین طریقوں پہ بحث کی گئی ہے طلبہ کیلئے رہنمائے تعلیم کا کام دیتی ہے ۴ر

حیات حافظ لسان الغیب حافظ شیرازی کے حالات عہ

جنگ روس و جاپان گذشتہ ہولناک جنگ کے حالات ۱۲ر

سیر یورپ ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال و ہائی نس نواب بیگم صاحبہ ریاست جنجیرہ کے سفر یورپ کا روزنامچہ معہ عکسی تصاویر شاں ہیں قسم اول ۔ دوم ۶ر

نیرنگ فرنگ فرانس کے انقلاب کی مفصل اور نہایت دلچسپ سبق آموز داستان عہ

محاصرہ دردانیال دردانیال کی مکمل تاریخ موجودہ جنگ کے معرکہائے دردانیال کی پوری حالت و انگریزوں کی واپسی و ناکامی کے واقعات نہایت خوبی اور تفصیل سے دکھائے ہیں ۱ر

تاریخ مسجد الحرام ۸ر **گھر کا رفیق** ۳ر

ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ تہذیب نسواں [illegible]

چاند سلطانہ ملکۂ دکن

سنبھل کر غش سے اک وارفتہ پھر محو تماشا ہے

ذرا اے حسن پھر رونق فزائے بام و در ہونا

طارق و ابن قاسم کی فتوحات۔ تیمور و نپولین کے کارنامے۔ سکندر و اکبر کی ہمتیں۔ محمودؔ و خالد کے جوش اسلامی۔ کسریٰ و جہانگیر کا عدل۔ حاتم و مامون کی سخاوت۔ سلیمان و خسرو کی اولوالعزمی۔ جولیس سیزر و ولیہ کی وسعت ملکی عبدالرحمٰن و عالمگیر کی آن بان دیکھنے اور ان صاحب ہمم و کرم شہریاروں کے گراں بہا تذکروں سے دلچسپی لینے والے اصحاب و افراد ذرا نظر کو وسعت دیں اور ایک نگاہ طبقۂ عالم کی اس معزز و دل آرا مخلوق پر ڈالیں جو سطح ارض پر صنفِ نازک کے نزاکت آسا اور لطافت بار نام سے پکاری جاتی ہے۔ اور جو چمن دہر کا ایک غایت درجہ خوشنما و نکہت بیز پھول ہے جس کے اعلےٰ سے اعلےٰ اور ممتاز سے ممتاز روشن کارنامے مردوں کی افسوسناک خود بینی و خود پرستی [illegible] خفا میں مستور و مخفی رہتے چلے آئے ہیں۔ تاریخ کے صفحات صنف نازک کی نگاریں خدمات سے مزین و مرصع ہیں۔ زمانے نے

بارہا تحسین و آفرین کی دلفریب و دلنشیں صدائیں جنس لطیف کے تابناک کارناموں پر بلند ہوتی ہوئی سنی ہیں۔ میڈم ڈی اسٹائل کی سحر کار لیاقت۔ سیفو کی معروف زمانہ قابلیت۔ ہائی پیشیا کا محیر العقول تبحر علمی۔ کیتھرائن کا تعقل انگیز عروج۔ ملکہ الزبتھ کے حوصلے۔ ارباب فکر و غور کی اب تک بصیرت افزائی کر رہے ہیں۔ بیورٹیا کی تفرز انگیز خدمات۔ اگسٹینا کی یادگار عالم جرأت اب بھی رگوں میں حرارت اور قلوب میں ہمت پیدا کر دیتی ہے۔ میدان جنگ کا ہیبتناک منظر اور غزالہ زوجہ شبیب کی اصالت و بسالت۔ قابل غور و تعمق ہے کہ عبد الملک کے تاج کا وہ لعل شبچراغ حجاج جس سے سارا عراق و حجاز کانپتا تھا۔ جو پولیٹکل دنیا کی بزم رنگیں کا بہار جلوہ تھا۔ جب بعض لڑائیوں میں سامنے آگیا تاب مقابلہ نہ ہوئی اور بارہا استقامت و پامردی پر ہزیمت و فراری کو مرجح و پسندیدہ قرار دینا پڑا۔ یہ اس شیر دل غزالہ کی حیرت انگیز جرأت کا ایک نقش رنگیں ہے۔ محاصرۂ دمشق کے وقت جب اسلامی خواتین مذلت گرفتاری سے دوچار ہوئیں اور استمداد و استعانت کی کوئی توقع بارگرن تک نہ دکھائی دی۔ اُسوقت سرمایۂ ناز اسلامی حضرت خولہؓ بنت ازور نے ایک آتشین تقریر کی جس کے چند فقروں نے آگ لگا دی۔ خیموں کی چوبیں لیکر مردانہ وار آگے بڑھیں اور آن کی آن میں تیس لاشیں گرا دیں۔ یہ وہ شاندار کارنامہ تھا جس کے مستانہ سرور نے مشہور یورپی مؤرخ ایڈورڈ گبن تک کے دماغ کو متاثر و متکیف کیا۔ اور وہ بدیں الفاظ ضیا بار توصیف و تمدیح کرنے پر مائل ہو گیا کہ "یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی۔ نیزہ بازی۔ تیراندازی میں ماہر و کامل تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک ترین مواقع پر بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ و مصئون رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں" سلطان علاء الدین خلجی نے کہا کہ اب کوئی ریاست ہندستان میں میرے سامنے اپنے یا سرکشی کرسکنے کی جسارت و ہمت نہیں رکھتی۔ قلعہ جالور کا

راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا۔ نہایت تمکنت وتکبر سے بولا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہوسکتا۔ سلطان برہم ہوا مگر ایک لفظ نہ کہا اور کہدیا کہ جالور کو مستحکم کرلو۔ دو تین ماہ بعد سلطان نے اپنی لونڈی گل بہشت کو سپہ سالار بنا کر مہم جالور پر روانہ کیا۔ گل بہشت فوج لیے ہوے برق وباد کی طرح جا پڑی۔ اور اس شان سے حملہ کیا کہ راجہ قلعہ بند ہوگیا۔ راجہ کو اس دلیری و بہادری کا گمان بھی نہ تھا۔ فتح ونصرت کی صبح طلوع ہوا چاہتی تھی کہ ایک فوری شدید وصعب مرض نے ایک ہی چرکے میں کام تمام کردیا۔ اسی طرح جون آف آرک کی شہرت انگیز اور معروف آفاق سپہ سالاری۔ معرکہ یرموک وقادسیہ میں عورتوں کی جانبازیاں اور خنساء وفارعہ کی ندرت نواز اور بدیع المثال رجزخوانیاں رضیہ ونورجہاں کے باوجود صد ہزار گونہ رعنائی ونزاکت شیر تلوار سے مار ڈالنے وہ سبق نہیں جن کو سہو کا پانی صفحہ دماغ سے زائل ومندفع کرسکے۔ امیر تیمور کے کشورستاں لشکر اور زبردست و بے پناہ افواج میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدان جنگ کے ہولناک معرکوں میں داد شجاعت دیتی تھیں۔ نبرد آزمائیوں میں شریک ہوتی تھیں۔ دلیروں سے مقابلہ کرتی تھیں۔ معرکوں میں گھستی تھیں تلواریں چلاتی تھیں نیزے لگاتی تھیں۔ تیر مارتی تھیں۔ غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کمزور اور عاجز نہ تھیں۔ تیموری کارناموں میں ان عورتوں کا ممتاز حصہ ہے۔ حمید بیگم نظام الملک مالک قلعہ دولت آباد کی طرف سے برضا ورغبت خود فوج لے کر نکلی جب عادل خاں کی فوج سے مقابلہ ہوا تو بذات خود مسلح وآمادہ ہوکر میدان میں آکر پہاڑ کی طرح عرصۂ کارزار میں ایستادہ رہی اور اس شیردلی وجرأت سے فوج کو لڑایا کہ بعد فرصت قلیل عادل شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا کہ سب ہاتھی اور توپ خانے چھوڑ گیا۔ اسلامی خواتین کی فقید المثال اور [illegible] وجانبازی کے یہ صدہا نمونے ہیں؟

بلکہ علی الدوام اربابِ ذوق کے مشامِ جاں کو تازگی بخشتے رہیں گے۔

غرض اُس نگارخانہ میں چاند بی بی کی دلکش و نظر آرا تصویر مخصوص و ممتاز حیثیت رکھتی ہے جس کے درخشاں کوائف و حالات کے تابندہ موتی یہاں پرونے منظورِ خاطر اور مدِ نظر ہیں۔ دکن کا نظام شاہی خاندان جس نے قریباً سوا سو برس نہایت کامرانی و عروج اور شان و اقتدار سے ڈنکۂ حکومت بجایا۔ اور جس کا دارالسلطنت شہر احمد نگر تھا۔ اُس کی ایک بہادر اور صاحب التدبیر شاہزادی چاند بی بی نے اس سپہر گوہر نگار کی سقف مینا رنگ کے نیچے اپنی مہتم بالشان زندگی کے وہ ممتاز اور اعلےٰ ترین نشان چھوڑے ہیں جن کی رنگا رنگی نے صفحاتِ تاریخ کو رشکِ گلزار اور اوراقِ بصیرت کو جوابِ تختۂ ارم بنا رکھا ہے جس کے غرابت انگیز اور طلسم آسا کارنامے آج بھی صاحبانِ خرد اور متلاشیانِ عبرت و سخن موعظت کے لیئے اپنے اندر بہت کچھ سامانِ عبرت و نصیحت رکھتے ہیں

یہ ملکہ حسین نظام شاہ کی دختر تھی۔ علی عادل شاہِ بیجاپور اُس کا شوہر تھا۔ ۱۵۴۵ء میں پردۂ عدم سے عرصۂ شہود میں آئی نظام شاہی اور عادل شاہی حکومتوں میں مراسم دوستی و مودت کے مستحکم و استوار بنانے کی خاطر چاند بی بی کا عقد ان میں لایا گیا۔ [illegible] شولا پور جہیز میں [illegible]

سنہ ء میں ابراہیم اُس کا برادر زادہ سریر سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ مگر مطابقتِ وصیتِ شاہ چاند بی بی کارہائے سلطانی و امورِ جہانبانی خود انجام دینے لگی۔ قلمدانِ وزارت کامل خاں کو عطا ہوا۔ نہایت شان و شکوہ اور جاہ و جلال کے ساتھ حکمرانی شروع ہوئی جمہور کے دل ہاتھوں سے لیے۔ چاند بی بی روزانہ قلعہ میں دربار کرتی تھی۔ امرا سلطنت و وزرائے مملکت نہایت آزادی و بیباکی سے [illegible] امور میں [illegible] تھے [illegible] حکومت [illegible]

میں تحرز و اعراض نہ برتیں۔ لیکن بیشتر اوقات ملکہ کی رائے نہایت صائب و دقیق ہوتی تھی اور وہی سب پر فائق و بالا رہتی تھی منصب وزارت کامل خان سے کشور خاں کو منتقل ہوا۔ اور جو شمع کل تک شبستان کامل خاں کو بقعہ نور بنا رہی تھی وہ آج کشور خاں کے دولتکدوں میں روشن کی گئی۔ لیکن دون فطرتی اور خباثت نفس نے نمکحرامی سے اُس کو آمادہ بغاوت کر دیا مصطفےٰ خاں اس سند کے لیے تجویز ہوا۔ کشور خاں نے خبر پاکر اپنی زبردست شخصیت و امیری سے متنفع ہوکر ملکہ پر الزام لگایا کہ وہ بیجاپور پر حملہ آوری کے لیے بھائی کو بلا رہی ہے اور نتیجتہ ملکہ قید کرکے قلعہ ستارہ بھیجدی گئی۔ اور آن کی آن میں ہمارے سلطنت کا ستارہ سر سے ہٹ گیا۔ چونکہ ملکہ کی ہردلعزیزی اور معدلت گستری نے رعایا کے دلوں پر جادو کے ڈورے ڈال دیے تھے لہذا فوراً ایک ہاہا مچ گئی۔ تمام امراء و وزراء اور اکابر و اصاغر برہم ہوگئے۔ نمک حرام کشور خاں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اور ملکہ کے فرق مؤقر پر پھر تاج خسروی رکھا گیا۔ ایک حبشی نژاد امیر اخلاص خاں کرسی وزارت پر متمکن ہوا۔ بدقسمتی سے اس وقت دو جماعتیں ہوگئیں جن سے بنیاد سلطنت کمزور و ضعیف ہونے لگی۔ اور سخت نقصان پہنچنا شروع ہوگیا۔ اس حالت اختلال و اضطراب نے اعداء حکومت کو تحریص دلائی۔ اور ایک غنیم نے تو یورش کردی۔ مگر چاند بی بی نے اپنی بے نظیر جرأت سے سخت شکست دی۔ اس شکست خوردہ غنیم نے سال بھر سے شدید محاصرہ کر رکھا تھا مگر چاند بی بی کی دلیری و بسالت نے منتشر اجزاء کو جمع کیا اور غنیم کے حوصلے پست کر دیے۔ ۱۵۸۵ء میں چاند بی بی کے بھائی نے ابراہیم کی بہن خدیجہ بیگم سے شادی کی۔ اور چاند بی بی بھی اُس کی معیت میں احمد نگر چلی آئی۔ اور مصمم ارادہ و عزم کر لیا کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھکر مطاوعت ایزدی خداوندی کی تسبیح [illegible] رست گی اور [illegible] اور اقربا

عشائر سے علیحدہ باری تعالیٰ عزاسمہ کی یاد میں حیات مستعار کی باقی گھڑیاں بسر کی جائیں گی۔ لیکن یہاں آکر احمد نگر عجیب ابتر و پریشاں حالت میں نظر آیا۔ اور اس جسد مجروح کے رگ و ریشہ سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں باپ بیٹے باہمدگر سخت معاند تھے۔ آخر مرتضیٰ کو جامۂ سُرخ پہننا پڑا۔ اور چاند بی بی کی جملہ مساعی نقش برآب ثابت ہوئیں۔ میران نظام شاہ نے باپ کو قتل و نہب سے سُرخرو کرنے کے بعد خود بھی وہی شربت نوش کیا۔ اس بدنظمی و افراتفری کے دور مضطرب میں بارسوخ گروہ نے مرتضیٰ کے برادر زادہ کو عنان سلطنت دی۔ جمال خاں نے عہدۂ وزارت پایا۔ اس بادشاہ کی شدید مخالفت کی گئی اور جمال خاں کو شکست بھی ملی۔ چاند بی بی سے بیڑے کی غرقابی نہ دیکھی گئی جس طرح امکان میں ہوا اُبھارا اور صلح کرادی۔

احمد نگر کی ناگفتہ بہ حالت دیکھکر اور اپنا اثر جاتا نہ پاکر بیجاپور معاودت کی۔ ابراہیم نے عزت کے ہاتھوں لیا قدر کی آنکھوں پر بٹھایا۔ ۱۵۸۷ء میں جب چاند بی بی چلی آئی تو احمد نگر کی حالت ایک افسانۂ درد اور داستان الم بن گئی۔ اس کعبہ میں جا بجا نئے بُت نظر آئے جن کے پرستار جداگانہ حیثیت واثر رکھتے تھے۔ ہر متنفس کا بت علیحدہ تھا۔

خون کی ندیاں بہ گئیں عذاب حشر اور نکالِ اُخروی کا نقشہ کھینچ گیا۔ برہان شاہ دعویدار سریر شہریاری اکبر کے پاس گیا۔ اور واپسی پر اپنے پسر اسمٰعیل سے لڑکر تخت خالی کرالیا۔ ۱۵۹۴ء تک ۱۵۹۵ء سے حکومت کے لطف اُٹھاکر جادہ نورد فنا ہوا۔ اس کے مرتے ہی ایک اہم واشد آفت کا سامنا ہوا۔ دو گروہ بہادر شاہ و احمد شاہ کو اپنے حسب منشا تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک نیا شاخسانہ پھوٹا اور ایک امیر منجھو نمودار ہوئے یہ [illegible] کے حامی تھے بہتی جاتی ندی دیکھکر

شاہزادۂ مراد کو گجرات سے اعانت و دست گیری کو بلایا۔ مراد چل کھڑا ہوا خانخاناں
بھی شاہرخ مرزا والی بدخشاں راجہ جگنّاتھ راجہ درگا راجہ رامچند راو دیگر امرا
کو لے کر روانہ ہوا۔ جب تیس ہزار فوج احمد نگر کے سامنے نظر آئی اب آنکھیں کھلیں۔
منجھو خاں تو قلعہ چھوڑ کر نکل گیا اور اپنی عجلت کاری پر سخت خجل و نادم ہوا۔ مشورت
سے قرار پایا کہ بجز چاند بی بی کوئی اہلیت و استعداد نہیں رکھتا۔ آخر عرض معروض کر کے
بلایا۔ وہ بھی آبائی حکومت کی کشتی ڈوبتی دیکھ کر ناخدائی پر تیار و آمادہ ہو گئی۔ گو
عمر پچاس برس سے متجاوز ہو گئی تھی مگر جوان ہمت تھی فوراً آتے ہی قلعہ مستحکم کرنے اور
مورچہ بندی میں مشغول و مصروف ہو گئی۔ گولکنڈہ اور بیجاپور سے امدادیں طلب کیں
استحکامات ہنوز مکمل نہونے پائے تھے کہ محاصرہ ہو گیا۔ خیال کرو کس قدر مصیبت و
اضطراب کا وقت تھا۔ بدنظمی۔ قلت افواج۔ زبردست لشکر کا مقابلہ۔ چاند بی بی نے بھی
حکم دیدیا کہ توپوں کے مُنھ کھول دیے جائیں۔ تمام دن کوشش کی مگر ملکہ نے ایک
قدم آگے نہ بڑھنے دیا۔ شام کو مراد تھک کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ تینوں محاصرہ رہا مگر قلعہ
کو ٹھیس نہ لگا سکے۔ جب کچھ بن نہ پڑا اور افواج امدادی کی آمد کا خطرہ ہو گیا تو پانچ سرنگیں
کھودی گئیں بارود بچھادی گئی۔ چاند بی بی کو خبر لگ گئی۔ اسیوقت بارود نکال کر
بھرنا شروع کیا۔ مراد تمام امرا و افواج کو لے کر قلعہ کے رُخ پر کھڑا ہو گیا۔ دو بھر چکی تھیں
تیسری بھری جارہی تھی کہ سرنگوں میں آگ لگادی گئی اس زور کا ایک دھماکا ہوا۔ کہ
لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا یا بجلی ٹوٹ پڑی۔ قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر گئی۔
سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوت اور مغلوں کی افواج لیے کھڑا نظر آیا۔ قیامت
ہو گئی۔ دل بیٹھ گئے۔ کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا۔ سپاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے
سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ غرض [illegible] یاس و بدحواسی پھیل گئی۔ ملکہ کی ہمت
و پامردی دیکھو! اسی وقت گھوڑے پر سوار۔ مسلح ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے چہرے پر سبز نقاب

سراپردہ سے باہر نکل آئی - جلدی جلدی بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں
کھڑی کر دیں - تمام افواج کو تسلی و طمانیت دے کر لڑنے پر آمادہ کیا۔ مغلوں اور رجپوتوں
نے جان توڑ توڑ کر حملے کیے۔ شاہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا۔ مگر ملکہ نے ایک انچ
بھی قلعہ نہ دیا۔ اور اس بے جگری و شجاعت سے فوج کو لڑاتی رہی - کہ قلعہ کی خندق
شام تک غنیم کی لاشوں سے پٹ گئی۔ رات بھر میں قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی گئی
صبح کو دیکھا تو وہی دیوار حائل تھی - اس زبردست فوجی انتظام کو دیکھ کر اکبری افواج
کے افسروں کی عقل دنگ رہ گئی - اور مخالفین و معاصرین کے منہ سے اس اولوالعزمی
و استقلال پر صدائے تحسین و آفریں بلند ہوگئی - اس ناکامیابی نے شہزادہ مراد کا
دل توڑ دیا۔ امرائے اکبری میں قوت مقابلہ نہ رہی ناچار صلح کرنی چاہی - اول ملکہ
نے انکار کیا کہ وقت فتح و نصرت قریب تر ہے مگر آخر قلعہ بندوں کی بےچینی و گھبراہٹ سے
مجبور ہو کر صلح کر لی اور برار حوالہ کر دیا۔ نظر غور سے دیکھو کیا اس سے بڑھ کر کسی عورت
کی دلیری اور اولوالعزمی ہو سکتی ہے۔ سلطنت کی بنیاد کمزور۔ ضعیف امراء و اعیان میں
منافرت و نفاق ملکت میں خانہ جنگیاں۔ افواج و سامان کی حوصلہ شکن قلت۔ قلعہ
کی دیوار شکستہ و منہدم۔ کوئی تحفظ و امن کا انتظام نہیں - اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں
سے ایسی صورت منتشرہ اور حالت متوحشہ میں غنیم کو ہٹا کر سراسیمہ کر کے قلعہ بچا لینا
مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی اور ادنیٰ کارنامہ نہیں - اس شہرۂ آفاق اور زبردست
ترین معرکہ سے چاند بی بی چاند سلطانہ مشہور ہوئی - اس وقت تک فوجی کارناموں
میں یہ معرکہ مخصوص امتیاز و شہرت کے ساتھ زبان زد خلائق ہے - یہ محاصرہ ۱۵۹۶ء
میں وقوع پذیر ہوا - اب وہ اطمینان سے انتظام سلطنت و درستی حکومت میں مصروف
ہوئی۔ ۹۷ء میں پھر اکبری لشکر ایک بھ[illegible]ت تعداد میں بہ سپہ سالاری
دانیال روانہ ہوا۔ محاصرہ ہو گیا۔ چاند سلطانہ نے جرأت و دلیری کے سکے بٹھا دیے

کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا مگر ادھر ایک عورت اور صرف ایک رہیل خاں اور اُدھر نصف درجن جاندیدہ فرسودہ کار زبردست افسر موجود۔ آخر مغل فوج کامیاب ہوئی۔ دوسرے نہنگ خاں کی حماقت و بےعقلی پر سخت برافروختہ اور متاسف ہوئی کہ بیٹھے بٹھائے نائرۂ غضب دانیال کو بھڑکا دیا۔ اب عالم یاس و اضطراب میں چاند سلطانہ نے جنیر کی جانب نکل جانے کا قصد و عزم کیا مگر حمید خاں معتمد کی رذائل بار طبع کی شرارت نے خبر اڑا دی کہ چاند سلطانہ مغلوں سے مل گئی ہے۔ سازباز رکھتی ہے۔ عوام و خواص نے بغیر تحقیق و ایقال اس آخری ذلت و لغزش کا اقدام کیا جس کی دردناک یاد برسوں دلوں کو خون کرکے آنکھوں سے بہاتی رہے گی۔ بدگہر حمید خاں عباس خاں کی معاندت و مخالفت کے باعث ہمراہی جماعت خطیر قلعہ میں گھس پڑا چاند سلطانہ نے اس صبر آزما اور زہرہ گسل نازک وقت پر بھی زبردست بچاؤ کیا۔ آخر عورت ذات اور تنہا اس ظلمت انگیز یکبارگی ٹوٹ پڑنے والی بجلی کا کیا دفعیہ و تدارک کرتی ستم کن حمید خاں نے وہ سرچشمہ گہوارۂ تدبر و فراست رد چکا تھا جس کی آہن تن آتش آفرینیوں نے اکبر اعظم کی جرار و قہرمان افواج سے خائف ہو کر سرزنش وار تعارض کا اظہار نہ کیا تھا بیدرد ہاتھوں سے اُتار لیا اور وہ مہر جہاں افروز جس کی مسرت ریز و نشاط افزا شعاعیں ایک عالم کو مستفیض کر رہی تھیں آج تپش مرگ سے حرارت بار ہو کر پردۂ غرب عدم میں روپوش ہو گیا۔ شمع بزم جہانبانی دفعتہً جھلملا کر خاموش ہو گئی عشرتکدۂ فہم و فکر میں ماتم کدۂ یاس و حرماں کی ہیبتناک تاریکی مستولی ہو گئی۔ اقتدار و تدبر اور امن و عیش کا بت سنگیں اپنے ممبر سے نیچے آ رہا۔

عباس خاں کو جو چاند سلطانہ کی بےنظیر شجاعت و دلیری سے کسب ہمت کرکے اس وقت تک نڈر دل [illegible] تھام میں مشغول و منہمک تھا جب یہ وحشت بلا اور ہوش ربا خبر پہنچی [illegible]

اور اُس کی شوائب زندگی کو دامن دہر سے دور کیا۔ کرنیل میڈوز ٹیلر انگریزی مورخ لکھتا ہے۔ کہ دکن کی ملکہ چاند بی بی صرف ملکۂ انگلستان کی (الزبتھ) ہمعصر ہی نہ تھی بلکہ اُسی صولت و دبدبہ اور شکوہ وجلال سے حکومت کرتی تھی۔ بارگاہ لم یزلی سے قلمرانی ولیاقت کا جوہر نادر واعلےٰ دونوں میں یکساں ودیعت کیا گیا تھا چاند سلطانہ کی وسعت ملکی اسیقدر تھی جتنی کہ کوئن الزبتھ کے زیرنگین تھی۔ مگر چاند سلطانہ ہزارہا تکالیف وحوادث کی متحمل ہو کر مشاکل و مصائب کی حوصلہ شکن دشواریوں میں پڑکر پیہم آفات وشدائد جھیل کر جب تک دم میں دم رہا۔ اپنی سلطنت اعداء کے زبردست پنجوں سے بچاتی رہی جس کی نظیر تاریخ ہند میں کیا تواریخ عالم میں بھی شاذ ہی نکلے گی "

ایکبار کا ذکر ہے کہ محافہ میں بیجاپور آرہی تھی۔ سپاہ گولکنڈہ سے اور ملکہ کے باڈی گارڈ سے چل گئی۔ ہر دو جانب تلواریں نکل پڑیں۔ مخالفین کی تعداد موفور دیکھکر فوراً محافہ سے نکل او چنچل گھوڑے پر سوار ہو کر شیر آسا میدان میں آئی اور ایسے بے پناہ وشدید حملے کیے کہ مخالفین بدحواس ہو گئے اور کچھ بن نہ پڑی۔ چاند سلطانہ فارسی وعربی کے علاوہ دکن کی بہت سی زبانوں میں درجۂ خاص رکھتی تھی۔ خدیجہ کے فیض تربیت نے عندلیب چمن بنادیا تھا۔ مہمات امور اور نظام سلطنت میں شوہر کے ساتھ حصہ لیتی تھی۔ اور بمعیت شوہر گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کی قواعد لیتی۔ اپنے خوش نصیب شوہر کے لیے متمائز خصائص کے ساتھ ایک لاثانی مشیر اور بے مثال رفیق ثابت ہوئی۔ ہر ایک مورخ اقبال کرتا ہے کہ وہ ایک فقید المثال اور زبردست شہسوار تھی تمام افواج کا انتظام کرتی تھی۔ چاند سلطانہ نے اپنی خوصوں میں ہر فن جنگ علم کی ماہر و واقف عورتیں بھی رکھی تھیں [illegible]۔ قوم [illegible] حالت پر نظر کی جائے تو بیساختہ ایک آہ نکل جاتی ہے۔ ہمارے درخشاں جواہر ریزے مہلک لاپرواہی کے باعث

گردگمنامی میں ملے ہوئے ہیں۔ یورپ کے افق پر ادنی سے ادنی قابلِ اعتنا انسانی کارنامے آفتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ آج کتنے شخص ہیں جو خولہ اُم حکیم اُم رُمان فاطمہ قرۃ العین گل رخشت اور رضیہ وغیرہم کے تابناک اور بصیرت افروز کارناموں سے ضیا اندوزی کرتے ہیں۔ یورپ کا بچہ بچہ ایسے کارناموں سے آگاہ ہوتا ہے۔ فن تاریخ بصیرت انسانی کے لیے ایک بہتر درس ہے۔

یہ ہزاروں وعظوں کا ایک وعظ اور لاکھ کتب موعظ و مناصحت کا ایک زریں درس ہے جن دلوں میں شرافت و نجابت کی بجلیاں کوندتی رہتی ہیں اور علم و فن کی تشنگی کوہ و بیابان تک کی خاک اکتساب خرد کے شغف میں چھنوا لیتی ہے۔ اس فن کی لطافتیں اور خفی و دقیق نزاکتیں کچھ وہی دیکھ سکتے ہیں اُن کی وارفتہ نوائی اور جنوں خیزیاں اس فن کے ایک ایک کانٹے میں ہزار گلزاروں کی ہلکی ہلکی روح پرور جھلکیاں مشاہدہ کرتی ہیں کسی سرگشتہ خمارِ وفا اور ستم دیدہ جورِ ذوق کی باطنی تشنہ لبی زائیاں اور نالہائے درد کی متالم و نحیف صدائیں اگر کسی شے کی جمال اندوزیوں سے کچھ دیر کے لیے مبہوت و خاموش رہ سکتی ہیں تو وہ اسی فن کا مطالعہ عالیہ ہے کسی کی حشر پیما یاد کی وحشت انگیزیاں اور قیامت خیز شباب کی بیجا آنیاں اسی مطالعہ میں ایک گشتہ آلام ہجراں کو دم لینے کا موقع دیتی ہیں۔ غرض اس کعبۂ مقدسہ کے احرام پوش خلاسفر پروفیسر ڈاکٹر علماء امراء غربا عشاق اور ہر طبقہ و گروہ کے افراد ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ وہ بت سنگیں ہے جس کی پرستاری بلا اختلاف مذہب و ملت اور کیش و آئین ہر فرد بشر اپنا فرض خصوصی سمجھتا ہے اور جسکی پوجا اس نوعیت و نمط کی بت پرستیوں سے مرأت خاطر میں نئی جلا و رنگینی پیدا کر دیتی ہے۔ انسان میں شریفانہ جذبات اور کریمانہ اخلاق نشو و نما پاتے ہیں۔ نفاق و خدیعت کے جراثیم مٹ جاتے ہیں قومی چمن کی آبیاری کے لیے احتیاج ہے کہ اسلامی تاریخ کی نورانی شعاعوں سے دل و دماغ مستنیر و مجلّٰی ہوں۔ غرض شاہانِ عالم کے مرقع میں چاند سلطانہ کی تصویر ایک نئی آب و تاب رکھتی ہے جسکی رنگینی و دلآویزی جاذب نگاہی کے ساتھ دلوں پر برقی اثر ڈال رہی ہے ؎ ہرگز نمیرد آنکہ [illegible] شد بعشق ۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما۔

شریف احمد۔ مراد (مارہروی)

خُلقِ نبوی

پھر خیالِ حالتِ ماضی مجھے آنے لگا
پھر مرا دل بیٹھے بیٹھے سخت گھبرانے لگا

پھر تصور میں وہ حسنِ برق وش آنے لگا
پھر مجھے دردِ جگر اُٹھ اُٹھ کے تڑپانے لگا

آہ وہ موجِ تبسم پھر مجھے یاد آ گئی
پھر نمک پاشی کا زخموں کو مزا آنے لگا

پھر کسی کی زلفِ پیچاں کا تصور دل میں ہے
سانپ سا اک پھر مرے سینہ پہ لہرانے لگا

پھر کسی کی ابروے پرخم مجھے یاد آ گئی
پھر دلِ بیتاب میرا پیچ و خم کھانے لگا

پھر کسی کی پیاری پیاری باتیں یاد آئیں مجھے
پھر خموشی سے یہ دل رہ رہ کے گھبرانے لگا

پھر بہار آئی ہوئے تازہ مرے داغِ جگر
پھر جنوں صحرا کی جانب مجھکو لیجانے لگا

خارِ غم کی پھر مرے دل میں خلش ہونے لگی
گلشنِ عشرت مجھے پھر اپنا یاد آنے لگا

پھر تلاطم اک مرے جذبات میں پیدا ہوا
پھر بشکلِ موج دل سینہ میں لہرانے لگا

داستاں عہدِ نبیؐ کی پھر مجھے یاد آ گئی
دردِ دل سے اُف کلیجہ مُنہ کو پھر آنے لگا

جی مرا پھر ہند میں رہنے سے گھبرانے لگا
سوئے طیبہ طائرِ دل اُڑ کے پھر جانے لگا

پھر ان آنکھوں کو ہوا شوقِ تماشائے عرب
ذوقِ خارِ دشت پھر تلووں کو کھجلانے لگا

پھر وہ اسلامی اُخوت دل میں گھر کرنے لگی
پھر مرا دل اُس رفاقت کا مزا پانے لگا

وہ تمدن وہ چلن وہ سادگی وہ اتفاق
پھر وہی طرزِ عمل جی کو مرے بھانے لگا

پھر گیا نظروں میں پھر وہ منظرِ خیر القرون
پھر مجھے عہدِ نبیؐ یاد آ کے تڑپانے لگا

آہ وہ مہماں نوازی آہ وہ خُلقِ عظیم
جس سے وہ اللہ کا محبوب کہلانے لگا

نقل ہے کافر ہوا مہمان اک حضرت کے گھر
اور زباں پہ خواہشِ اطعام کو لانے لگا

آپ نے اسکو لعمہ آرام ٹھہرایا مگر
[illegible] کھانے کو گھر میں اسکا دھیان آنے لگا

[illegible] حضرت کے [illegible]
[illegible] شہنشاہ جہاں لانے لگا

اور جو کھانا آگیا تھا وہ بھی لا کر رکھ دیا جس کو وہ مہمان اچھی طرح سے کھانے لگا
کھانا کھا کر سو گیا لیکن ذرا سی دیر میں درد اُسکو پیٹ کا رہ رہ کے تڑپانے لگا
حجرۂ اقدس کا دروازہ جو تھا باہر سے بند اس سبب سے اور بھی وہ اُسمیں گھبرانے لگا
جا بجا اندر ہی اُس نے کر دیا بول و براز اور نجاست کو ہر اک گوشہ میں پھیلانے لگا
صبح دم کھولا جو دروازہ کسی نے آن کر چپکے چپکے بھاگ کر باہر کو وہ جانے لگا
دور پہنچا جب تو خنجر اپنا یاد آیا اُسے جس سے اپنے دل میں وہ بیطرح گھبرانے لگا
چونکہ تھی تلوار اُسکو جان سے زائد عزیز اُسکے لینے کے لیے وہ لوٹ کر آنے لگا
جھانک کر دیکھا در خیر الوریٰ پر اُس نے جب واقعہ کچھ اور ہی اُس کو نظر آنے لگا
ہاتھ میں اُس شاہ کے وہ بستر آلودہ ہے اور لوٹا لے کے خادم اُسکو دھلوانے لگا
کہتے ہیں اصحاب ہم دھوئیں گے اسکو یا حضور یہ نجس کیوں دستِ اقدس میں جگہ پانے لگا
آپ فرماتے ہیں یہ مجھ سے نہ ہوگا دوستو کیوں اثر تم تک مرے مہماں کا جانے لگا
کیا ہوئی ہوگی مرے مہماں کو تکلیف رات دل مرا اس رنج سے اسوقت مرجھانے لگا
آنکھ سے دیکھا جب اُس کافر نے ایسا واقعہ جی ہی جی میں وہ نہایت اپنے شرمانے لگا
دل میں تصدیقِ رسالت ہو گئی بے شبہ و شک کھول کر دروازہ فوراً گھر میں وہ آنے لگا
پائے اقدس پر رکھا آتے ہی اُسنے اپنا سر اور زباں پر کلمۂ توحید کو لانے لگا
منفعل ہو کر بہائے اشک آنکھوں سے بہت اور زباں پر سیکڑوں عذرات وہ لانے لگا
کر لیا اُسکو مسلماں آپ نے کر کے معاف دولتِ ایماں لے کر اپنے گھر جانے لگا
اللہ اللہ آپ کے اخلاق پاکیزہ تھے جس سے ہر دشمن بھی ایماں آپ پر لانے لگا
"کیا یہی تلوار کا تھا زور [illegible] بھی" دے جواب اسکا مخالف اب کہاں جانے لگا

صد صلوٰۃ و صد سلام و صد درود اُس پر اُفق
جس سے [illegible] مسلماں تو بھی کہلانے لگا

اُفق موسوی (امروہوی)

محرّم میرا محرم ہے

افسوس ہے کہ یہ مضمون اُس پرچہ میں درج نہ ہو سکا جو محرّم کے ایام میں نکلنے والا تھا

اس لیے اس کو اس پرچہ میں درج کیا جاتا ہے جو چہلم سے چند روز قبل شائع ہوگا۔ اڈیٹر

ہمرازہے میں اس کا ہوں یہ میرا ہے۔ بچپن سے دوستانہ ہے لڑکپن سے یارانہ ہے

یہ ہمیشہ میرے تڑپنے کے لیے نیا تحفہ لایا۔ ہر مرتبہ سوز و گداز کے سربند تحائف دیے میں بھی اپنی بساط کے موافق قطرہ ہائے خونیں سے اس کی تواضع کرتا رہا خونچکاں آنکھوں سے جو کچھ ملا اسے دیتا رہا۔ سُنتا ہوں اب آنے والا ہے۔ دوست کی آمد خوشی پیدا کرتی ہے مگر مفلسی میں معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو وہ خشک ہیں

خون کی بوندیں

نام کو نہیں۔ ہائے شرمندگی ہوگی۔ عسرت کا اظہار اپنے لیے مرن ہو جائے گا۔ آنکھیں سامنے نہ ہوں گی زر سے تواضع ہوتی تو کسی سے قرض حسنہ لے لیتا۔ خون کی بوندیں کس سے مانگوں۔ چودھویں صدی کے ساہوکاروں کے پاس یہ جنس کمیاب ہے۔ اب گودڑ میں لعل نہیں ہوتے اب کملی والے قیام اللیل نہیں کرتے۔ لو تار آگیا

آئی دیل کم

ویلکم۔ خوش آمدی۔ مرحبا۔ اہلاً و سہلاً۔ آئیے آئیے دیدۂ دل فرش راہ ؎

گر بر سر و چشم من نشینی   نازت بکشم کہ نازنینی

تمھیں چاہوں تمھارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ بہت دور سے آئے ہو۔ پیاسے ہو سبیلیں جابجا لگا دی ہیں ان میں حوض کوثر کے سوتھ کا پانی ہے پیو اور پلاؤ میرے لیے کیا لائے ہو۔ کوئی تڑپ ہو تو دو شور محشر ہو تو لاؤ۔ میں تو اب بالکل مردہ ہوں کسی کی

نظر کھا گئی - میرا تخیل مجروح ہو گیا - اب تو فکرِ عرش پیما زمین سے دو ہاتھ بلند نہیں ہوتی -
تم کو دیکھ کر ایک ہلکی سی لہر اُٹھی ہے لیکن منجمد آب میں اس سے کیا خاک تغیر پیدا ہو گا -
اُن کا صدقہ جو مجسّم سوز و گداز تھے اُن کا واسطہ جو کربلا کی تپتی ہوئی ریگ میں
بھُن گئے وہ جن کے نانا کا سینہ الم نشرح لک صدرک اسرارِ آلہی کے لیے کھُل گیا -
جن کا ذکر مقدس و رفعنا لک ذکرک کائنات کے جزو کل تک پہنچ گیا - میرے
نطق میں روانی ہو اور اثر ہو - اس پر سلام جس کا بدن ایک ہزار نو سو پچاس زخموں سے
چور تھا - اُس پر سلام جس نے کربلا کی تپش میں بیٹھ کر خون سے غسل کیا - اُس پر
سلام جس نے تلواروں کی چھاؤں میں نماز پڑھی - اُس پر سلام جس کی پیاری
پیاری زبان نے اعدا کے سامنے یوں دُرفشانی کی تھی ایہا القومُ اَنَا سبط المصطفیٰ
و عطشانؑ - ہائے وہ بیکس نواز سید جس نے ہمیشہ غریبوں کی دستگیری کی - حاتم
سے بڑھکر فیاضیاں دکھائیں - خدا کی شان ہے - کربلا میں خود بے کس ہو گیا - وہ
تصویر رسول جو ناف سے ٹخنے تک نبیؐ عربی سے مشابہ تھی عراق کے سفاک مصوروں
نے اُسی کے خون سے رنگین کر دی - پیارے محرّم تو نے تو دیکھا ہو گا جب قاسمؑ دولہا
بنے تھے کیسا ہنگامہ تھا کس قدر شور و شر تھا کیسی عجلت میں نسبت ہوئی منگنی ہوئی عقد
ہو گیا - پھر کیا ہوا گورے گورے ہاتھوں میں مہندی تھی - تھی یا نہ تھی مگر اشقیا نے
ع مہندی کا خون کیا خون کی مہندی کر دی - جگر گوشۂ حسنؑ نے آبِ تیغ کو شربت
سمجھ کر پی لیا - محرم تجھے معصوم سکینہؑ کی پیاس یاد ہے - ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی
تھیں زبان کانٹے کی طرح خشک ہو گئی تھی آہ وہ نازنین سینۂ حسینؑ جس کی خوابگاہ
ہو - جو نازوں کی پالی ہو - کیسی پانی کے لیے جاں بلب تھی - کس کے لیے کون -

سقا [illegible] حرم

بنا تھا - ہاں وہ یہی دولاری تھی اور عباسؑ اسی کے لیے مشکیزہ لے کر فرات پر گئے تھے -

محرم تجھے اُس بہن کا ایثار نفس یاد ہے جس نے اپنے بھائی پر دل کے ٹکڑے نچھاور کر دیئے عون و محمد کی قربانی ہنسی کھیل تو نہ تھی بڑی ہمت کا کام تھا۔ آہ دودھ نہ بخشوں گی اگر تم زندہ آئے یہ کس کے کلمات تھے۔ کیا تیری آنکھوں نے وہ نظارہ نہیں دیکھا جو شہر بانو کے دونوں لال ایک جھر ایک ماہ کربلا کے مذبح میں ذبح کیے گئے۔ تجھے قسم ہے کہہ تو سہی فرات کا پانی آج کل اُبل رہا ہے یا نہیں اب بھی اُس ریگستان کے ذرّوں میں تابش ہے یا نہیں۔ عاشورے کا دن جب تمام ہو جاتا ہوگا تو شب اور اُسکے پچھلے پہر میں ماہ محرّم تیری چاندنی میں وہ پاک روحیں جو سید الشہدا امام حسینؑ کی جاں نثاری میں کام آئیں گنج شہیداں سے نکل نکل کر وہ ہو کا یاس انگیز سین دیکھتی ہیں جس کو تحریر کرنے سے قلم کا سینہ پھٹتا ہے۔

خیر ابھی تو تم آئے ہو دس روز کی مستقل صحبتوں میں سوز و گریہ کا بہت کچھ سامان پیدا ہو جائے گا ہاں اگر تم نے کمر تھام لی تو میں ایک دفعہ پھر اُٹھوں گا اور اپنی نثر میں انیس و دبیر کی یاد تازہ کر دوں گا۔

مقرب حسین (دہلوی)

غزل

جو دل میں ہے وہ مُنھ سے کہا بھی نہیں جاتا — کیا کہیے کہ خاموش رہا بھی نہیں جاتا

جز صبر کوئی عشق میں چارہ بھی نہیں اور — عاشق سے ترے صبر کیا بھی نہیں جاتا

معذور سمجھ مجھکو کہ اب ضعف کے ہاتھوں — گر کر ترے پاؤں پہ اُٹھا بھی نہیں جاتا

امید شفا بھی نہیں بیمار کو تیرے — اللہ سے مایوس ہوا بھی نہیں جاتا

پتھر تھا دل اُسکا کہ پسیجا نہیں اے صدق
ہم سے تو ترا حال [illegible] بھی نہیں جاتا

صدق جائسی

مرض یا گناہ

واعتصمو بحبل اللہ جمیعا

جیسے جسم انسانی کے لیے اصل شئے صحت ہے۔ مرض کسی تعطل عضو یا نقص قوت کی وجہ سے لاحق ہوجاتا ہے بالکل ویسے ہی قلب انسانی (جو مصدر عزائم و موجد وارادات ہے) اُس کے لیے راستی، فطرۃ اللہ یا صراط مستقیم اصل ہے۔ کجروی اُسکی وظیفہ حقیقی کے ترک سے لاحق ہوتی ہے۔ توضیحاً فقرات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) وظیفہ حقیقی کیا ہے؟

بلحاظ رفاہ و سعادت ذات یا جماعت اپنے مقتضیات حالت میں جذب و انہماک

(۲) مقتضاء حالت کا حد و معیار کیا ہے؟ جس میں رفاہ و سعادت ذات یا جماعت ملحوظ ہو۔

اس کی حقیقی تعلیم محض معلم فطرت سے بواسطہ کسی مہبط[۱] وحی و الہام کے حاصل ہوتی ہے۔ اُسکے اوامر و نواہی کی تعمیل عین اقتضاء حالت ہے۔

---

[۱] مہبط وحی و الہام پر انحصار کی وجہ یہ ہے کہ اسوقت تک کسی فیلسوف نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ جو تحقیقات میں پیش کررہا ہوں اُس میں صواب ہی صواب ہے۔ وہ محتمل الخطا نہیں ہے بلکہ صرف اپنی منزل معرفت و درجۂ تحقیق تک مدعی ہوں پس بہر حال جب سلسلۂ تحقیقات آخر حد تک نہیں پہنچا ہے۔ اور اس کی تکمیل سے عقل انسانی قاصر رہتی آئی ہے تو کسی عقل کل اور محقق کامل کی احتیاج باقی رہتی ہے۔ مذاہب نے الہامی تعلیمات میں اسی غایت قصویٰ سے اسرار نکات کے سبق دیئے ہیں ان پر ایمان نہ لانا خام عقلی ہے سے عرفی

نہ نقش تختۂ تعلیم دان بعقل خویش منار دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

(۳) اوامر کا شغل (جس میں معاش و معاد ہر صنف کے اشغال ضروریہ داخل ہیں) بجائے پابندی امور حفظان صحت کے ہے۔ اور نواہی کا ترک بمنزلہ مضرات صحت سے پرہیز و اجتناب کے ہے۔

(۴) پابندی امور حفظان صحت اور اوامر میں مزاولت بدیں وجہ ضروری بلکہ فرض عین ہے کہ اوقات ترک میں اُن کی جگہ مضرات صحت اور نواہی لے کر رہیں گے[1]

حضرات صوفیاء کے ریاضات، اُن کے مجاہدات تزکیہ نفس، ذکر و شغل سب اسی قبیل سے ہیں، کہ نفس پر بار مشقت ڈالا جاتا ہے اور تخیل خاص قائم کیا جاتا ہے جس سے رجوع ہوکر بطور دفع کسل و نکس وہ علائق دنیا میں مصروف ہو جاتے ہیں

(۵) بند عین ماقبل کی توثیق شرائع و منصوصات مذاہب از قسم عبادات و دیگر فرائض معاشرت وغیرہ مصالح، اسرار اور موجبات پر غور کرنے سے بطور کافی ہو سکتی ہے۔

(۶) عالم فکر (دائرہ اعتقادیات و دیگر تخیلات متعلق بہ امور زندگی) اور عالم ذکر یا عالم عمل کے جو جو فرائض و وظائف حقیقی ہیں اُن میں تعمیم و جزمیت مدارج متذکرہ کے بموجب پیدا ہو جانے پر تمسک و اعتصام بحبل اللہ کا ورود فیضان ہوگا اور یہی مدار حیات ہے۔

اگر نہ تیری برقرار رہے   دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا

منشاء بند (۵) کے متعلق ہم ذیل میں مسلمان ناظرین کے لیے قرآن شریف کے الفاظ میں مثلاً عقائد میں روزہ، نماز، معاشرت میں ازدواج وغیرہ کے امرات اور قماربازی، شراب خواری وغیرہ کے امتناعی احکام کے اسرار پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(الف) نماز۔ نماز کی بابت قرآن میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ یعنے لغویات اور برائیوں سے نماز باز [illegible] اسباب ظاہر نماز کے لیے طہارت

---

[1] اس خاص فلسفہ کے متعلق ہمارا مضمون "فلسفہ وقت بیکاری" مطبوعہ تمدن ماہ نومبر ۱۹۱۰ء ملاحظہ طلب ہے۔

بدنی اور پاکیزگی پوشاک مشروط ہے۔ جب ظاہری پاکیزگی میں اس درجہ اہتمام کیا جائیگا جو مشروع ہے تو غیر ممکن ہے کہ قلب پر اُس طہارت کا اثر نہ پڑے۔ اور میلانِ معاصی سے قلب منحرف و تائب نہو جائے۔ بشرطیکہ اُس میں کبھی ریاء کو دخل نہو۔ ورنہ بصورت دیگر بلا رجوع قلب و بلا انحراف عن المعاصی و اہتمام طہارت وقعی نماز، نماز نہیں کہی جاسکتی۔ اور اسی شان و وصف کی بناء پر حدیث میں وارد ہے " الصلوٰۃ قرۃ عینی "

(ب) روزہ اسکی مصلحت آیت میں یوں بیان ہوئی ہے " کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ " تقوی جو اساسِ اخلاقِ فاضلہ ہے۔ اس سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تفصیلات پر تجربیات انسانی سے روشنی پڑسکتی ہے۔

اسکے طبی منافع پر اطباء اور ڈاکٹروں کی نظر پہنچ چکی ہے۔ اُن کے مکاتیب ملاحظہ طلب ہیں، مگر حقوق عباد اور سوسائٹی کی ہر حالت کا مطالعہ اگر تہذیب انسانی کے لیے کوئی ضروری شے ہے تو ہم نکتہ داں ناظرین کو اس شعر کی جانب توجہ دلانے پر اکتفا کریں گے ؎ خمیر مایۂ آسائش ہست لائے غراب، بگو کہ صاف کشاں جرعۂ زتہ گیرند۔

(ج) ازدواج۔ اندواج کی مصلحت کو ان جامع الفاظ میں واضح کیا " لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا "، زنا اور زوجسق سے حصول اجتناب کے لیے تعلقات زوجیت کو اس اہمیت کے ساتھ ذہن نشین کیا۔ ایک رمز آشنائے فطرت انگلشمین اپنے تجربیات کی فرہنگ میں اسی مضمون کو یوں بیان کرتا ہے۔ " مرد میں اپنی تھکاوٹ کے دور کرنے کے لیے خواہش ازدواج پیدا ہوتی ہے " سَكَنَ إِلَيْهِ " کا محاورہ عرب میں یہی مفہوم ادا کرتا ہے۔

(د) شراب خوری و قمار بازی " ان الخمر والمیسر الخ رجس من عمل الشیطان " عمل شیطانی کیوں ہے؟ اس کی توجیہ کے لیے تفاسیر و احادیث کی متعلقہ تفصیلات ملاحظہ ہوں نیز [illegible] کا ذخیرہ نا چیز بھی پیش نظر رکھا جائے۔

لاٹری یورپین سوسائٹی میں ایک فنِ مرغوب اور شغلِ نفیس کی حیثیت رکھتا ہے، مگر کیا تجارت کی کسی ادنیٰ سی ادنیٰ شاخ پر بھی اُسے فوق حاصل ہوسکا ہے۔ شراب اگرچہ دماغ کے افکارِ لاحقہ کے لیے بظاہر سکون بخش ہے۔ مگر کیا ما غیر ربودگی ہے جو اُسکے ذوق کا ابتدائی مرحلہ ہے (اور محتاط اشخاص بقول خود اسی پر اکتفا کرتے ہیں) دماغ اس سکون بخشی کے حصول فیض کے لیے حاضر رہنے پاتا ہے۔

خواص اور تاثیرات داخلی سے اطبا اور ڈاکٹروں کو بحث ہوگی۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ اگر مطالب زیرِ غور اور اُس میں فکرِ صائب کو یہ پر پرواز بخشنے والی شے ہے، پرائیوٹ صحبتوں کی دست و گریبانی سے اس کا دامن پاک ہے وہ محض ارادی خوش فعلیاں ہیں تو اربابِ اصلاح اور صاحبانِ فکرِ قومی اور ملکی پلیٹ فارموں پر شیشہ و ساغر میں اس آتشیں رخ گلگونہ کو (جو بیان میں گرمی اور دماغ میں تجلی پیدا کرنے کا ایک زود اثر نسخہ ہے) کیوں ساتھ لے کر نہیں آتے؟ با تمیز اصحاب اپنے شامہ کو رومالوں کی مدد سے محفوظ رکھتے مگر اس ہنگامۂ خطابت اور تجلیاتِ دماغی کے فیضان سے محرومی کو گوارا نہ کرتے۔ لیکن یہ فطورِ عقل ہے، جس پر بدمستوں کے سوا کس کو اعتبار آئے ؎

تسکین ہو سکی نہ دلِ ناشکیب کی　　سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی

سرسری توجہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ امور انسان میں پاکیزگی ضبط اوقات، ایثار حمیت انسانی، کفایت شعاری، خودداری، اعتدال غیر انہماک وغیرہ وغیرہ کے برگزیدہ صفات اور کامیاب اور راستبازانہ زندگی کے اساسی اصول کو ودیعت کرنیوالے ہیں دیگر الہامی و تبلیغی مذاہب کے عبادات اور احکام امتناعی میں بھی کم و بیش یہی مصالح اور رعایات ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

مگر فی الوقت اہل مذاہب سے زیادہ لامذہب، ملاحدہ تقلیدی اور غیر ظاہر امور و عقائد کو مستثنےٰ کر کے پیش آمدہ حالات پر [illegible] اور راستبازی پر کارفرما ہیں۔

اور اپنے عملی دعوے پر وہ معترض ہیں کہ تم اللہ والے سے ہم بے اللہ والے اچھے تم ناکامیاب ہو، ہم کامیاب، تم بدنام و بدمعاملہ ہو، ہم خوش معاملہ بھی ہیں اور اسی وجہ سے نیک نام پھر تمھاری خدائی اچھی، یا ہماری ناخدائی؟

اس کا جواب ہمارے پاس اس کے سوا کیا ہے؟

چونکہ ہمارا حسِّ اخلاقی و مذہبی فنا ہو گیا ہے۔ ہم نے اپنا طریق زندگی بدل دیا، اور تعلیمات ما سلف کو بھلا دیا، جو بے مثل طور پر ان حسیات کی محافظ تھیں،

ہمارے صلاحیت مادہ کا یہ عالم تھا، کہ چونکہ ہمارے پیغمبرؐ اخلاق الٰہی کے مبلغ اور مبشر تھے لہذا اُس کی ضیا رت سے مسلمانان وقت کے قلوب منور و معمور تھے، اور اُسکے ایما ر ربانی پر خود بخود بلا کسی توجیہ اور سبب جوئی کے مائل و رجوع ہو جاتے تھے تعمیلِ احکام ایک چیز ہے جان و مال کی قربانی پر تُلے رہتے تھے۔ عہد نبوت کے غزوات محاربات اور اُس میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کی جاں فروشیاں اسکی شاہد عادل ہیں مال و متاع اُن کی نظر میں ایسی بے حقیقت شے تھی کہ فتح مدائن کے وقت کیانی عہد سے لے کر نوشیروانی عہد تک کے تمام نفائس و جواہرات کا انبار جوانان لشکر کے سامنے تھا، سپاہیوں نے جو جواہر جہاں پایا بجنسہ اپنے افسر کے سامنے لاکر رکھدیا، اُس سامان کی آب و تاب سے میدان جنگ گاہ اُٹھا اُس کو دیکھ کر سپہ سالار فوج حضرت سعد بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں" اخلاقی پاکیزگی کے یہ وہ مظاہر ہیں، جو اس خیر مجسم سے دست بیعت ہونے کے بعد اُس کے ادنیٰ غلاموں سے ظاہر ہوئے۔

احکام کی ذی رُوح تبلیغ کے سلسلہ کو قائم رکھنے کے لیے عہد نبوت کے بعد صحابہ۔ ائمہ۔ مجتہدین۔ مرشدین کی درجہ بدرجہ اونی علمار وقت کی تدریجی منزلیں وجود میں آئیں۔ اور اُن کے سلسلۂ [illegible] و تعمیم سے اُن کے ورثۃ الانبیار ہونے کا

خراج تعمیل و تسلیم حاصل ہوتا رہا۔

موالید ثلاثہ کا تنازع اور جذب باہمی طبعیات اور سائنس کے اہم ترین مسائل میں ہے موالید سے گذر کر روحانی عالم میں بھی قانون جذب کا لفظ ارادت صوفیا و و تقلید و اتباع مجتہدین کے عنوان میں نمایاں ہے "بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق" جن کے خصوصیات تھے، مگر اس اصول کی تعمیل میں جو رفاہ و سعادت ذات و جماعت کی ضامن اور حامل تھی اور مسائل میں غیر صائب الرائے اشخاص کے لیے بمنزلہ مشعل راہ کے تھی۔ اکتشافات جدیدہ کی حریت و آزادی کا مفہوم ایسا دخیل کار اور ایسا مزاحم ہوگیا کہ آج اس طبیعی قانون کشش یعنی تقلید و اتباع و ارادت کے مفہوم سے طبائع ناآشنائے محض ہوگئے۔

بہر این فن نیز و ہر آئیں خود را کار سبت
ہر عروجے را نزول و ہر کمالے را زوال

اور صلاحیت کا وہ درجہ ہم میں باقی نہ رہا۔ جو مخصوص ہمارا حصہ تھا یعنی

چناں ز عشق مہیائے تربیت بودم کہ گر ز ذرہ نظر یابم آفتاب شوم

پس لامذہب اور مذہبی شخص در اصل دونوں الحاد کی راہ پر ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر اس کا خود معترف ہے اور قولاً سچا ہے اور آخر الذکر کا فعل و عمل اس پر گواہ ہے قولاً وہ جھوٹا ہے، پس ہماری ناکامی کا سبب للہیت نہیں کیونکہ ہم اقرار مذہب میں عملی لحاظ سے جو تکملہ اقرار ہے سچے نہیں، اور اس لیے ہمارے لامذہب معترض کا اعتراض امر واقعہ کے لحاظ سے لغو ہے، رشد و ہدایت کی مذکور الصدر سلسلہ بندیاں اور انکی ارادت و اتباع اگرچہ ہمیں علم اسرار شریعت پر حاوی نہیں بناتی تھیں مگر ان کی تعمیل سے اخلاق معاشرت اور مواخذہ آخرت کے خوف سے، اجتناب عن المعاصی بہ وجود دستور العمل زندگی کا بہت کٹھن مرحلہ ہے، ہم عمل پیرا [illegible] ... جیسا کہ پابند مذہب بنا کر ...

ذی وقار و ذی جاہ لامذہب سے فائق اور اُس کا محسود تھا،

کیونکہ جن امور میں وہ خود اپنے دماغ سے کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا تھا، اُسکا مذہب اُسکے لیے دلیل ہوتا تھا، لامذہب کی منتہائی آرزو عقل کی پرواز تھی مگر مذہبی شخص کے لیے اُس بلندی سے بالا کی خبر دینے والا اُس کا مذہب تھا، جہاں عقول بشری کے پر جلتے ہیں[۱]۔ چنانچہ وہ درجہ جو محض تقلید میں ہمیں حاصل تھا، ایسا تھا کہ لوگ ہم پر رشک کرتے تھے۔ اب اگرچہ ہم آزادیٔ عقل کے مدعی ہیں مگر اپنی زبوں حالی سے دوسروں پر جو ہمارے مطمح نظر ہیں رشک آتا ہے۔ مگر اُس گذشتہ حالت سے سبق لینا ہماری بدبختی نے ہماری نظر میں تحقیر و اہانت کا موجب بنا رکھا ہے۔ غور کیجیے تقلید وہ بھی تھی اور تقلید یہ بھی ہے جس کو ہم آزادی کہتے ہیں، اُس تقلید سے ہمیں کامیابی حاصل ہوتی تھی اور اس سے ناکامی گلے پڑی، کیونکہ یہ اُس تہذیب و تمدن کی تقلید ہے جس سے اخلاقی پاکیزگی بالکل فنا ہو چکی ہے۔ پس انصاف شرط ہے کہ وہ تقلید یا تقلید جامد بہتر تھی یا یہ بے اصول اجتہاد

کشادم دام بر گنجشک و شادم یاد آن ہمت
کہ گر سیمرغ می آید بہ دام آزاد مے کردم

---

[۱] علم و عدم علم کے باب میں ارباب دانش کے کئی گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ ہے جو مطلقاً عدم علم کا قائل ہے جو سوفسطائیہ کہلاتا ہے۔ فلاسفۂ حال بحالت موجودہ مطلقاً علم کے مدعی ہیں، ایک تیسرا گروہ ہے جو فی الجملہ علم اور فی الجملہ عدم علم کا عقیدہ رکھتا ہے۔ مگر اسمیں دو فریق ہیں۔ ایک کا دعویٰ ہے کہ امور غیر معلومہ میں بھی جس درجہ ہم ذہن لڑا سکتے ہیں اور جہاں تک ہمارا ادراک بلند اُنکی کنہ جوئی کر سکتا ہے وہ یہی منتہائے پرواز تخیل ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اس منتہائے حد تخیل سے پرے کی خبر بھی ہمیں مل سکتی ہے اُسکے لیے صرف [illegible]تیت کا واسطہ درکار ہے۔ یعنی انبیاء پہلا گروہ حکماء یونان کا ہے، دوسرا متکلمین اسلام کا اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے موضوع سے بہت دور جا پڑے ہیں صرف یہ دکھانا تھا کہ قلب و دماغ اور جوارح انسانی کا وظیفۂ حقیقی بلحاظ رفاہ و سعادت ذات یا جماعت مقتضیا حالت میں اشغال اور مقتضیات حالت کا حدو معیار تعلیمات ہیں اُن مذاہب کی جو اصول معاش و معاد کی صحیح و کامیاب بنانے والی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر اُسکے ذیل میں اسلامی تعلیمات کے چند نظائر اور قرن اولیٰ کے سچے پابندگان مذہب کی کامیاب خوش زندگی کا حال کی خسران زدہ و ابتر زندگی سے مقابلہ، اور اُسکی ترجیح کے اذکار سے یہ صحبت طویل ہوگئی۔

مگر اُسکا خلاصہ یہ ٹھہرتا ہے کہ الہامی مذاہب کے تعلیم کردہ پاک اصول جس حد تک انسان کو جادۂ راست کی ہدایت کرسکتے ہیں، اور جیسا فطرۃ اللہ صراط مستقیم اور راستبازی کے حد اصلی کو وہ پاکیزہ ہستیاں متعین کرسکتی ہیں تکمیل اخلاق اور پاکیزہ خوئی جن کی زندگی کا اصلی کارنامہ تھا، مثلاً انبیاء، و اولیاء، ائمہ و مجتہدین اور علماء وقت یا بالفاظ دیگر رشی۔ منی۔ ودیادان وغیرہ۔ اس حد تک کانشنس لبرٹی اور حریت کا غلغلہ خوش آہنگ بلند کرنے والے جوانان رعنا ہرگز نہیں کرسکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نہ پینے تک شراب کی سکون بخشی کا جیسا اعتبار انسان کو ہوسکتا ہے ویسا ہی ان کی خوش ادائیوں میں بھی ہے۔ مگر پینے کے بعد جیسا وہ کھویا جاتا ہے ویسا ہی اس روش کا متوالا بھی۔

موجودہ تہذیب جس کی تمام تر کوششیں اور ہمتیں دولت کی کمائی پر صرف ہو رہی ہیں۔ اُس سے بقول اُس نقاد فن یعنی ہربرٹ اسپنسر کے یورپ کے تمدن سے اب اخلاقی پاکیزگی رخصت ہو رہی ہے" کیونکر اُس سے اخلاق و اصلاح کی صحیح تعلیم کی توقع قائم کی جاسکتی ہے۔

درانحالیکہ اُس کی مادہ پرستی کی معصیت کبریٰ کا مواخذہ جنگی بھوت کی شکل میں اُس پر اس طرح مسلط ہو رہا ہے کہ جن اسباب سے کل حفاظت و اصلاح کا

وہ کام لیتا تھا، وہ آج نفوس انسانی کی سخت ترین ہلاکت اور قتل و غارت کے صرف میں آرہا ہے۔ جس سرزمین پر کل گلشنِ جنت کو رشک آتا تھا وہ آج مقتل کا نمونہ اور دہقان کا برق سوختہ خرمن ہو رہا ہے۔

بہرحال یہ تہذیب ہمارے لیے موجب رحمت اور سعادت نہیں ہو سکتی ہماری تہذیب اور ہمارا شعار جناب اکبر الہ آبادی کے الفاظ میں یوں سمجھیے۔

تمھاری اصل خدا کا کلام واضح ہے — عبث یہ ولولۂ نقل قوم فاتح ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے — وہی ہے باعث عزت عمل جو صالح ہے

• نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی
• زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

انھیں کے واسطے مے کا سرور زیبا ہے — انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انھیں کو روے زمیں پر غرور زیبا ہے — مرے لیے فقط امید نور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے ملنے کی خوبیاں سمجھیں

اس عقل کو چھوڑ کر اس نقل اور اس اجتہاد کو چھوڑ کر اس تقلید کو جب آپ اختیار کریں گے تو اعتصام بحبل اللہ بھی حاصل ہوگا۔ اور آپ کا قلب گناہ کے مرض سے محفوظ و غیر متشکک رہے گا۔

ہوا جاتا ہے نور عشق پر دود ہوس غالب — الٰہی اصل حق سے توشہ باطل کو جدا کر دے

جواد علی خان عالی

ضروری گذارش:۔ تمدن بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونۃً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں [illegible] خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

مینیجر۔

میری شادی

جسوقت میری عمر ۱۱ برس سے کچھ زیادہ ہوگئی اس وقت سے گھر میں میری شادی کے متعلق کچھ کچھ چرچے شروع ہو گئے ایک روز مجھے خوب یاد ہے کہ میری ممانی نے میرے سامنے اماں جان سے کہا۔ آپا جان؟ اب تو ماشاءاللہ منورہ خاصی سیانی ہوگئی ہے مگر تمھیں اس کی شادی کی کچھ فکر نہیں معلوم ہوتی۔ لڑکی کی بیل اور لکڑی کی بیل برابر ہوتی ہے آنکھ بند کرنے پر معلوم ہونے لگے گا کہ لڑکی کو دن چھپنے سے پہلے وداع کر دینا چاہیے اس گفتگو سے میں شرما گئی اور اس کے بعد جہاں ایک طرف مجھے بھی کبھی کبھی شادی کے خیالات آنے لگے وہاں اماں جان نے بھی میری شادی کے متعلق لوگوں سے کہنا سننا شروع کر دیا۔ ویسے تو بچپنے ہی سے اماں آپا میری کسی بے قاعدگی یا کسی بدتمیزی پر خفا ہو کر کہا کرتی تھیں "لڑکی کل کو پرائے گھر جانا ہوگا اگر یہی حالت رہی تو نتھنوں کو ساری قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی ساس نندوں میں دم بھر گزارا مشکل ہوگا" ممانی کی گفتگو کے بعد سے میری ہر بات پر زیادہ توجہ ہونے لگی اور پرائے گھر جانے کی جو یاد دہانی کبھی مہینے دو مہینے میں ہو جایا کرتی تھی اب زیادہ سے زیادہ دوسرے تیسرے دن ہونے لگی۔ مجھے بھی اب اپنی آئندہ زندگی کے متعلق کچھ نہ کچھ فکر سی رہنے لگی کبھی مجھے سسرالی زندگی سے خوف معلوم ہوتا تھا اور کبھی خوشی بھی محسوس ہوتی تھی مگر یہ خوشی مجھے خود اکثر شرما دیتی تھی۔ گھر میں برابر رقعہ پرچے آنے لگے اور میں بظاہر ان سب باتوں سے بالکل بے خبر رہتی تھی مگر ان سب کی خبر رکھتی تھی اور دیکھتی تھی کہ میرے لیے کیا فیصلہ ہوتا ہے بہت سے رقعہ پرچے پھیرنے کے بعد ایک رقعہ منظور کیا گیا اور بات چیت جو بہت کچھ

تجارتانہ تھی شروع ہوگئی۔ جن صاحب کا رقعہ رکھا گیا وہ ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے کو کچھ امیر کبیر نہ تھے۔ صاحب رقعہ کو انگریزی تعلیم یافتہ انگریزی خیالات کا آدمی بتایا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں دولت کی تو خدا کے فضل سے کمی نہ تھی مگر تعلیم اور انگریزیت کے نام اللہ کا نام تھا۔ نانی اماں اور پھوپی جان کو یہاں شادی کرنے میں بہت کچھ تامل تھا اور کنبہ کے بعض دوسرے لوگ بھی نارض تھے کیونکہ اوّل تو وہ لوگ دولت پیسہ میں ہمارے پلہ کے نہ تھے اور دوسرے یہ کہ ان کے ہاں انگریزیت کا اسقدر زور تھا کہ وہ ہم لوگوں کے لیے یقیناً ناقابل برداشت تھی۔ وہ (جو اب میرے خاوند ہیں) بنارس میں رہتے تھے ایکمرتبہ دہلی آئے بلکہ بُلائے گئے۔ اس وقت ان کی انگریزیت نے لوگوں کو اور چراغ پا کردیا اللہ کا بندہ بغیر سوٹ کے بات نہ کرتا تھا اب لوگ ان کی حرکات و سکنات کے معائنہ پر مقرر ہوے۔ بھائی مرزا نے ایکدن آکر ذکر کیا کہ ظہیر جن سے ننھی کی بات ٹھہری ہے یہاں آئے ہوے ہیں مگر میں نے ان کو جب کبھی بھی دیکھا انگریزی لباس میں اور اکثر انگریزی ٹوپی اوڑھے ہوئے اس کے علاوہ بھائی نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ ننھی کی شادی کن کرشتانوں میں کر رہے ہو اور اس پر طرّہ یہ کہ روپیہ پیسہ کچھ پلّے نہیں۔ اس قسم کی باتوں سے کبھی تو خوشی ہوتی تھی اور یہ خیال کرکے دل خوش ہوتا تھا کہ ہم بھی انگریزی کپڑے پہنا کرینگے اور ایک تعلیم یافتہ آدمی کی بیوی بنیں گے مگر کبھی ڈر بھی ہوتا تھا کہ نانی دادی اس طرح کیونکر جینے دیں گی اور اگر انگریزی کپڑے بھی ہوں تو کچھ نہ کچھ پڑھا لکھا بھی تو ہونا چاہیے۔ میں جو کچھ لکھی پڑھی تھی وہ تو صرف اتنا تھا کہ کسی کو ٹوٹا پھوٹا خط لکھ دوں یا گھر کا حساب اور کپڑے لکھ لوں مگر یہ تعلیم میری رائے میں میرے خاوند کی نظر میں کچھ نہ ہوگی۔

بات پختہ ہوگئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ منگنی ہوگئی اور مجھے یہ معلوم ہونے لگا

کہ اب ضرور میری شادی اُن کے ساتھ ہو جائے گی۔ گھر میں ہر شخص میرے سُنانے کے لیے اُن کی تعریف کرنے لگا اور زیادہ توجہ میرے پڑھنے لکھنے پر بھی ہونے لگی اسکی خاص وجہ یہ ہوئی کہ ہمارے محلہ میں اُن کے ایک دوست نے ان کی دعوت کی اوراس میں بھائی مرزا کو بھی بُلایا گیا۔ یہ پہلا دن تھا جب کہ بھائی مرزا نے ان کو ٹھیٹ ہندوستانی بلکہ لکھنوی لباس میں دیکھا۔ اس دعوت کی خبر ہمارے ہاں بھی پہنچی۔ اور جو چیز ہمارے ہاں کے لیے خاص دلچسپی کی تھی وہ یہ کہ اسمیں وہ بھی مدعو ہیں۔ دادی اماں، پھوپی نے یہ انتظام کیا کہ وہ لوگ رات کو ہمسائے کے کوٹھے پر چلے جائیں اور دعوت کی سیر دیکھیں۔

اسکے متعلق در پردہ مجھسے بھی کہا گیا کہ جا کر اس دعوت کی سیر دیکھوں اور میں سچ کہتی ہوں کہ دعوت سے زیادہ اُن کے دیکھنے کے لیے وہاں جانے کو دل چاہا مگر نہ گئی، دعوت میں بھائی مرزا سے اور اُن سے تعارف ہوا مگر بھائی صاحب اس تعارف کے بعد کچھ ایسے شرمائے کہ انھوں نے نئی دُلہنوں کو مات کر دیا اس دعوت میں جو باتیں انھوں نے کیں وہ بہت غور سے سُنی گئیں۔ کھانا کھاتے ہوئے شادی کے مضمون پر انھوں نے بہت کچھ کہا۔ مردوں کو عورتوں کے بیجا دبا [illegible] پردگی کو بھی بُرا بتایا اور عورتوں کی تعلیم پر بے انتہا زور دیا غالباً یہ فقرہ تو صرف بھائی مرزا کو جتانے کے لیے کہا گیا تھا کہ اگر شادی ایسے خاندانوں میں ٹھہر جائے جن کا طریقہ معاشرت تہذیب۔ تمدّن سب علیحدہ ہوں تو وہاں یہ چاہیے کہ لڑکی کو اس خاندان کے تمدّن معاشرت اور تہذیب کے مطابق لایا جائے ورنہ میاں بیوی دونوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ جہیز چڑھاوے کے موجودہ طریقوں پر بھی [illegible] ہوئی اور اُنھوں نے ایک سوال کے جواب میں کہ تم اپنی شادی میں کیا چاہتے ہو بتایا کہ میری بی بی میں کم از کم

اتنی علمیت ہونی چاہیے کہ جو کچھ میں لکھوں اور جہاں ملک کے علمی ادبی حلقوں میں
اس کی داد دی جائے وہاں میری بیوی بھی کچھ نہ کچھ تو داد دے سکیں ورنہ کم از کم
یہ تو نہ ہو کہ میں اپنا کوئی شعر سنا رہا ہوں اور وہ بت بنی بیٹھی رہیں۔ میں تو یہ چاہوں گا
کہ وہ آن کر ہندوستان کے زنانے رسالوں میں موجودہ رسوم کی مخالفت اور عورتوں
کی آزادی کی تائید میں مضامین لکھیں۔ اور اس طرح میرے اس کام میں میرا
ہاتھ بٹائیں جو میں نے حقوق نسواں۔ خدمت نسواں کے متعلق اپنے ذمہ لیا ہے۔
اور جس کے لیے میرے احباب کا مخصوص طبقہ مجھے "خادم نسواں" کا خطاب دے چکا ہے
جہیز کے متعلق انھوں نے فضول کاٹ کباڑ کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ میز
کرسیاں سنگار میز وغیرہ ایسی چیزیں دینی چاہئیں جو کم از کم کام آسکیں۔ زیور سے
سخت نفرت کا اظہار کیا اور لباس میں انگریزی لباس سے نفرت جتاتے ہوئے
ساڑی کو عورتوں کے لیے بہترین لباس بتایا

یہ سب باتیں گھر آکر ایک طرح مجھے بھی سنائی گئیں۔ ان سب باتوں میں جو
بات میرے لیے زیادہ تکلیف دہ تھی وہ ان کی زیور سے نفرت تھی کیونکہ مجھے زیور
سے بہت اُنس تھا۔ مگر اب میں خود اپنے طور پر بھی اور بھائی حامد مرزا کے
کہنے سے جو بچپنے سے ان کے دوست تھے اور ان کے خیالات سے بہت کچھ واقف
تھے اور انھیں اچھا بھی سمجھتے تھے اپنے دل کو نئے خیالات کی طرف رجوع کرنے
میں کامیاب ہوگئی۔ اور آج جب کہ میں مسنر ظہیر ہوگئی ہوں اسے محسوس کرتی
ہوں کہ اگر میرے خیالات میں تبدیلی نہ ہو جاتی تو دونوں کی زندگی خراب ہو جاتی
شادی کے مراسم میں آج میں لکھتی ہوں کہ انھوں نے بھی اخلاقی کمزوری کا ثبوت
دیا اور قریب قریب اُن تمام جا[illegible] کی پابندی کی جنھیں وہ بُرا سمجھتے تھے
جس وقت میں وداع ہو کر آئی تو باوجود اس کے کہ میرے ہاں سے بہت کچھ

دیا گیا تھا حتیٰ کہ گھوڑا اور پالکی تک آئی تھی اور جہاں ایک طرف دولھا میاں کی خوشی کو پورا کرنے کے لیے انگریزی فیشن کا کافی سامان دیا تھا وہاں جاہلانہ کاٹ کباڑ جو آج محض کاٹ کباڑ معلوم ہوتا ہے ان کے خاندان کی عورتوں کو خوش کرنے کے لیے بہت کچھ تھا مگر پھر بھی لوگوں نے کہا کہ امیر گھر ڈھونڈا تھا ایسا کیا لائیں جو کُنبے کی بیٹیاں چھوڑی تھیں۔ ظہیر صاحب نے اس قسم کے طعنوں کو روکا اور خود اتنا کہا کہ میری سمجھ میں اس کاٹ کباڑ کی کوئی ضرورت ہی نہیں آتی۔ انھیں کپڑوں پر بھی اعتراض تھا۔

میری شادی کو کئی مہینے ہوگئے میں نے اپنے خیالات کا رخ بالکل انکے خیالات کے مطابق کرنے کی انتہائی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اب نہایت خوشی کی زندگی گذار رہی ہوں اور میں تو یہ کہہ سکتی ہوں کہ اگر خدا نے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش کی اجازت دیتا تو وہ میری ہی پرستش کرتے۔

یہ مضمون میں نے اس غرض سے لکھا کہ اگر لڑکیاں اپنی زندگیاں خوشی اور کامیابی سے گذارنا چاہتی ہیں تو انھیں اپنی شادی سے قبل یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ دولھا کے خیالات کیا ہیں اور اپنے آپ کو ان خیالات کے مطابق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے اگر فرصت ہوگی تو میں بتاؤنگی کہ مجھے اپنے خیالات کے تبدیل کرنے اور اُن کے خیالات کے تبدیل کرانے میں کس طرح کامیابی ہوئی۔

منور زمانی

کیا

فلسفۂ زندگی

ہوشیار اے مست مدہوش شرابِ زندگی — یاد رکھنا ہے لبِ بام آفتابِ زندگی
آمدِ محبوب سمجھا ہے جو آمد موت کی — ہر نفس اسکا ہے فردِ انتخابِ زندگی
بند رہتے رہتے آنکھیں بند ہو کر رہ نہ جائیں — درد سر پیدا نہ کر دے طول خوابِ زندگی
دور کیوں جا خاک گورستاں پہ اک سطحی نظر — ذرہ ذرہ ہے طلسمِ انتخابِ زندگی
کبتک آخر ہو گا دیدارِ بہارِ باغ دہر — کبتک آخر سیر گلزار شبابِ زندگی
ہے اگر عہد جوانی راہ میں ٹھوکر نہ کھا — تجھکو کافی ہے ضیاے ماہتابِ زندگی
بند آنکھوں کو دکھائی دے گی دنیا طلسم — موت کے آتے ہی اُٹھے گا حجابِ زندگی
نفس امارہ کے کہنے میں نہ آنا چاہیے — اپنے ہاتھوں مول لینا ہے عذابِ زندگی
منتظر ہے کُنج مدفن گود پھیلاے ہوئے — آ گیا نزدیک وقت سدّ بابِ زندگی
چل اگر چلنا ہے تجھکو لیکن آنکھیں کھولکے — گو ہے پیچیدہ بہت راہِ ثوابِ زندگی

داغ بدنامی سے محشرؔ جس کا دامن پاک ہے
دار فانی میں وہی ہے کامیابِ زندگی

محشرؔ لکھنوی

باشندگانِ ختا

اہل ختا میں بچے کی تربیت[1] اُسوقت سے شروع ہو جاتی ہے جبکہ وہ ہنوز بطنِ مادر کے ارغوانی کاشانہ میں خلوت گزین ہوتا ہے چنانچہ اس خاص موقع پر صنفِ نازک کو زیورات اور بہترین ملبوسات استعمال کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ شوہر کی اطاعت گزاری کرتی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آتی ہیں اُن کو نہایت لطیف اور مقوی غذائیں کھلائی جاتی ہیں اور ایسی تمام باتوں سے احتراز کیا جاتا ہے جن سے اُن کی دل شکنی یا رنج و قلق کا احتمال ہو یقین کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی احتیاطوں سے بچوں کے اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

دس برس کی عمر تک عموماً بچوں کی تعلیم و تربیت مکان ہی پر ہوتی ہے اور اس اثنا میں حساب و جغرافیہ کے ضروری مسائل اور سجدہ و سلام کے آداب اُن کو سکھائے جاتے ہیں، اسکے بعد وہ کسی قریبی مکتب خانہ میں جو عام طور پر ہر محلہ میں ہوتے ہیں داخل کر دیے جاتے ہیں کم و بیش دو برس تک موسیقی[2] کی تعلیم پانا ہر شخص کے لیے ضروری ہے تیر اندازی

---

[1] لیکن وہ غریب لوگ جو کثرت اولاد سے پریشان ہوتے ہیں اپنے نوزائیدہ بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر سر راہ رکھدیتے ہیں سرکاری اہلکار جو اس خدمت کے لیے متعین ہیں اس بچے کو اُس مکان میں اُٹھا لیجاتے ہیں جو صرف مجہول النسل اطفال کی پرورش کے لیے مخصوص ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے غریب لوگ شب کے وقت اس مکان کے دروازہ پر بچے کو رکھکر اور گھنٹی بجا کر چپ جاتے ہیں۔ شاہی ملازم فوراً باہر آ کر اُسے اُٹھا لیجاتے ہیں اور دائیوں کو سپرد کر دیتے ہیں۔

[2] اہل ختا میں جس موسیقی کا رواج ہے وہ اُن کے سوا دیگر ممالک کے باشندوں کو مرغوب نہیں ہوتی، اُن کی راگنیاں بالکل وحشیانہ ہوتی ہیں اور باجوں کی ناگوار صداؤں سے ملکر اور بھی زیادہ سامعہ خراش بنجاتی ہیں چین میں ایک پتھر کا باجا ہوتا ہے جسکی آواز کسی قدر خوش آیند کہی جا سکتی ہے اور یہ صرف پتھر کی خوبی ہے کہ اُس پر ضرب پڑنے سے ایک دلفریب جھنکا پیدا ہوتی ہے اہل ختا اپنے باجوں کے سوا دیگر اقوام کے باجوں اور موسیقی کے اصولوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور شہسواری کی مشق بھی عام تعلیم کی طرح لازمی سمجھی جاتی ہے۔ آخر میں لڑکے کے میلان طبع کو ملحوظ رکھ کر کسی علم یا ہنر کی باقاعدہ تکمیل کی جاتی ہے۔

اس ملک میں تعلیم کا طریقہ بالکل مختلف ہے، پڑھنے سے پہلے لکھنے کی تعلیم دیجاتی ہے، جب کوئی بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے تو اُستاد اُسے ایک مختصر اور واضح الحروف کتاب کی نقل کا حکم دیتا ہے، رفتہ رفتہ جب وہ حرفوں کی صورتیں پہچان لیتا ہے تو اُن کا نام اور تلفظ بتایا جاتا ہے۔ جب حروف کی اشکال و تلفظ کا مرحلہ ختم ہوجاتا ہے تو اُن کی ترکیب اور مرکبات کے معانی بتائے جاتے ہیں۔ صرف ایک ہی کتاب عرصہ تک کام دیتی ہے اور ضروری نوشت وخواند کے لیے کافی ہوتی ہے لیکن جو لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو آٹھ دس کتابوں کا درس لینا ضروری ہے۔ چینی حروف کی ترکیب اور اُن کا تلفظ ایسا دشوار ہے کہ خود چینی علما پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ تمام حروف کی صحیح ترکیب اور تلفظ سے آگاہ ہیں۔

ختا میں عروس کا انتخاب تمامتر نوشاہ کی مرضی پر موقوف ہے لیکن شادی سے پہلے وہ اپنی منسوبہ سے ملاقات نہیں کرسکتا بلکہ اُسے مشاطہ کے بیان پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، مشاطہ اپنی تقریر میں جس خط وخال کا نقشہ اُتارتی ہے اگر وہ لپسند کرلیے گئے تو سلام وپیام کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔ عروس کے والدین کو شادی سے پہلے ایک معقول رقم بھی دینا پڑتی ہے جس کا تصفیہ مشاطہ کی معرفت ہوتا ہے اور اسکے بعد شادی کا دن مقرر ہوجاتا ہے۔

لیکن ہندوستان کی طرح نوشاہ کو عروس کے مکان پر جانے کی زحمت نہیں ہوتی بلکہ عروس خود نوشاہ کے مکان پر بھیج دی جاتی ہے، یہ دلچسپ روانگی یوں عمل میں آتی ہے کہ عروس کے والدین ایک اچھی ساعت [illegible] کو زیورات [illegible] سے آراستہ کرتے ہیں اور ایک

پالکی میں سوار کر کے باہر سے قفل لگا دیتے ہیں، کُنجی کسی معتمد کو دے دی جاتی ہے، پالکی کے ساتھ ساتھ احباب واقربا کا ایک شاندار جلوس ہوتا ہے، جہیز کی تمام چیزوں بھی عروس کے ہمراہ روانہ کی جاتی ہیں۔ اپس وپیش ارباب سرود کا ایک گروہ شاہانہ گیت گاتا جاتا ہے، اس احتشام وتزک کے ساتھ جلوس نوشاہ کے دروازہ پر پہنچتا ہے۔ پالکی کی کُنجی نوشاہ کو سپرد کر دی جاتی ہے اور وہ قفل کھول کر دُلھن کا معائنہ کرتا ہے۔ مشاطہ نے جو نقش ونگار بیان کیے ہیں اگر دلھن اُسکے مطابق نکلی تو خیر ورنہ اُسے اختیار ہے کہ پالکی اُسی طرح بند کر کے واپس کر دے اور جسقدر زر نقد وتحائف عروس کے والدین کو اُس نے بھیجے ہیں وہ واپس منگالے، اُسے یہ بھی اختیار ہے کہ مشاطہ کے برخلاف عدالت میں استغاثہ دائر کر کے چند دن کے لیے اُسے جیل میں بھجوادے، چنانچہ آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں لیکن اس واقعہ سے دُلھن کی معصومیت اور پاکدامنی میں کوئی فرق نہیں آتا، اور دوسرا خواستگار ملنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن جس صورت میں دُلھن اُس تخیل کے مطابق نکلے جو مشاطہ کے بیان سے نوشاہ نے قائم کیا ہے تو نہایت تپاک کے ساتھ نوشاہ اُسے اپنے ہمراہ مکان میں لے جاتا ہے اور اُسی وقت دونوں، خُدا (یعنی ٹی ین) کی بارگاہ میں چار چار سجدے کرتے ہیں اسکے بعد دو دو سجدے ایک دوسرے کو کیے جاتے ہیں۔ سجدے کرنے کے بعد نوشاہ مردانہ مکان میں چلا جاتا ہے اور مہمانوں کی مدارات میں مصروف ہو جاتا ہے۔ دلھن زنانہ حصہ میں پہنچ کر مستورات کی میزبانی کرنے لگتی ہے۔

اس موقع پر اہلِ ختطا کے مذاق حُسن کا تذکرہ بھی غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، [illegible] حُسن کا اعلےٰ معیار یہ ہے کہ (۱) رنگ زرد (۲) بال گھنے (۳) پیشانی فراخ (۴) ابرو پر بالوں کی مقدار اسقدر کم کہ سیاہی کے دو ہلالی خطوط معلوم ہوں (۵) آنکھ چھوٹی مگر سیاہ (۶) [illegible] ہو (۷) دہن زیادہ تنگ نہ

بہت کشادہ (۸) کان بڑے بڑے (۹) قد متوسط (۱۰) پاؤں[1] نہایت چھوٹے ہوں۔ اس خاکہ کے سوا اور کوئی صورت انہیں مرغوب نہیں۔ اور دیگر ممالک کے خط وخال ان کی حسن آزما نگاہوں کو نہایت بدنما اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔

قانوناً ہر شخص ایک ہی بیوی رکھ سکتا ہے لیکن غیر منکوحہ عورتوں کی تعداد اسکے اختیار میں ہے، یہ منکوحہ یا دوسرے نمبر کی غیر منکوحہ عورتیں چین میں آسانی کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ ان کے والدین ایک معمولی رقم سے رضامند کرلیے جاتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ایک اقرار نامہ بھی لکھنا ہوتا ہے کہ لڑکی کو ضروریات زندگی کے متعلق کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ اس قسم کی عورتیں ہر حالت میں منکوحہ بیوی کی خدمت بجا لاتی ہیں اُن کے بچے بھی مجبور ہوتے ہیں کہ اپنی ماں کو اپنے باپ کی پہلی منکوحہ بیوی سے کم تر سمجھیں۔ پہلا شوہر یا پہلی بیوی مرجانے کی حالت میں زن و مرد کو اختیار رہتا ہے کہ وہ دوسری شادی کریں۔

عورت کو طلاق دینے کے لیے خدا کی عدالت میں یہ سات عذر صحیح ہوتے ہیں (۱) [1]

---

[1] یہ لوگ پاؤں کا چھوٹا ہونا نسوانی حسن کا اتنا اہم جزو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی عورت میں دوسری خوبیوں کی کمی ہو اور پاؤں نہایت چھوٹے ہوں تو وہ چینیوں کی پہلی صف میں آسانی سے جگہ حاصل کرسکتی ہے۔ امرا اور شرفا کی حرم سراؤں میں یہ دستور ہے کہ جس وقت لڑکی پیدا ہوتی ہے اسی وقت سے پیروں میں کپڑے کی پٹی باندھ دیتے ہیں اور یہ پٹی اُس وقت تک برابر باندھی جاتی ہے جب تک جسم میں نمو کی قوت باقی رہتی ہے۔ عورتیں خود بھی نہایت خوشی سے یہ بات گوارا کرتی ہیں کہ اُن کے پاؤں ہر وقت بندھے رہیں چنانچہ وہ دہقانی اور کم مایہ مستورات کے بڑے بڑے پاؤں دیکھکر تمسخر کرتی ہیں۔

[2] اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو زدوکوب کرے تو عدالت میں چارہ جوئی نہیں ہوسکتی، لیکن عورت مرد پر دست درازی کرے یا سب و دشنام سے پیش آئے تو عدالت عموماً یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مجرمہ کے کھیٖے یا پرنتو کوڑے لگائے جائیں۔ یہ سز[illegible]وں کے لیے ایسی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ وہ مہینوں چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتیں۔

شوہر کی خلاف ورزی اور بے جا ضد (۲) عقیم ہونا (۳) زنا (۴) شوہر کی دیگر (منکوحہ) عورتوں سے رشک و حسد اور اُن کی ایذا دہی (۵) کسی متعدی مرض میں مبتلا ہونا (۶) بدمزاجی و بدزبانی (۷) چوری اور خاوند کے مال کا بے جا صرف - اگر عورت کا کوئی عزیز اور سرپرست نہ ہو تو بجز زنا اور کسی حالت میں طلاق جائز نہیں اور زنا کی حالت میں بھی وہ شوہر کے قبضہ میں رہے گی لیکن اُسے زوجیت کا رتبہ حاصل نہ ہوگا، خاوند کو اختیار ہے خواہ ایک کنیز کی طرح اُس سے خدمت لے خواہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دے -

اہل خطا کے طریق ماند و بود سے اُن کی شایستگی کا کافی ثبوت ملتا ہے، وہ دو منزلہ سہ منزلہ مکانات کو ناپسند کرتے ہیں - عام طور پر مکانات ایک ہی منزل کے ہوتے ہیں - ایک متوسط الحال شخص کا مکان کئی ضروری حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، عام ملاقات کے لیے ایک دیوان خانہ بے تکلف احباب کی نشست کے لیے ایک خلوتکدہ، ایک خوابگاہ اور خوابگاہ سے ملا ہوا مکان کا زنانہ حصہ ہوتا ہے - مکان میں ایک مختصر چمن یا خانہ باغ کا ہونا بھی ضروری ہے - مکانات عموماً پتھر کے ہوتے ہیں اور دروازے پر سنگ مرمر کے دو شیر ببر و پہرہ دار بنائے جاتے ہیں خانہ باغ میں سنگ مرمر یا سنگ موسیٰ کی ایک مختصر نشستگاہ ضرور ہوتی ہے جس پر چین کی مشہور سیتل پاٹی کا فرش اور فرش پر رنگ برنگ کے پھولوں سے بھری ہوئی ایک چنگیر رکھی رہتی ہے - دیوان خانہ اور خلوت کدہ پُرتکلف فرنیچر سے آراستہ رہتا ہے پتھر اور لکڑی کی مصنوعات میں اہل خطا کو خاص امتیاز حاصل ہے دیوار و پر نقش و نگار کی جگہ ریشمی کپڑوں پر بزرگانِ ملت کے اقوال نیلگوں حرفوں میں لکھ کر لگائے جاتے ہیں - [illegible] کے مرمر کے حوض بھی ہوتے ہیں

[illegible]

اہلِ خطا اپنے لباس کو اگرچہ وہ دیگر ممالک میں بدنما اور مضحکہ انگیز سمجھا جاتا ہے نہایت پسند کرتے ہیں، امرا کا لباس بالعموم موسم گرما میں ریشم اور موسم سرما میں سمور وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے لیکن کم استطاعت لوگ قانوناً ہر موسم میں سوتی کپڑے یا چمڑے کے پوستین پہننے پر مجبور ہیں۔ لباس کا رنگ سرکاری طور پر ہر درجہ کے آدمیوں کے لیے جدا جدا مقرر کیا گیا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے لباس میں کچھ یوں ہی سا تفاوت ہے لیکن خطا کی عورتیں اپنی آرائش میں کچھ کم وقت صرف نہیں کرتیں۔ عورتوں کا لباس تنگ و چست نہیں ہوتا اور منہ کے سوا تمام جسم چھپا رہتا ہے، اسوجہ سے اُن کی جسمانی حالت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا وہ آزادی کے ساتھ جس رنگ کا لباس چاہتی ہیں استعمال کرتی ہیں لیکن سن رسیدہ عورتیں عموماً نافرمانی یا سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ قدیم ترین ایام میں مرد بھی عورتوں کی طرح تمام سر پر بال رکھتے تھے لیکن تاتاریوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ رسم موقوف کردی بلکہ یہاں تک اسرار کیا کہ بال رکھنے کے جرم میں صدہا اشخاص کو قتل کر دیا گیا۔ اب اہلِ خطا صرف چوٹی رکھتے ہیں جسمیں عموماً ریشمی موباف پڑا ہوتا ہے اور یہ چوٹی اسقدر ضروری اور مقدس سمجھی جاتی ہے کہ جب عدالت سے کسی مجرم کے لیے سخت اہانت آمیز سزا تجویز ہوتی ہے تو اُس کی چوٹی تراشنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اہلِ خطا اپنے مذہب کے بہت پابند ہیں۔ قدیم ترین زمانہ میں وہ موحد تھے لیکن مسیح سے کئی صدی پہلے اُن میں بت پرستی کا رواج ہوا۔ اب سنہ میلاد سے وہ بودھ مذہب کے پیرو ہیں ان لوگوں میں اخلاقی تعلیم کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے چینی گورنمنٹ کی طرف سے چند لکچرار متعین ہیں جو مہینے میں اکثر تبہ سربازار اخلاق پر لکچر دیتے ہیں یہ لکچر عموماً چین کے مشہور شدہ احکام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ باشندگان خطا میں اطاعت والدین کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور والدین اپنی اولاد پر غیر معمولی اختیار رکھتے ہیں چنانچہ قانونی اجازت کی بنا پر وہ ضرورت کے وقت اپنے بچوں کو فروخت بھی کرسکتے ہیں۔

خطا میں جب کوئی شخص رہگرائے عدم ہوتا ہے تو اُسکے تمام اہلِ قرابت ماتمی لباس پہن کر شریک ماتم ہوتے ہیں اور نعش کے پاس بیٹھکر متوفی کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ وفات سے کچھ دیر بعد فرزند اکبر اُٹھتا ہے اور نعش کو [illegible] لباس پہناتا ہے اور ایک

سلہ خطا میں لباس کے علاوہ شرفا کی پہچان یہ ہے کہ ان کے ناخن تین چار انگل کے قدر بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ مزدوری پیشہ [illegible] نہیں۔

تابوت[1] میں لٹا دیتا ہے۔ یہ تابوت کمرہ کے وسط میں ایک میز پر رکھدیا جاتا ہے تابوت کے آس پاس مجمروں میں لوبان سُلگا دیا جاتا ہے اور چاروں طرف کثرت سے پھولوں کا انبار کیا جاتا ہے، تمام اقربا اس تابوت کو علی قدر مراتب باری باری سجدہ وسلام کرتے ہیں، سب سے زیادہ ماتم وغم کا اظہار فرزند اکبر سے ہوتا ہے، یہ ماتمی مہمان جب تک نعش دفن نہو جائے اپنے اپنے گھروں کو واپس نہیں جاتے۔ ہاں اگر تین برس تک نعش کا مکان میں رکھا جانا قرار پایا ہے تو لوگ واپس چلے جاتے ہیں اور تدفین کے وقت پھر چلے آتے ہیں۔

جب جنازہ اُٹھایا جاتا ہے تو اُسکے آگے آگے صدہا مزدور غیر گھوڑے اور دیگر حیوانات کی تماثیل وتصاویر قطار در قطار لے کر چلتے ہیں ان کے بعد دو رویہ دو لمبی صفیں اُن مزدوروں کی ہوتی ہیں جو ایک ہاتھ میں ایک پالش کی ہوئی چھڑی لیے ہوئے ہوتے ہیں، اس چھڑی کے دوسرے کنارے پر ایک تختہ جڑا ہوتا ہے اور اُس میں متوفی کے اوصاف جلی قلم سے لکھے جاتے ہیں۔ ان کے بعد سازندوں کی ایک جماعت مختلف قسم کے باجے بجاتی ہوئی گذرتی ہے۔ جو سنتھ کہاروں پر متوفی کا تابوت ہوتا ہے۔ اسکے پیچھے متوفی کا فرزند جوتی کھولے سفید گزی کا پاجامہ اور کرتا پہنے پابرہنہ ماتم کناں اور سینہ زناں ماتم پوش رفقا کے حلقہ میں آہستہ آہستہ چلتا ہے اسکے پیچھے مستورات کی سواریاں ہوتی ہیں جو ذرا ذرا دیر کے بعد نہایت ہولناک طریقے سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند کرتی ہیں۔ قبر کے پاس پہنچ کر تابوت زمین پر رکھا جاتا ہے اور جملہ حاضرین اُسے سجدہ کرتے ہیں اور پھر نعش کو دفن کر دیتے ہیں۔ تدفین کے بعد دیگر اقربا تھوڑا سا ناشتہ کرکے اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں لیکن فرزند اکبر اور چند قریبی اعزہ چالیس دن تک گھانس پھونس کا سایہ کرکے وہیں رہتے ہیں اور اس زمانہ میں تمام لذائذ سے پرہیز کرتے ہیں۔ بیٹا اپنے باپ کے بعد کامل تین برس ماتم کرنے پر مجبور ہے سرکاری ملازمت کی حالت میں اُسے رخصت حاصل کرنا پڑتی ہے اور ہر قسم کی آرائش وآسائش اور شادی بیاہ کی شرکت سے اجتناب کرتا ہے۔ کنگھی کرنا، خط بنوانا، کپڑے بدلنا، چٹائی کے سوا پلنگ وغیرہ پر سونا بالکل ممنوع ہے لیکن کچھ عرصہ سے گورنمنٹ چین نے سرکاری ملازمین کے لیے ماتم کی میعاد سو دن مقرر کی ہے تاکہ سرکاری کام میں حرج نہ واقع ہو۔

نور احمد شاہجہانپوری

---

[1] ۔ تابوت عموماً نہایت پر تکلف ہوتے ہیں اور کسی خوشبودار لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ اہل خطا بیشتر ایک نہ ایک تابوت ہر وقت اپنے مکان میں تیار رکھتے ہیں۔

مسٹر محمد علی جوہر کا کلام

ہمارے بعض ناظرین کو اور خصوصیت کے ساتھ اُن احباب کو جن کو اس محبت و شفقت کا علم ہے جو جناب محمد علی صاحب خاکسار ایڈیٹر "تمدن" کے ساتھ فرماتے ہیں شکایت اور واجب شکایت ہے کہ اسوقت تک "تمدن" نے مسٹر محمد علی کی کوئی غزل تک شائع نہیں کی چنانچہ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں "ڈیر قاری مسٹر محمد علی صاحب کی کوئی غزل اسوقت تک "تمدن" میں شائع نہیں ہوئی - حالانکہ مسٹر محمد علی کی کم از کم لٹریری سرگرمی کے مرکز ہونے کا زیادہ حق "تمدن" ہی کو ہونا چاہیے تھا" ہمیں خود اسکا افسوس نہیں قلق ہے کہ اس وقت تک فخر قوم و ملک جناب محمد علی صاحب نے تمدن کے لیے کوئی غزل عنایت نہیں فرمائی تاہم اپنے احباب کے اصرار پر ہم مسٹر محمد علی کے متعلق اپنے اس اصول کو نظر انداز کردینگے جو ہمنے عملاً شائع شدہ مضامین کے متعلق اختیار کر رکھا ہے اور انشاءاللہ آئندہ ہر پرچہ میں مسٹر محمد علی کی ایک آدھ غزل ہوا کرے گی خواہ کہیں چھپ ہی کیوں نہ چکی ہو۔ "تمدن" میں اس تحریر کے پڑھنے کے بعد ہمیں امید واثق ہے کہ اگر مسٹر محمد علی کوئی غزل لکھیں گے تو اسکی اشاعت کے خیال کے ساتھ "تمدن" کا خیال فراموش نہیں کیا جاسکے گا ذیل میں جناب جوہر کی دو غزلیں درج کی جاتی ہیں - ناظرین کو علم ہے کہ مسٹر محمد علی اسوقت کس حالت میں ہیں اس حالت میں ممکن ہے کہ بعض لوگ ہم سے یہ توقع کرتے ہوں کہ ہم محمد علی صاحب سے غزل کے لیے اصرار کرینگے - مگر افسوس ہے کہ ہم وہ ظرف کہاں سے لائیں جو ان سے کوئی درخواست اور التجا کرسکے۔ ایڈیٹر۔

یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے — یہ ظلم نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے

ہوں لائق تعزیر یہ الزام ہے جھو[illegible] — مجرم ہوں بیشک یہ خطا اور ہی کچھ ہے

ہو مکر و دغا لاکھ شعار اہلِ ہوس کا — پر شیوہ اخوانِ صفا اور ہی کچھ ہے
سرکش نہیں باغی نہیں غدار نہیں ہم — پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے
ہم عیش دو روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن — ایمائے شہِ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے
خود خضرؑ کو شبیرؑ کی اس تشنہ لبی سے — معلوم ہوا آب بقا اور ہی کچھ ہے
ہوتے ہی ہیں بے مہریِ احباب کے شکوے — پر قاعدۂ صبر و رضا اور ہی کچھ ہے
تاخیر میں کچھ حرج نہیں یہ تو بتا دو — ہے مدِ نظر وصل بھی یا اور ہی کچھ ہے
اغیار کو ہو لذت آغاز مبارک — انجامِ محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے
کرنا نہ کبھی ان پہ گماں اہلِ ہوس کا — عشاق کی نیت بخدا اور ہی کچھ ہے
نہ سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار — اُس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے
اس شانِ تمرد سے نہ کھانا کہیں دھوکا — اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے
یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی — پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یہ صدر نشینی ہو مبارک تجھے جوہر
لیکن صلۂ روز جزا اور ہی کچھ ہے

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی — ہوس زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی
قلزم عشق میں ہیں نفع و سلامت دونوں — اسمیں ڈوبے بھی تو کیا پار اُترنا ہے یہی
قید گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد — تیری زلفوں کا جو شانوں پہ بکھرنا ہے یہی
اے اجل تجھ سے بھی کیا خاک رہے گی اُمید — وعدہ کر کے جو ترا روز مکرنا ہے یہی
اور کس وضع کی جویاں ہیں عروسانِ بہشت — ہیں کفن سُرخ شہیدوں کا سنورنا ہے یہی
حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا — اب بھی احساس ہو اسکا تو اُبھرنا ہے یہی
تجھ سے کیا صبح تلک ساتھ نبھے گا اے عمر — شب فرقت کی جو گھڑیوں کا گزرنا ہے یہی
ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست — قلب مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی
نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر — کام کرنے کا یہی ہے تمھیں کرنا ہے یہی

بیقصور قصوروار

میرا خیال تھا کہ میں کسی لطیف ہستی کا قصور نہیں کرتا مجھ سے اپنی غلطی سرزد نہیں ہوتی اگر ہوتی ہوگی تو میں فوراً اسکی معافی مانگ لیتا ہوں گا۔ میرے احباب نے مجھے کبھی ہٹ دھرم نہیں پایا بلکہ نمایاں خصوصیت یہی رہی کہ میں نے اپنے قصور کو ہمیشہ تسلیم کر لیا اگر میں نے قصور کیا ہوگا تو کسی انسان کا کسی تقدس نما انسان کا۔ صنف کرخت کے کسی فرد کا مگر میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے صنف لطیف کے کسی فرد کا کوئی قصور اسوقت تک نہیں کیا۔ مگر آج میں اپنے آپ کو مجرم معلوم ہوتا ہوں میں اپنی نظروں میں قصوروار نظر آتا ہوں۔ کس لیے اس لیے نہیں کہ میں قصوروار ہوں میں نے قصور کیا ہے مجھ سے قصور سرزد ہوا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ میری ذات اس الزام سے بری ہے اور میں اسکو اپنی نجات کے بیشتر حصہ کا دار مدار سمجھتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ صنف نازک کی دل سے عزت کی صنف نازک کی پرستش کی (خدا کرے تقدس نما گروہ سن لے) مگر میں کیا کروں میں کیونکر زندہ رہوں کیونکہ صنف لطیف کی ایک پُر کیف ہستی مجھے قصوروار سمجھتی ہے۔ میں نے کسی سے محبت کا دعویٰ کیا۔ کیا۔ مگر کیا یہ کوئی گناہ تھا ممکن ہے کہ اقدس نما لوگوں کے نزدیک ہو مگر میرے نزدیک نہیں۔ اس ہستی کا دعوے ہے کہ میں نے محبت کا اقرار کیا۔ مگر محبت نہیں کی اس ہستی کو کیونکر یقین دلایا جائے کہ میں نے محبت کا دعوے کیا اور اسکی اسوقت تجدید کرتا ہوں قدرت نے مجھے اس سے جدا کر دیا بعض دنیوی قوتوں نے مجھے اپنے محبت کے دعوے کو ثابت کرنے نہ دیا۔ مجھے محبت ہے اور رہے گی مگر اسکی جدائی نے مجھے زندہ نہیں رکھا اگر زندہ رکھا تو وہ اسے زندگی سمجھے میں زندہ نہیں ہوں۔ میری زندگی پرسکون نہیں۔ میں اپنی مردہ زندگی سکون سے نہیں گذار سکتا اگر وہ مجھے بے وفا قصوروار سمجھتی ہے۔ قدرت اور دنیا دونوں سے میں نے جنگ نہیں کی اور اس قصور کی سزا جو کچھ مجھے ملنی تھی مل گئی مل رہی ہے اور ملتی رہے گی۔ میں مردہ ہوں مگر زندہ۔ زندہ ہوں مگر زندہ درگور۔ میں کچھ نہیں چاہتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک پھول مجھے خار نہ سمجھے۔ اسلیے کہ اس سے پھول کے نازک دل میں بھی کچھ کھٹک ہوگی۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ نور مجھے نار نہ سمجھے کیونکہ میں نور کے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا [illegible] سنگین جرم کا مجرم ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ باد صبا مجھے سموم نہ سمجھے کیونکہ وہ اسکے اثر کو زائل کر دینے والی ہوتی ہے۔ اُف عورت ایک پھول ہے

عورت ایک نور ہے۔ عورت کیف ہے۔ عورت ایک برکت ہے۔ عورت ایک رحمت ہے۔ عورت ایک شعلہ ہے۔ عورت ایک مظہر جمال ہے۔ دنیا کی ہر طاقت کی میں مخالفت کر سکتا ہوں مگر کسی نازک چیز کی مخالفت کا خیال مجھے پریشان کر دیتا ہے۔ او محترم عورت تو اپنے دل سے یہ خیال نکال دے کہ میں محبت کو بدنام کرنے والا ہوں میں بے وفا ہوں جیں پورے طور پر مرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جس وقت تک میرا دل۔ میرا محبت نواز دل یہ اطمینان نہ دلا دے کہ وہ مجھ سے بدگمان نہیں ہے۔ میں قصوروار نہیں ہوں پھر بھی تیرے خیالی تصور کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہوں

میں معافی چاہتا ہوں

میں بہت منصف تھا۔ انصاف کے آگے رحم کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا تھا مگر دنیا والو دیکھو کہ آج میں بے قصور معافی مانگتا ہوں۔ اور معافی پر اپنی زندگی موت اور نجات کا انحصار سمجھتا ہوں۔ میں اس رحم کی درخواست کرتا ہوں جسے میں نے ہمیشہ انصاف کے خلاف سمجھا۔ میرا دل گواہی دینے لگا کہ کسی نے دل میں سے میرے قصور کا خیال نکال ڈالا۔ اب میں سرور دائمی کی موت مرنے کے لئے تیار ہوں۔ ملک الموت آ۔ اب تیرے استقبال کو میں تیار ہوں۔ سُنتے ہیں کہ عورت بدگمان ہوتی ہے لیکن اگر میرا خیال صحیح ہے تو عورت میں جس قدر بدگمانی کا مادّہ ہوتا ہے وہ اسیقدر رحم بھی کر سکتی ہے۔

چنانچہ مجھے معاف کر دیا گیا

اگر معافی میں کچھ کسر باقی ہے تو ٹھہر ملک الموت ٹھہر مگر نہیں عورت اتنی بے رحم نہیں ہو سکتی اگر وہ اسقدر بے رحم ہے تو عورت نہیں ہے نہیں وہ جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔

عورت ہے اور اسی لیے اُس نے معاف کر دیا۔

معافی کے یقین پر بیڑا پار ہے۔ دیکھیے اس کا یقین کب ہو۔ توہمات کی کشمکش کب تک باقی رہے۔ وہ عورت جس نے میری زندگی کو مردہ کر دیا یقیناً ایسے ذرائع بھی رکھتی ہے کہ مجھے یقین دلا دے۔ دیکھو میں ہاتھ جوڑتا ہوں معاف [illegible] معافی کا یقین دلا دو۔ اور دعا کرو کہ میں مر . . . جا . ؤں کیونکہ . . . . زندگی زندہ دلی کا نام ہے اور وہ میری اور تمھاری جدائی نے غارت کر دی۔ قدرت رحم کر اگر رحم نہیں آتا تو ظلم کر مگر کتنا؟ اتنا کہ میں اس کو برداشت نہ کر سکوں۔

اطہر

غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

سب ڈھونڈتے ہیں مجھکو گم ہوں جو بوستاں سے
تنکے بھی جھانکتے ہیں جھک جھک کے آشیاں سے

آخر حجاب اُٹھا۔ قاتل غمِ نہاں سے
بجلی سی کوندتی ہے کٹتی ہے رگ جہاں سے

جو پر گرے قفس میں لاؤں اُنھیں کہاں سے
اب فاصلہ نہ پوچھو مجھ سے اور آشیاں سے

تقدیر راہبر ہے میں کچھ نہیں سمجھتا
جاتا ہوں میں کدھر کو آتا ہوں میں کہاں سے

نالوں کو راستے میں کب تک نہ کوئی ملتا
آخر کو صبح ہوتے ٹکرا گئے اذاں سے

اے نزعِ روح اتنی مہلت تو دے کہ مجھکو
لینا ہے کام دم بھر اس آہِ ناتواں سے

اک خوانِ دعوتِ دل اور دہر کی بلائیں
مہمان آ رہے ہیں کھنچکر کہاں کہاں سے

کچھ دور گرد آئی ہم بیکسوں کے پیچھے
یوں دوستی بڑھائی منزل نے کارواں سے

کیا دشمنِ نشیمن پُرزور آندھیاں تھیں
برسوں گرے ہیں تنکے دامانِ آسماں سے

وہ حفظ کی علامت لٹنے کی یہ نشانی
نالوں کو کیا علاقہ آوازِ پاسباں سے

اک بوریائے نے ہے تو خوش نہ ہو تو لے لے
گردوں سے مجھے ملا کیا عالم کے خاکداں سے

پھولوں سے تو چھٹا میں ہاں اب یہ دیکھنا ہے
کب تک بنی رہے گی گلچین و باغباں سے

یہ زندگی کی حالت ہے دیکھنے کے قابل
خوش ہوں گے آپ یوں تو اک روز داستاں سے

اے زندہ باش نالو تم نے حیات رکھ لی
جو دل میں آبلے تھے ٹوٹا کیے نہاں سے

ثاقب کھلے نہیں کچھ اسرار اس گلی کے
جاتا ہے جو پلٹ کر آتا نہیں وہاں سے

حسرت موہانی

ہم نے اس بات کا شکوا نہ کیا تھا نہ کریں
عشق بیداد میں ناحق وہ محابا نہ کریں

شوق جب حد سے گذر جائے تو ہوتا ہے یہی — ورنہ ہم اور کرم یار کی پروا نہ کریں

رشک آتا ہے مجھے نور جو ہوتا ہے نثار — بام پر آپ شبِ ماہ میں سویا نہ کریں

جان ہی سے نہ گذر جائیں کہیں اہلِ نیاز — شوق سے ناز کریں وہ مگر اتنا نہ کریں

مانع گریہ جو ہیں آپ - تو کیا اس سے یہی — چارۂ جانِ حزین و دلِ شیدا نہ کریں؟

دلِ وحشی کا کسی طرح تقاضا تو مٹے — کیا کریں سر کو جو آمادۂ سودا نہ کریں

سُن کے قاصد سے مرا حال کہا تو یہ کہا — ہے وہ بدنام کہیں ہم کو بھی رسوا نہ کریں

رازِ اہنگ یہ کھلا ہے نہ کھلے - لوگ عبث — دعوے دانشِ ماہیتِ اشیا نہ کریں

ہیں رضا کار تو ہم پہ ہے بہر حال یہ فرض — شکرِ حق لب پہ رہے شکوۂ اعدا نہ کریں

مان لیں فیصلۂ دوست کو بے چون و چرا — فکرِ امروز ہی کیں غمِ فردا نہ کریں

تو نے حسرت یہ نکالا ہے عجب رنگِ غزل
اب بھی کیا ہم تری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

حضرت رعب قریشی انصاری

حریفِ ضبطِ شوقِ دل نہ تھا ذوقِ نظر میرا — یہ حُسنِ خود نما تیرا ہے ظالم پردہ در میرا

کہیں اے ذوقِ پامالی نہ گھر میرا نہ در میرا — ٹھکانا ہے تو اک نازک روش کی رہگذر میرا

ترا [illegible] ہے گا نوحہ گر میرا — تری مشقِ ستم ماتم کرے گی عمر بھر میرا

کشش [illegible] تیر کس کے [illegible] افزا ہوا — ادھر بے چین دل میرا اُدھر بے کل جگر میرا

مزاج [illegible] کون پوچھے دادخواہانِ محبت — وہ آتا ہے حضورِ داورِ محشر نڈر میرا

خدا [illegible] میرا [illegible] کا [illegible] — مری بربادیوں کے دم سے ہے آباد گھر میرا

[illegible] — مجھے شوق [illegible] تیرا - تجھے ذوقِ نظر میرا

[illegible] دے [illegible] — بحسرت کیا مرا منہ دیکھتا ہے چارہ گر میرا

مجھے [illegible] آئے — [illegible] قصۂ مختصر میرا

یہاں قطع منازل کی کوئی حد بھی مقرر ہے
بھلا کیا ساتھ دے سکتا رفیق ہمسفر میرا

پتا دل کا کہاں آوارہ گردی ہائے الفت میں
مجھے رستہ بتا کر ہو گیا گم راہبر میرا

مری حیرت صدائے بازگشت لن ترانی تھی
نقاب رخ ہوا خود پھیل کر تار نظر میرا

بڑی ہوتی ندامت گرمجوشی ہائے رحمت سے
مرے کام آ گیا روز جزا دامان تر میرا

حجاب کثرت موہوم آخر پردہ در ٹھہرا
ترا نظارہ ہے اور دیدۂ وحدت نگر میرا

صفائے دل میں کس کا جلوۂ حیرت فزا دیکھا
تماشائی ہے اس آئینے کا آئینہ گر میرا

مری خاک اُڑ کے یارب سرمۂ چشم بصیرت ہو
کہ اک عبرت سرائے خانہ ویرانی ہے گھر میرا

کرے گا شوق شرح آرزو کو منفعل کیا کیا
سکون نارسا تیرا بیان بے اثر میرا

نیاز حسن دیکھا او سیر چشم ناز خودداری
ارے دل مانگتی ہے تیری شرمیلی نظر میرا

یہی کیا کم ہے رغبت اس کہہ رفن کی خشک سالی میں
کہ یاروں کو پسند آ جائے کوئی شعر تر میرا

حضرت دل شاہجہانپوری

نالۂ شب گیر کے یا آہ بے تاثیر کے
یہ نہیں معلوم ہم مجروح ہیں کس تیر کے

یہ نتیجے ہیں ہمارے نالۂ شبگیر کے
بڑھ گئے کچھ اور بھی حلقے کڑی زنجیر کے

ابروئے خمدار کا مدّ مقابل کون تھا
کس نے ٹکڑے کر دیے قاتل تری شمشیر کے

سعی لاحاصل پہ اپنی نامرادی ہنس پڑی
اس کے یہ معنی کہ میں بھی ساتھ ہوں تقدیر کے

عشق ہے دن رات محو شغل صورت آفریں
دل ہے جس کا آئینہ قربان اُس تصویر کے

بال کھولے اب نہ آ نا بیکسوں کی قبر پر
حوصلے کچھ بڑھ چلے ہیں خاک دامن گیر کے

شام غربت کو ہٹا دو منظر صبح وطن
اس کے پردے میں ستم ہیں آسمان پیر کے

خشک خون میں اے گداز عشق یہ گھل مل جائیں
دل کا سرمایہ ہی کیا ہے چند ٹکڑے تیر کے

[illegible] کی جانب [illegible]
[illegible] پہلو میں تیرے تیر کے

پھونکدی ہے حُسنِ مطلق نے جب آزادی کی روح ۔۔۔ کیوں رہیں پابند ہم شوریدہ سر زنجیر کے
کیا یہی انصاف ہے او قاتلِ پیمان شکن ۔۔۔ دل کے او چھے زخم ہیں چرکے تری شمشیر کے
چند سانسیں حدِ فاصل تھیں رہِ مقصود میں ۔۔۔ مر کے گویا طے ہوئے سب مرحلے رہ گیر کے
اے جنوں پائے طلب کا روکنا زیبا نہ تھا ۔۔۔ بڑھ گئے زخمِ نگہ سے زخم اب زنجیر کے
ظاہر و باطن جہاں دیکھا وہی ہے جلوہ گر ۔۔۔ چشم و دل دو آئینے ہیں اک ہی تصویر کے
اضطرابِ عشق جس ناشاد کی فطرت میں تھا ۔۔۔ حُسنِ دل کش نے کیے ہیں وا اُسی پر تیر کے
ساکنانِ عالمِ بالا میں ہیں سرگوشیاں ۔۔۔ مل گئے نالے مری فریاد سے زنجیر کے

اے دلؔ اب اللہ شاہد ہے شہیدِ ناز کا "
خون کے دھبے تو جوہر بن گئے شمشیر کے

حضرت باسط بسوانی

سیاہی رنگ لائی یوں مرے عصیاں کے دفتر کی ۔۔۔ سوادِ شام سے بدلی سپیدی صبحِ محشر کی
ہوا وقفِ جبیں سائی۔ بنا زینت ترے در کی ۔۔۔ مری تقدیر سے اچھی ہے پھر تقدیر پتھر کی
ابھی تک بند ہے شیشے میں مے ساقیِ کوثر کی ۔۔۔ قیامت کو نکالی جائے گی میرے مقدر کی
مرا قبضہ ہوا بعد از فنا گورِ غریباں پہ ۔۔۔ زمیں دو گز نکل آئی وہاں میرے مقدر کی
مزاجِ یار سے برگشتگی میں ملتا جلتا ہے ۔۔۔ رسائی ہے کہاں تک میرے برگشتہ مقدر کی
دعا دیتا ہوں میں بیٹھا ہوا خارِ مغیلاں کو ۔۔۔ کہ تلووں میں چبھے دل سے نکالی یاد نشتر کی
خدا کے سامنے قاتل مزہ تو جب بیاں کا ہے ۔۔۔ دہن ہو میرے زخموں کا۔ زباں ہو تیرے خنجر کی
وہ دیکھا اہلِ زنداں ہو گئی زنجیر دو ٹکڑے ۔۔۔ ہمارے پاؤں سے ظاہر ہوئی شوریدگی سر کی
ادھر آئیں تری زلفِ پریشاں کی بلائیں یوں ۔۔۔ کہ یہ تو ہو بہو تصویر ہے میرے مقدر کی
ہیں جتنے اہلِ محفل بے پیے سب مست بیٹھے ہیں ۔۔۔ تمہاری آنکھ کی گردش بھی کیا گردش ہے ساغر کی
خیال آتا ہے جس دم اُسکو میری تشنہ کامی کا ۔۔۔ تو فوراً ڈبڈبا آتی ہے ساقی آنکھ ساغر کی

ہمارے خون دل سے تو اسے بھی سرخرو کرے
زبانِ تیغ سے قاتل ملا دے نوک نشتر کی

خدا شاہد ہے جب اہل زمیں مجکو ستاتے ہیں
تو صورت دیکھنے لگتا ہوں میں چرخ ستمگر کی

یہ کس دل سے اُٹھی نعرۂ مستانہ نکلا تھا
کہ ہفت اقلیم میں گونجی صدا اللہ اکبر کی

لکھا ہے پھر مری تقدیر میں توبہ شکن ہونا
مجھی پر آج پھر پڑتی ہے بالسطا آنکھ ساغر کی

حضرت بیباک شاہجہانپوری

آخر خدا کی شان کہوں یا خدا کہوں
حیرت میں ہوں کہ اُس بت کافر کو کیا کہوں

وہ دل میں جاگزیں ہے مسلم ہے جب یہ بات
کیونکر نہ پھر فغاں کو اُسی کی صدا کہوں

ہے ہے خدا نخواستہ روز جزا کو بھی
میں اور اپنے منھ سے اُسے بے وفا کہوں

ناصح سے دل کا حال چھپاؤں نہ کس طرح
نا آشنا سے کیا سخن آشنا کہوں

محشر میں مجھ غریب کی سنتا ہی کون ہے
میں ابتدا سے حال جو تا انتہا کہوں

ہر ہر ادا ہے جرم محبت پہ جاں گسل
کیونکر نہ روز وصل کو روزِ جزا کہوں

وہ چارہ گر تو ہے جو ابھی چارہ گر نہیں
میں اپنے درد عشق کو کیوں لا دوا کہوں

آیا فراق میں بھی لبوں پر نہ میرا دم
کیا تجھ سے حالتِ نفسِ نارسا کہوں

اپنے بھلے کے ساتھ زمانے کا ہے بھلا
دربان کیوں نہ آپ کے در کا گدا کہوں

دیکھا اُسے تو ضبط خوشی کا نہ ہو سکا
اب خوبیِ نصیب کو اپنی قضا کہوں

کرتا ہے آفتاب قیامت سے روکشی
پھر داغ دل کو کیوں نہ ترا نقش پا کہوں

ہر دم شگفتہ غنچۂ دل ہے بہ رنگِ گل
کیونکر نہ اُس نگاہ کو موجِ صبا کہوں

سوجا کیا یہ ہر نگۂ التفات پر
اپنی اُسے سناؤں کہ دل کا کہا کہوں

واعظ یہ بات کیش محبت میں شرک ہے
بت کو نہ بت کہوں تو خدا کو خدا کہوں

شاہد ہے اُسکے دل میں نہ ہونے پہ اضطراب
لیکن غلط ہے دل سے جو اُسکو جدا کہوں

دل ہے کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں ۔۔۔ سُن لیجیے تو حالِ دلِ مبتلا کہوں

کچھ مجھ سے حالِ داورِ روزِ جزا نہ پوچھ ۔۔۔ کہنے نہ دے جو مُنھ سے محبت تو کیا کہوں

بیباکؔ اُس سے راہِ سخن وا ہو کس طرح

اب دل کہاں کہ بسملِ تیغِ ادا کہوں

حضرت تیر آرزو جعفری بریلوی

پھر دل پہ نظر ہے کسی بیباک نظر کی ۔۔۔ اک دھوم ہے پھر ہائے جگر ہائے جگر کی

یوں ہم نے تماشا گہہ عالم میں بسر کی ۔۔۔ حالت کسی محفل میں جو ہو شمعِ سحر کی

آغوشِ لحد میں بھی نہ آرام سے گذری ۔۔۔ تھی کوئی مکافاتِ عمل ٹیس جگر کی

دل پہلو میں بیتاب جگر سینہ میں صد چاک ۔۔۔ اللہ ری لگاوٹ ستم اندازِ نظر کی

انسان ہوں پتھر کا کلیجا نہیں میرا ۔۔۔ آخر کوئی حد بھی خلشِ دردِ جگر کی

ناصح کی وہی چھیڑ یہ انداز بُرا ہے ۔۔۔ دل کو وہی حسرت غلط اندازِ نظر کی

کہتے ہیں قیامت جسے ہنگامۂ الفت ۔۔۔ ہم سمجھے ہیں اک گرد تری راہ گذر کی

دونوں کا اثر ہوش ربا ہے شبِ فرقت ۔۔۔ بیتابیِ دل ہو کہ جھپک دردِ جگر کی

مقبول جو ہو ہم وہ دعا ہی نہیں کرتے ۔۔۔ پھر ہو تو کس اُمید پہ امیدِ اثر کی

کافی ہے ہمیں دوستیِ آلِ محمدؐ ۔۔۔ اب اس سے زیادہ ہے ہوس زادِ سفر کی

وہ یاد تری اور وہ تنہائی کا عالم ۔۔۔ اللہ کو معلوم ہے کس طرح بسر کی

موجود ہیں وہ بھی سرِ بالیں ہے اجل بھی ۔۔۔ اچھی نہیں ایسے میں کمی دردِ جگر کی

غم کھانے میں کم حوصلہ نکلا دلِ بیتاب ۔۔۔ ایسی کوئی کاوش تو نہ تھی تیرِ نظر کی

کہدے کوئی اُن سے مرے بالیں پہ نہ آئیں ۔۔۔ اچھی نہیں تاثیر پریشان نظر کی

برپا ہوا محشر بھی مگر وائے [illegible] ۔۔۔ چہرہ سے نقاب اُن کے سرکنا تھی نہ سرکی

نکلا ہی جو دل سے ابھی اک آہ شرر بار ۔۔۔ اب یہ کسے معلوم کہ نیت ہے کدھر کی

وہ لاکھ چھپائیں یہ لجائی ہوئی آنکھیں   دیتی ہیں خبر صاف کہاں رات بسر کی
یا ہم نہیں - یا وہ نہیں پہلو میں عدو کے   بڑھنے تو دو اے تیر ذرا ٹیس جگر کی

بیہوش نہ اتنا ہو انجام کو سوچو
اچھی نہیں اے تیر غشی آٹھ پہر کی

حضرت فصیح دہلوی

تلاشِ چارۂ دردِ جگر کامل شفا تک ہے   وفورِ شوق و بیتابی حصولِ مدعا تک ہے
ہمارا انکسار و عجز گر حدِ وفا تک ہے   تمہارا اقتدار و ناز ظلم ناروا تک ہے
خدا چاہا تو اک دن بخت خفتہ جاگ جائیگا   مری حرماں نصیبی آپ کی شرم و حیا تک ہے
گل و گلچیں کا شکوہ اور گلہ صیاد کا کیسا   مخالف بلبلِ بے پر سے گلشن میں صبا تک ہے
انہیں بے سوچے سمجھے دیکھے دل پھر ہو گئے غافل   قصور اس میں ہمارا ابتدا سے انتہا تک ہے
مرادیں مانگتے ہیں تجھ سے یارب التجا کر کے   کہ اپنا زور ہے فریاد تک قابو دعا تک ہے
بجائے گرمجوشی سرد مہری وہ برتتے ہیں   یہ عشق و عاشقی جو کچھ بھی ہے میری وفا تک ہے

فصیح صاف باطن کی سبھی تعریف کرتے ہیں
ثنا خواں آشنا تو آشنا نا آشنا تک ہے

حضرت شفق امروہوی

جو دل ہدفِ ناوکِ قاتل نہیں ہوتا   اس دل کو مزہ عشق کا حاصل نہیں ہوتا
کہتے ہیں ذرا اپنی طبیعت کو سنبھالو   ہر وقت تڑپنے کے لیے دل نہیں ہوتا
آبِ دمِ شمشیر بھی کیا چیز ہے قاتل   پیتا ہوں مگر سیر مرا دل نہیں ہوتا
وہ اس نگہِ یاس سے ہو جاتے ہیں زخمی   میں اس نگہِ ناز سے بسمل نہیں ہوتا
دیکھوں تو کہاں تک وہ کھنچے رہتے ہیں [illegible]ب تک آخر جذبہ کامل نہیں ہوتا
دشمن ہوں تو کیوں مجھ سے رہا کرتے ہو غافل   دشمن سے تو اپنے کوئی غافل نہیں ہوتا

آنکھوں سے لگالے اسے او بانیِ بیداد
تلووں سے مسلنے کے لیے دل نہیں ہوتا

زندہ ہیں کہ مردہ ہیں اسیرانِ محبت
زنداں میں کبھی شورِ سلاسل نہیں ہوتا

کیا سختیِ جان ہے کہ سرِ قتلگہِ ناز
وہ تیغ چلاتے ہیں میں بسمل نہیں ہوتا

اللہ ری تابش مرے داغِ جگری کی
خورشیدِ قیامت بھی مقابل نہیں ہوتا

اُمیدِ وفا اور کسی سے مجھے کیا ہو
جب دل ہی مرے درد میں شامل نہیں ہوتا

لازم ہے محبت کے لیے بیخودیِ شوق
غافل وہی ہوتا ہے جو غافل نہیں ہوتا

ہر سمت سے گھیرے ہوئے رہتی ہیں بلائیں
تنہا شبِ اندوہ مرا دل نہیں ہوتا

جس دل نے ترے حسنِ جہانسوز کو دیکھا
وہ دل کسی معشوق پہ مائل نہیں ہوتا

بھولے سے بھی جس نے کبھی پوچھا نہیں مجھکو
اُس بھولنے والے سے میں غافل نہیں ہوتا

دشمن کی رسائی ہوئی اُس بزم میں کیونکر
کافر تو کبھی خلد میں داخل نہیں ہوتا

اللہ پہ اس درجہ بھروسا ہے شفق کو
بیگانگیِ خلق سے بے دل نہیں ہوتا

مولانا محمد معراج الدین صاحب خسرو کاکوروی

منہ موڑ کے ڈالو بیمار مر نہ جائے
حسرت جمالِ دلبر اے یار رہ نہ جائے

مارا ہوا ادا کا مرتا نہیں قضا سے
اب قصہ ختم کر دو تکرار رہ نہ جائے

ترچھی نظر سے مجھکو اک بار اور دیکھو
میرے لہو کی پیاسی تلوار رہ نہ جائے

عاشق تڑپ رہا ہے کس طرح جان نکلے
آجاؤ وقتِ آخر دیدار رہ نہ جائے

سرشار و مست کر دے آتی مجھے پلا کر
میخوار تیرا ساقی ہشیار رہ نہ جائے

مجھکو ہلاک کر کے تلوار رنجہ رو ہو
ارمان کوئی باقی سرکار رہ نہ جائے

خنجر بکف چلے ہو [illegible] وار کر دو
خسرو تمہارا رنج کرنا [illegible] رہ نہ جائے

ایک نظر

غلام حسین کا ماتم

غلام حسین کا ماتم مسلمان اسوقت تک ہی نہیں جب کہ غلام حسین کو اس دنیا سے رخصت ہوئے کچھ مہینے ہوئے ہیں بلکہ عمر بھر کرتے رہیں گے۔ غلام حسین کیا تھا اس کا جواب یا قوم مسلم ہے اور یا مسٹر محمد علی جنھوں نے راجہ غلام حسین کی سیکڑوں ناز برداریاں کیں اور انھیں وہ غلام حسین بنایا جس کے ماتم کی صف ہندوستانی مسلمانوں کی قومی دنیا میں ہمیشہ بچھی رہیگی۔ راجہ غلام حسین نے کمبخا انتقال کیا۔ اسوقت جبکہ ملک اور قوم کو ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ آج ہم اس شخص کے قلم کا لکھا ہوا ایک نوحہ درج کرتے ہیں جس کا بازو غلام حسین کے انتقال سے ٹوٹ گیا۔ اور جو غلام حسین کی نوحہ خوانی تمام عمر کرتا رہے گا وہ شخص محمد علی فخر قوم محمد علی۔ فخر مسلمانان محمد علی ہے یہ نوحہ اس شخص کی فکر کا نتیجہ ہے جس کی عارضی جدائی کا نوحہ تمام مسلمان بلکہ تمام ہندوستان پڑھ رہا ہے۔

ہائے غلام حسین

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسین — کوئی دن اور بھی جیے ہوتے
کچھ تو انعام حق پرستی کے — ہم نے زہروں سے بھی پیے ہوتے
اے مرے رند بادۂ حق کے — ابھی دو چار خم پیے ہوتے
تم تو دل بھی نکال کر کے چلے — زخم ہائے جگر سیے ہوتے
یوں نہ دامن چھڑا کے چل دیتے — تم گر اس بزم کے لیے ہوتے
تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا — [illegible] نعم البدل دیے ہوتے
تھی شہادت کی کس قدر جلدی — کام کچھ اور بھی کیے ہوتے

خوب کٹتا بہشت کا رستہ　　ساتھ ہم کو بھی گر لیے ہوتے
تم ہی زندہ ہو لغو ہے یہ خیال　　چند دن اور بھی جیے ہوتے
آج جوہر ہیں دل کے قاش فروش
کاش کچھ اور قافیے ہوتے
(مدینہ)

راجہ غلام حسین کا انتقال ہو گیا۔ ان کا نام زندہ ہے اور اُن کا معنوی فرزند نیو ایرا بھی شکر ہے زندہ ہے اس کی زندگی کا انحصار ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں پر ہو مگر نہیں نہیں ہمیں زندگی کی روح پھونکنے والی ایک شخصیت نظر آتی ہے جس کی بے لوث بے معاوضہ خدمات آج نیو ایرا کو زندہ کیے ہوے ہیں اور اُسی طرح قلم پکڑے ہوئے ہیں کہ راجہ صاحب کی روح اس سے تازہ ہوتی ہوگی۔ وہ شخصیت مسٹر شعیب ایم۔ اے علیگ کی شخصیت ہے۔ مسٹر شعیب اپنی کوششوں پر ضرور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ نیو ایرا کو اس شان سے نکال رہے ہیں جس کی غلام حسین کے انتقال کے بعد اور مسٹر محمد علی کی نظربندی کے زمانہ میں ہرگز توقع نہیں تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ مسلمانوں میں سے ایثار کی صفت معدوم ہو گئی ہے مگر اب ہم کہتے ہیں کہ نہیں بالکل معدوم نہیں ہوئی۔ اور اس کا ثبوت نیو ایرا کے موجودہ ایڈیٹر کی ذات میں مل جائے گا۔ نیو ایرا کے کسی پرچہ میں "ہلال تو شعیب" ایک نظم سروجنی نائیڈو کے قلم سے نکلی ہوئی شائع ہوئی تھی۔ ہمیں مسز نائیڈو کے اس انتخاب پر تعجب تھا کہ آپ نے مسٹر شعیب کو آئیڈیل مسلمان کیوں گردانا۔ مگر آج ہم ان کے انتخاب پر تعجب کرنے کے بجاے ان سے متفق ہیں۔

ابو صالح جیلی ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ گزشتہ پرچہ سے سید ابو صالح عبد القادر جیلی کی زندگی سے متعلق ایک مضمون جو ہمارے مکرم دوست سید ظفر حسن صاحب علوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے نکلنا شروع ہوا ہے۔ جناب نیلمیتی کی تقریب اور جناب علوی کے مقدمے کے بعد ہم اس مضمون

یا چھوٹی سی کتاب پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اس مضمون کی دوسری قسط کسی دوسری جگہ شائع کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تلاش عیش اب قریب قریب ایک سال ہونے آیا کہ "تمدّن" کے کرمفرما جناب عبدالوالی صاحب کا ناول "تلاش عیش" "تمدّن" میں شائع ہو رہا ہے اس دوران میں صرف ایک ماہ ایسا گذرا ہے کہ ناول نہیں شائع ہوا۔ اس ماہ میں ناول کے نہ شائع ہونے کی شکایت کے متعلق ہمارے پاس جس قدر خطوط آئے اس سے ناول کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک میں ابھی اعلےٰ اور کامیاب ناول نویسی کی قدر ہے۔ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ ناظرین ایک ماہ کا "تمدّن" "تلاش عیش" سے خالی دیکھکر جو تکلیف اُٹھا چکے ہیں وہ تکلیف ان کو اس ماہ میں بھی برداشت کرنی پڑے گی کیونکہ مسٹر عبدالوالی لیگ کے آیندہ اجلاس کی وجہ سے بہت مصروف ہیں اور اس پرچہ کے لیے ناول کی قسط عنایت نہ فرما سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ ناول کے انتظار کی یہ حد ایک ماہ سے تجاوز نہ کرنے پائے گی۔

ترقی اُردو کی عام درخواست اعانت

یہ بات اب عام طور سے تسلیم کی جاتی ہے کہ ہمارے قومی امراض کا علاج صرف جدید تعلیم ہو سکتی ہے لیکن اس پر غالباً کافی غور نہیں کیا گیا ہے کہ ملک میں یہ تعلیم اُسوقت تک عام اور کارگر تحریک ترقی نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ تعلیم اپنی مُلکی زبان کے ذریعہ سے نہو۔ سید احمد خاں مرحوم نے بھی اصلاح کا سب سے بڑا طریقہ پہلے یہی سمجھا تھا کہ مغربی علوم اور جدید خیالات کو اُردو کا لباس پہنایا جائے۔ اُن مرحوم کی یہ کوشش جن وجوہ سے خاطر خواہ کامیاب اور سرسبز نہو سکی اُن کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ خود سید صاحب نے مغربی علوم پھیلانے کی بجاے مغربی عالم بنانے زیادہ کارآمد تصور کیے اور اُن کی تمام توجہ بہت جلد علیگڈھ کالج کی بنا و قیام میں جذب ہو گئی۔

اس کے بعد بعض مطابع اور انجمنوں نے اپنے اپنے طور پر یہی علمی خدمت انجام دی اور دے رہے ہیں اور انھیں میں انجمن ترقی اُردو بھی داخل ہے۔ اگرچہ اُسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُس کے کام تاجرانہ ہونے کے بجائے زیادہ تر علمی اور ملکی فائدے کے لیے ہوتے ہیں۔ اور پچھلے دو تین سال سے خصوصاً وہ پیہم مصروف [illegible] تک جس رفتار پر کام ہوا ہے اُسکو زیادہ تیز کر دے۔ پچھلے سال اُسے ریاست حیدرآباد اور بھوپال سے سالانہ امداد بھی ملنے لگی ہے اور

گو یہ امداد اُس کے وسیع مقاصد اور عظیم منصوبوں کے مقابلے میں کافی نہ سمجھی جائے، تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ مذکورۂ بالا ریاستوں نے اُس کی بقا کا سامان کر دیا اور اپنے فیض عمیم سے زبان اُردو پر یہ ایک بڑا احسان کیا ہے۔

اس امداد کے بھروسے اور کچھ اس اُمید پر کہ اب انجمن ترقی اُردو کی اتنی ساکھ ہو گئی ہے کہ اہلِ وطن اُسے قابلِ التفات سمجھیں حال میں یہ عزم کیا گیا ہے کہ علوم مغربی کو تراجم و تالیفات کے ذریعہ زبان اُردو میں لانے کی وسیع پیمانے پر کوشش شروع کر دی جائے اور یہ اعتقاد ہے کہ اگر ہم اپنے خیال کے مطابق چند سال بھی یہ کام کر سکے تو زبان اُردو میں علم کا ایک معقول ذخیرہ فراہم ہو جائے گا جس کے فائدے غیر محدود اور شاید کئی کالج بنانے کی نسبت زیادہ حقیقی اور پائدار ہوں گے۔

اپنے علمی تختۂ کار کو ابھی سے شائع کرنا بے سود ہے البتہ یہ لکھ دینا مناسب ہوگا کہ اس بارے میں کہ کون سی کتابیں ترجمہ اور کن مضامین کی کتابیں تالیف کرنی چاہئیں۔ انجمن ملک کے نامور اہل الرائے سے برابر مشورہ لیتی رہتی ہے اور آئندہ بھی اُنہی کی صلاحوں پر اپنی علمی تجاویز مرتب کرے گی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس وقت اُسے کتابیں لکھوانے کے متعلق اتنا تردد نہیں ہے جتنا فکر اس بات کا ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے والے پیدا کیے جائیں! یہی وہ تلاش ہے جس میں وہ تمام حامیانِ اُردو سے دستگیری کی درخواست کر رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر پڑھنے والے نہ ملے تو یہی نہیں کہ انجمن کی محنتیں رائیگاں جائیں گی اور ملک کو کوئی نمایاں فائدہ نہ ہوگا بلکہ صاف بات یہ ہے کہ اگر اُسے اپنی مطبوعات کے خریدار نہ ملینگے تو وہ عملی طور پر کچھ بھی کام نہ کر سکے گی۔ اپنی چھ سوا چھ ہزار روپیہ سالانہ کی موجودہ آمدنی سے وہ زیادہ سے زیادہ تین چار کتابیں شائع کر سکتی ہے اور اگر حامیانِ اُردو کے نزدیک سال بھر میں اسی قدر کارگزاری اُس کی بس ہے تو یہ اُمید نہ رکھنی چاہیے کہ وہ اتنا بھی کام کر سکے گی جتنا بعض نامور مصنفوں نے محض ذاتی محنت سے اور بلا امداد کے کر دیا ہے۔

اس خیال سے کہ لوگوں کو انجمن ترقی اُردو سے ہمدردی اور اُس کی مطبوعات خریدنے میں آسانی ہو اسی سال یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ وہ حضرات جو انجمن کو چھ روپے (لعہ) سال یکمشت یا دو قسطوں میں عنایت کریں گے انھیں اپنی تمام مطبوعات جو اُن کے دورانِ رکنیت میں چھپیں نصف قیمت پر دے گی اور [illegible] اخبارات و رسائل اُردو میں شائع ہو رہے ہیں اور جب کہ ایک متوسط درجہ [illegible] کئی ہزار روپے اپنے شوق پر سال بھر میں خرچ کر دیتا ہے [illegible] اُمید کہ [illegible] انجمن ترقیِ اُردو کا سالانہ چندہ رکنیت

چھ روپیہ ناموزوں نہ سمجھا جائے گا خصوصاً جب کہ وہ اپنی مفید اور علمی کتابیں بھی
ارکان کو نصف قیمت پر دیتی ہے۔ بایں ہمہ انجمن کو ابھی تک اپنی صدا میں اتنی قوت
اور دلکشی نہیں نظر آتی کہ اُسے ملک میں بہت سے ارکانِ اعانت ملنے کی توقع ہو۔ اسی لیے
اُس نے اپنی اُمیدوں کو ایک ہزار ارکان کی تعداد میں محدود کر لیا ہے اور چاہتی ہے کہ
اُن کئی کروڑ نفوس میں سے جن کی مادری زبان اُردو ہے صرف ایک ہزار ایسے ہموطنوں کو
ڈھونڈھ نکالے جو چھ روپیہ سال ترقی اُردو کے واسطے اپنے مصارف کی مد میں
بڑھا سکتے ہیں۔

اسی غرض سے اُردو اخبارات میں یہ اپیل شائع کیا جا رہا ہے اور ہندوستان کے
ہر شہر میں آنریری ایجنٹوں کے ذریعے بھی ارکان انجمن بڑھانے کی فکر ہے۔ انگریزی
علاقے میں (دس ہزار سے زیادہ آبادی کے) تقریباً تین سو شہر ایسے ہیں کہ جہاں اُردو زبان
رائج اور (کم سے کم مسلمانوں کی) مادری زبان ہے۔ اسی لحاظ سے اگر فی شہر ہمیں چار ارکان
بحساب اوسط میسر آ جائیں تو صرف انگریزی علاقہ ہندوستان میں انجمن کے ارکان اعانت
کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے ہمارا مقصد انجمن
کی سالانہ آمدنی میں چھ سات ہزار روپیہ سالانہ اضافہ کر لینا نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہی
ایک قابلِ اطمینان ذریعہ ہے کہ جس سے ہم ملک کی معقول تعلیم یافتہ جماعت کو اپنی کارگزاری
سے آگاہ رکھ سکیں گے اور مطبوعات انجمن کے خریدار پیدا کر سکیں گے جو اشاعتِ علمی کی بہترین
تدبیر اور ترقی اُردو کا اصلی مقصود ہے۔

مجھے کامل اُمید ہے کہ ہمدردانِ اُردو کی خدمت میں میری یہ مختصر عرضداشت بیکار
نہ جائے گی۔ اور اس زمانے میں جب کہ قوموں کی تعلیم و ترقی بلکہ مدنی زندگی کا معیار اُن کا
علم ادب سمجھا جاتا ہے اور جب کہ اُردو کے رستے میں بہت سی موانعات بھی حائل ہوتی
جاتی ہیں میری یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ اس اپیل پر اپنی عزیز زبان کے حامی توجہ فرمائیں
اور خود رکن بن کر یا اپنی ادنیٰ سعی سے اوروں کو رکن بنا کر انجمن ترقی اُردو کی
امداد کر سکتے ہیں تو اس میں دریغ نہ کریں۔ کیونکہ یہ حقیقی معنوں میں ایک قومی کام ہے
جس کے فائدے زمان و مکان سے مقید نہیں، بلکہ بہت ہیں اور غیر محدود ہیں۔ فقط

خادم

اورنگ آباد دکن آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو

اعلان

علم دوست حضرات توجہ فرمائیں!

جیسا کہ خطوط اور اسلامی پریس کے ذریعہ سے پبلک کو معلوم ہو چکا ہے تین سال سے فراہمی ترتیب تصحیح تنقید و طبع کلیات حضرت امیر خسرو کا اہتمام درپیش تھا۔ فراہمی کلام میں عموماً اور اُسکی تصحیح و تنقید میں خصوصاً جو جو مشکلات قدم قدم پر پیش آئیں اُن کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جنکو اس قسم کے علمی کاموں سے کبھی واسطہ پڑا ہے۔ کوئی بیان ان مشکلات کو واضح نہیں کر سکتا۔ بہرحال بفضلہ تعالے اب کام سمٹتا جا رہا ہے اور اس عظیم الشان کام کی تکمیل اب زیادہ دور نہیں ہے۔

اس سلسلہ کی پہلی جلد مثنوی مجنوں لیلے بہمہ وجوہ مکمل ہے جسکی تصحیح ملک کے مشہور اور اُردو زبان کے نامور مؤلف و مصنف جناب مولینا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب رئیس حبیب گنج نے فرمائی ہے اور موصوف نے مثنوی مذکور پر ایک نہایت لطیف اور مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ عند الطلب فوراً ہدیۂ شائقین ہو سکتی ہے۔ مثنوی ہشت بہشت، مثنوی سکندر نامہ، مثنوی عشقیہ، نسخہ نصاب بدیع العجائب و خالق باری و رباعیات اہل حرفہ بھی قریب قریب تیار ہیں اور انشاء اللہ تعالے دو تین ماہ کے اندر یہ تینوں مثنویاں بھی مع نصاب وغیرہ کے نذر ناظرین ہو جائیں گی۔ باقی مثنویاں اور دواوین اور مقالات نثر زیر ترتیب و تصحیح ہیں جنکی اشاعت کی بابت متعاقب اعلان ہوگا۔

۲۔ جملہ علم دوست حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ کم سے کم ایک نسخہ ہر کتاب کا خود خرید کر اور اپنے احباب کو خریداری پر آمادہ کر کے اپنی قوم کی اس علمی خدمت میں شریک ہوں اور منتظمین ترتیب کلیات کا ہاتھ بٹائیں۔ ان ابتدائی جلدوں کی خریداری جسقدر جلد عمل میں آئے گی اُسیقدر جلد باقی ماندہ اجزاء کلیات شائع ہو سکینگے۔ اور نامور قومی اساتذہ کا کلام جو مفقود ہوتا جا رہا ہے اُسکے بقا کا اس طرح ایک مستقل سلسلہ قائم ہو جائے گا۔

۳۔ قیمت فی جلد قسم اول جلد چرمی کاغذ اعلے درجہ کا نہایت دبیز (پندرہ روپے) قسم دوم جلد پارچہ کاغذ دبیز چکنا ولایتی (آٹھ روپیہ) قسم سوم غیر مجلد کاغذ دبیز دیسی (چار روپیہ)

اس اعلان کے صحیح مخاطبین سے قوی امید ہے کہ خریداری کی فرمائشوں سے اس صیغہ کی جلد سے جلد ہمت افزائی فرمائیں گے۔

المشتہر

خاکسار محمد اسحق خاں عفی عنہ آنریری [illegible] مدرسۃ العلوم علی گڑھ

ملنے کا پتہ انسٹیٹیوٹ پریس علیگڈھ

کہ اسی حالت میں ان کو ایک نور ڈھانک لیتا جس سے درو دیوار تک منور ہو جاتے اور خود اسی مین نظرون سے غائب ہو جاتے' (سلام علیک سلام علیک) کی آوازین اور ان کے جواب مین اُسوقت تک برابر سنتا رہا جب تک وہ خلوت سے باہر نہ آئے'

اہل دولت سے استغنا

خلیفہ کی آمد کسی ضرورت سے خلیفہ' وقت شب کے ابتدائی حصہ مین حاضر ہوا صبح تک اس کو قدمبوسی میسر نہ آئی کس کی مجال تھی جو اطلاع دیتا اور وہ کب اطلاع لیتے' امرا اور ان کے آدمیون کی صحبت کو اپنے لئے عذاب فوری سمجھا کرتے تھے'

اہل حکومت کا خیر مقدم جب کبھی خلیفہ یا اُسکا نائب زیارت کو حاضر ہوتا تو آپ گھر مین چلے جاتے تھے اور پھر واپس آتے تھے' تاکہ اہل فقر کی عزت مین کوئی فرق نہ پڑے اور اخلاقاً بھی تعظیم کے لئے مجبور نہ ہون۔

علایق

اولاد جب آپکے کوئی بچہ پیدا ہوتا' تو اس کو اپنے ہاتھون پر لیتے' خدا کا شکر ادا کرتے' پھر کہتے کہ مرنے والا ہے' یعنی ایک روز مر جائیگا'

پھر خدا کو پکارتے کہ اللہ تو گواہ ہے' مرا دل اس کی محبت سے خالی ہے مگر اس کے وہ حقوق جو مجھ پر ہین تیری توفیق سے ادا کرونگا

انکسار و خودداری

چھوٹون سے باوجود اس کے کہ بہت بڑے جلیل القدر اور علامہ وقت تھے' چھوٹے بچون۔ لڑکیون سے بہت شفقت فرماتے تھے' ان کے ساتھ کبھی کبھی کھیل بھی لیتے تھے' انکے کپڑون سے جوئین نکالا کرتے تھے'

فقرا اور [illegible] ساتھ' بے حد تواضع و حرمت کے ساتھ پیش آتے تھے' ان کے اکثر خود کام کرتے تھے'

بڑون سے کسی امیر کے دروازہ پر کبھی کوئی خواہش لیکر نہ گئے، نہ اعیان دولت کی تعظیم کو کبھی اٹھے، نہ کسی بادشاہ یا وزیر کے گھر ان کی دعوت پر گئے۔

مزاج مین حرارت روحانی

ابن الاخضر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ ہم جب موسم سرما مین شیخ کے پاس جایا کرتے تھے تو جلہ کا جاڑہ ہوتا تھا اور وہ محض ایک کرتہ اور ٹوپی پہنے بیٹھے رہتے تھے، اور پسینہ، ان کے جسم سے اس طرح بہا کرتا تھا جیسے گرمیون مین نکلا کرتا ہے، اور حاضرین پنکھا جھلا کرتے تھے،

کرامات

(ا)

امتحان جب آپ کی شہرت بہت بلند ہوئی، تو فقہا اور علماے بغداد کی ایک جماعت جسمیں صرف ایک سو فقیہ تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ہر شخص کوئی نہ کوئی خاص مسئلہ دریافت کرنے کیلیے کہین سے آیا تھا،

جب امتحان لینے والون کی جماعت قرینہ سے بیٹھ گئی، اور آپ نے قرینہ سے معلوم کر لیا کہ طالب علم لوگ علمی پرکھ کو آئے ہیں تو آپ نے مراقبہ کے طریقہ پر گردن جھکالی، سینہ سے ایک نور کی چمک پیدا ہوئی جو حاضرین کے دلون پر ہوتی ہوئی بہ یک چشم زدن گذر گئی،

اس کے بعد حاضرین نے اپنے آپ کو بالکل امی پایا کیسا امتحان کیسا مناظرہ، سب بیقرار ہو کر رو پڑے اور عاجزی کے ساتھ توبہ کی، اضطراب میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے گڑیان [illegible] اتار اتار قدمون پر ڈالدین،

یہ حالت دیکھکر [illegible] منبر پر رونق افروز ہوئے اور ان جملہ مسائل [illegible] جواب [illegible] قربانی شبہات دور کیے

(۲)

ایک دفعہ

مدرسہ نظامیہ
مختلف علماء درمیں آپ سے مسئلہ قضاوقدر پر الجھ پڑے، حضرت جواب میں تقریر فرما رہے تھے، چھت سے ایک ہولناک سانپ گرا، جس سے سب حاضرین خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے اور صرف یہی رہ گئے۔ تقریر ان کی برابر جاری رہی وہ سانپ آپ کے کپڑوں میں گھسا سارے بدن پر پھرتا ہوا گردن کے قریب اس نے اپنا منہ نکالا، پھر وہ اترا اور سامنے زمین پر کھڑا ہو کر کچھ بولا اور پھر چلا گیا۔ جب لوگ واپس آئے تو تقریر جاری تھی، بعد ختم تقریر سب متاثر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ وہ سانپ چلتے وقت کیا کہہ رہا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس نے میرے استقلال پر اظہار تعجب کیا۔ یہ مسئلہ قضاوقدر کی مثالی تفسیر تھی گیا اب بھی یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا

(۳)

آپ نماز پڑھتے

دوسرے دن
تھے کہ وہی سانپ جو مجلس وعظ ومناظرہ کے جلسہ میں آکر آپ کے بدن پر چڑھ گیا تھا، سجدہ کی جگہ منہ کھول کر کھڑا ہو گیا، آپ نے اطمینان سے بحالت نماز ہاتھ سے ہٹا کر سجدہ کر لیا،

آپ سجدہ میں گئے وہ آپ کی گردن میں لپٹ گیا، اور پہلے کی طرح تمام بدن پر پھرتا رہا، پھر آستین کی راہ باہر نکل کر چلدیا،

(۴)

کھنڈر میں

تیسرے دن
آپ تیسرے روز کسی ضرورت سے، ایک کھنڈر میں تشریف لیگئے، وہاں

خود کاہر کر

ایک شخص سامنے آیا اس کی آنکھیں طول میں تھیں اور منہ لمبا، میں سمجھ گیا کہ یہ "کوئی جن" ہے مگر میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا میں وہی سانپ ہوں جو دو روز برابر آپ کی خدمت میں آتا رہا ہوں میں آزمایش کے لئے آیا تھا، اسی طریق پر میں نے بہت لوگوں کو آزمایا کسی میں آپ سا استقلال مجھ کو نظر نہ آیا بعض ظاہر میں گھبرائے بعض باطن میں لیکن آپ نہ ظاہر میں گھبرائے نہ باطن میں، ثابت قدم رہے، آپ نے فرمایا "ہذا من فضل ربی"

اس نے کہا کہ میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنا چاہتا ہوں آپ نے منظور فرمایا۔

(۵)

ایک صدائے غیبی

ایک دفعہ آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہو رہے تھے، یکایک ایک نور نظر آیا، اس میں سے ایک آواز پیدا ہوئی۔

اے عبد القادر میں تیرا پروردگار ہوں

اور میں نے تیرے لئے حرام کو حلال کر دیا ہے

آپ نے فرمایا "لاحول ولاقوۃ" دور ہو ملعون

فوراً وہ نور تاریکی سے بدل گیا، اور دھواں نمودار ہوا اس میں سے آواز آئی (آہ عبد القادر تم اپنے علم و فضل سے بچ گئے ہیں ایسے ہی تماشوں سے اب تک ۷۰ ستر اہل طریق کو گمراہ کر چکا ہوں (آپ نے فرمایا ہذا من فضل ربی)

اسی واقعہ امتحانیہ

سوال کے سلسلہ میں بعض حاضرین نے آپ سے دریافت کیا، کہ اسے مردود ابلیس اور طوارق شیطا[illegible]

آپ نے جواب دیا کہ "

خدائی واردات نہ استدعا سے آتی ہیں نہ کسی اور حیلہ سے، نہ انکا اسلوب وطریق ہمیشہ یکساں ہوتا ہے، نہ کوئی وقت مقرر ہے۔ اور شیطانی طوار اس کے برعکس ہیں"

اسی مجلس

ایک اور سوال

میں ایک خادم نے عرض کیا، کہ ہمت کی کیا تعریف ہے، آپ نے فرمایا کہ ہمت یہ ہے کہ سوائے اپنے خالق کے ہر چیز کو ترک کر دے،

(۶)

قبر کی آوازین

ایک قبر

قبر میں رونے چلانے کی بہت آوازین آنی شروع ہوئین لوگون نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا آپ نے فرمایا کہ جہان تک مجھے یاد ہے اس شخص نے مجھکو ایک بار دیکھا ہے، امید ہے کہ اللہ تعالے اسی وجہ سے اس پر فضل فرمائے"، اس ارشاد کے بعد سے پھر کسی نے وہ آوازین نہ سنین،

آپ کا جلال

ایک چڑے کا کفارہ

آپ وضو فرما رہے تھے جب فارغ ہوئے تو اتفاق سے چڑے نے اوپر سے (بیٹ) کردی جو آپ کے کرتے پر پڑی۔ آپ نے نگاہ اٹھا کر اسکو دیکھا دیکھنا تھا کہ سوختہ ہو کر فوراً نیچے آپڑا، پھر آپ متاثر ہوئے اور وہ کرتہ خیرات کر دیا تاکہ (جان کا کفارہ ہو جائے)

بعض اکابرین طریقت کی انکی بارہ مین رائے

(۱)

شیخ علی بن ہیتیؒ

کی آپکے بارہ میں [illegible] انکے قدم ہوں وتوشا سے منیری کے

ساتھ تفویض موافقت پر جمع تھے۔" ان کا طریقہ موقف عبودیت میں حاضر رہنے کے ساتھ توحید کی تجرید اور توحید کی تفرید تھا کسی ذریعے سے نہ کسی لئے

(۲)

شیخ عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ کی ان کے متعلق یہ رائے تھی کہ آپ کا طریقہ مجاری اقدار کے نیچے قلب و روح کی موافقت کے ساتھ گھلتے رہنا باطن و ظاہر کا ایک ہو جانا اور خیال نفع و ضرر نزدیکی و دوری کے اٹھ جانے سے نفس کی صفات سے باہر نکل جانا ہے۔

(۳)

شیخ بقا بن بطو رضی اللہ عنہ کی ان کے متعلق یہ رائے تھی کہ آپ کا طریق، قول ذل نفس و وقت کا ایک ہو جانا، اخلاص و تسلیم سے ہم آغوش ہوتا رہا۔ ہر سانس خطرہ، و ارادت میں رب العزت کے ساتھ ثابت رہنا کتاب و سنت کے ساتھ،

(۴)

ایک جگہ تحریر ہے کہ قوت اپنے پروردگار کی راہ میں شدت و لزوم کے اعتبار سے تمام اہل طریق کی قوت ان کی سی تھی، ان کا طریقہ توحید، صفاً و حکماً و حالاً، اور ان کی تحقیق شریعت تھی ظاہراً و باطناً ان کا وصف یہ تھا۔

قلب فارغ، ہستی غایب، پروردگار حاضر کا مشاہدہ، ایسے باطنی علم کے ساتھ جو شکوک کی کشاکش سے پاک ہو، اور ایسے راز کے ساتھ جس میں اغیار کو نزاع نہ ہو ایسے قلب کے ساتھ جس سے مشاہدہ کے آثار جانہ ہوں۔

کلمات طیبات

ارشادات

(۱)

حسین حلاج (منصور) کے تعلق

حسین حلاج (منصور) کو مشکل پیش آئی، لیکن اس وقت کوئی ایسا نہ تھا جو اس کا ساتھ دیتا، میں اپنے یارون، دوستون، مریدوں میں سے جس کا گھوڑا ٹھوکر کھائے، قیامت تک ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں؟

یہ اشارہ اس واقعہ کی جانب، حسین حلاج ایک مقام پر پہنچکر (انا الحق) بول اٹھے تھے۔ یہ مرتبہ کا علو نہ تھا بلکہ ایک خاص منزل پر اٹک کر رہ گئے تھے ضرورت تھی کہ کوئی ان کا ہاتھ پکڑ کر آگے کا رستہ بتا دیتا، آخر یہ منزل دار پہ طے ہوئی۔

(۲)

ایک مشکل مین پھنسا ہوا

چند احباب آپ کی خدمت مین ایک شخص کو لائے وہ یہ کہتا تھا کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے "چشم سر" سے۔ آپ نے پوچھا کیون تمہاری بابت یہ لوگ سچ کہتے ہیں۔ اس نے کہا واقعی میں نے خدا کو "چشم سر" دیکھا ہے" تب آپ نے اس کو ڈانٹا اور باطنی توجہ کی، اس کی مشکل آسان ہوگئی یہ کہنا چھوڑ دیا۔

خدام نے پوچھا حضرت یہ کیا معاملہ تھا۔ آپ نے فرمایا،

بھئی کہتا تو سچ تھا، مگر شبہ مین پھنس گیا تھا، اور اس کی صورت یوں واقع ہوئی ہوگی، کہ اس نے نور جمال کو اپنی بصیرت (چشم دل) سے دیکھا۔ جس کے بعد اس کی بصیرت سے ایک چمک (روشنی) پردہ پھاڑ کر اس کی بصر ظاہری تک پہنچی۔ پس اس نے اپنی ظاہری بینائی سے اپنی ہی باطنی کو دیکھا، [illegible] باطنی بینائی کی شعائیں شہود کے نور سے ملی ہوئی تھیں، اس لئے اسے گمان ہوا کہ جس چیز کا شہود اس کی

بصیرت کے سامنے ہوا تھا، اس کو اس نے بصر سے دیکھا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بصر کو بصیرت سے دیکھا لیکن وہ سمجھ نہ سکا رب العزت نے فرمایا "مرج البحرین ہ یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان"

(۳)

دنیا کی تعریف آپ نے فرمایا کیا یہ بھی تعریف کے لائق ہے، اس کو اپنے دل سے نکال کر ہاتھ پر رکھو تب تم اس سے محفوظ رہ سکتے ہو۔

(۴)

شکر کی تعریف نعمت دینے والے کا عاجزی اور فروتنی سے اقرار کرنا، یعنی اسکی عزت کرنا۔

صابر فقیر، شاکر مالدار سے افضل ہے، اور شاکر فقیر دونوں سے افضل ہے،

صابر و شاکر فقیر تینوں سے بہتر ہے۔

(۵)

خوش اخلاقی کی تعریف حق کا مطالعہ اور اپنے نفس اور اس کی چیزوں کو چھوٹا، اور اس کے عیبوں کو جان لینے، اور خلق کو اور ان کی چیزوں کو، اس ایمان و حکمتوں پر نگاہ کرے جو ان میں ودیعت ہیں بڑا سمجھ لینے کے بعد، خلق کی جفا اثر نہ کرے۔

(۶)

بقا کی تعریف بقا، تو (لقا) کے ساتھ ہی ہوتی ہے، اور لقا آنکھ جھپکنے کی طرح ہوتی ہے یا اس سے بھی کم۔

اہل لقا کی نشانی یوں ہے ... کہنا یہ ہے کہ اس وصف میں کوئی فانی شے ان کے ساتھ نہیں ہے ... دونو ضدین ہیں۔

جب تم اس کا ذکر کرو تو تم عاشق ہو، جب تم اپنا ذکر اس سے سنو تو تم

ہر انسان کے پڑھنے لائق تندرستی کی بہترین باتوں کو بتلانے والی

طبی کتب

مصنفہ کوی و نود وید بھوشن پنڈت ٹھاکر دت شرما وید و جدامرت دھارا

صرف نام اور قیمتیں لکھی جاتی ہیں مفصل حالات کیواسطے فہرست طبی کتب مفت منگوائیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
کیا ہم لڑکا یا لڑکی اپنی مرضی پر		رسالہ غذا و صحت	۱۲ر	دروش گیان (علم الاخلاط) اردو	۰۲ر
پیدا کر سکتے ہیں (دوسرا ایڈیشن)	۰۲ر	لکھی روگ یعنی دق وسل	۰۲ر	″ [illegible]	
رسالہ حفظ ما تقدم طاعون ر	۰۷ر	نوے سال و تندرست کیوں دکیے	۰۴ر	رسالہ چیچک	
رسالہ گھر کا حکیم (چوتھا ایڈیشن)	۰۲ر	موت کے قاصد کرم دانکی حقیقت	۰۷ر	دانت دانکی [illegible]	[illegible]
کیا میں تندرست ہوں	۰۸ر	میرے ڈاکٹر چچا نے مجھے معاملات		رسالہ ملیریا یعنی موسمی بخار	[illegible]
رسالہ ہلیلہ (دوسرا ایڈیشن)	۰۱ر	دنیا داری کی تعلیم کیسے دی	۰۳ر	دیرج کے متعلق طبی و علمی تحقیقات	۰۶
سیر شملہ	۸ر	رسالہ سرعت	۰۵ر	مشترت کا ترجمہ حصہ اول	۰۸ر
رسالہ حکیم و مریض (″)	۰۲ر	رسالہ آتشک (زیر طبع ہے)		گنج مجربات	[illegible]
رسالہ زہروں کا علاج نمبر اول	۰۳ر	رسالہ سوزاک	۰۸ر	رسالہ کام و [illegible] شاستر	[illegible]
″ ″ نمبر دوم	عمر	رسالہ مجربات حکما ہند نمبر اول	۱۰ر	شباب جاودانی	۴
رسالہ برہمی (دوسرا ایڈیشن)	۰ر	″ ″ نمبر دوم	سے ر	رسالہ وضع حمل	۰۶ر
رسالہ دلچسپ طبی مضامین نمبر اول	۰۴ر	″ ″ نمبر سوم	ہر	رسالہ میٹھی نیند و فلسفہ خواب	۰۱۲ر
رسالہ صحت کے دس اصول	۰۶ر	″ ″ نمبر چہارم	ہر	ہپناٹزم یا ذاتی تربیت	۶ر
ہدایت الموسم	۰۱۲ر	″ ″ نمبر پنجم	زیر طبع	فزیالوجی یا علم افعال الاعضا	۹ر
پرورش اطفال	۰۱۴ر	رسالہ دردسر	۰۷ر	تحفہ سرما	۰۲ر
رسالہ قبض	۱۰ر	رسالہ شہد یا اختناق الرحم	۸ر	″ ۲	۰۲ر

ملنے کا پتہ:- کارخانہ دھارا لاہور